سلسلۂ دارالمصنفین

نمبر ۲۰

مقالۂ روسو

جسمیں

فرانس کے مشہور قلمی انقلابی ہیرو، روسو

نے

علوم وفنون کے افادی اثرات ونتائج کی تنقید کی ہے

مترجمہ

صاحبزادہ ظفرحسین خان سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس پیلی بھیت

باھتمام مسعود علی ندوی

درمطبع معارف اعظم گڈھ چاپ شد

سنہ ۱۹۲۴ء سنہ ۱۳۴۲ھ

دل کھول کر علم و فضل کے پرخچے اُڑائے اور چونکہ مضمون انجمن کے معتقدات کا چبھتا ہوا رد تھا اس لئے روسو کو مطلق توقع نہ تھی کہ اسے انعام ملیگا لیکن انجمن ویزان نے مضمون کو قدر کی نظر سے دیکھا اور سنہ ۱۷۵۰ع مین روسو کو انعام ملا، یہ سب سے پہلا خراج تحسین تھا جو روسو نے مشاہیر فرانس سے وصول کیا، یہ رسالہ روسو کا نام منظر عام پر لے آیا اور اس کی شہرت کا سنگ بنیاد ثابت ہوا، اس کے البیلے خیالات سے واقف ہونے کے لئے تو ناظرین کو رسالہ کے صفحات کی جانب رجوع کرنا چاہیئے، یہان صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ روسو کے دل مین عرصہ سے جو مواد پک رہا تھا وہ راہ پاکر اس مضمون مین پھوٹ نکلا، تمدّن جدید کے اطوار جو تمام تر بناوٹ اور لگاوٹ پر مشتمل ہین اور فطری سادگی اور سچائی سے خالی ہین، روسو کے نظر مین سنہ ۱۷۴۳ع سے کھٹک رہے تھے، جبکہ اس کا تعلق وینس کے سفارت خانہ سے تھا، اور یہ پھوڑا نوک نشتر کا منتظر تھا، جو آخر کار انجمن ویزان کے عنوان مضمون نے بہم پہونچا ہی دیا،

اس رسالہ کا شایع ہونا تھا کہ محفل علم و ادب مین ہل چل مچ گئی اور فقہا، علما، ادبا، غرضکہ ہر طبقہ سے اس کی تردید مین آوازین بلند ہونے لگین، حتّٰی کہ شاہ پولینڈ نے بھی گویا اپنے مرتبہ سے اُتر کر روسو کی تردید مین رسالہ لکھا، لیکن اس تنقیدی لے دے نے روسو کے نام کو اور چمکا دیا! شاہ پولینڈ کی تنقید نے روسو کا تعارف یورپ کے فرمانرواؤن سے کیا، پادریون کے فتوؤن نے اسے اراکین کلیسیا سے روشناس کرایا، اہل ادب کی نکتہ چینیون نے، دنیائے ادب مین شہرت دی اور اخبار نویسون کی چھتاڑ نے گھر گھر روسو کا نام پہنچا دیا،

لیکن یہ شیر بیشۂ[۱] حکمت اپنے دل مین خوش تھا کہ اوس کی شہرت اور اوس کے خیالات کی

[۱] فرانس کے ادبی حلقون مین اس کو اکثر "شیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا،

اشاعت کا گویا غیب سے سامان ہو رہا تھا، اور اپنے عقاید کی تبلیغ تو وہ سودا تھا، جس کو ہزار عزتون کی قیمت پر خریدنے مین بھی اُسے کبھی پس و پیش نہ ہوا،

افشائے رازِ عشق مین گو ذلتین ہین   لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا

مادر فطرت کا سیدھا سادھا بچہ "فطری اِنسان" جس کو تمدن نے زبردستی گو دیکر "مصنوعی اِنسان" بنا دیا ہی، مختلف اسالیب مین روسو کا موضوع قلم رہا ہی، یہانتک کہ اوس کے فلسفہ "فطرتیت" کے زد سے کوئی شعبۂ علم محفوظ نہ رہا، کیا تعلیم، کیا سیاسیات، کیا اقتصادیات سب پر رفتہ رفتہ "فطریت" چھا گئی،

اجارہ عمرانیہ[1] جو مذہب سیاسیات مین صحیفۂ آسمانی کا مرتبہ رکھتا ہی وہ معرکۃ الآرا رسالہ ہے جس مین نظریۂ فطرتیت کا رنگ پختہ ہو کر اور نکھر گیا تھا، اوس کی قوت اثر اور حُسنِ قبول کا اندازہ اِس امر سے ہو سکتا ہی کہ انقلاب فرانس اِسی کا ایک کرشمہ تھا،

اور جس طرح اجارہ عمرانیہ نے حکومت کے واسطے بس ایک ٹھیکہ دار کی حیثیت مقرر کر کے "شہنشاہیت اور ظل الٰہیت" کے بتون کو چور چور کر دیا تھا، اِسی طرح دنیائے تعلیم کے درمیان، روسو کا دوسرا نوشتہ ایمیل[2] بھونچال بنکر آیا اور قدیم درسگاہون کی جڑین ہلا دین، "ایمیل" ناول کے پیرایہ مین روسو کے فطری اُصول تعلیم کا دلکش مرقع ہی اور سچ یہ ہی کہ وہ زبان جس کا دامن ان جواہر سے خالی ہو بڑی بدنصیب ہی، آج یورپ کی کوئی زندہ زبان نہین ہی، جس مین اجارہ عمرانیہ اور ایمیل کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو، اور ان کی مقبولیت کا بیسوین صدی عیسوی مین بھی وہی عالم ہے

---

[1] Social Contract.

[2] ہیرو کا نام ہے Emile

جو اٹھارھوین صدی عیسوی مین تھا، صرف انگلستان کے متعدد دارالاشاعت مختلف سلسلون مین اس کے نت نئے اڈیشن شائع کر رہے ہین، سچ ہی،

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

روسو کے واقعاتِ زندگی تو ایک مستقل تصنیف کے طالب ہین، اِس مقدمہ کے تنگنائے ظرف مین کیونکر سما سکتے ہین، لیکن ہان سمندر کوزہ مین بھرا جا سکتا ہی تو کہہ سکتا ہون کہ ۱۷۱۲ء مین فرانس کو اسکی ولادت کا شرف حاصل ہوا اور دیگر اعلیٰ قابلیتون کی طرح اِس نے بھی افلاس کے گود مین پرورش پائی، یعنی جینوا کے ایک گھڑی ساز کے ہان اوسکی روح نے جنم لیا، لیکن آگے چل کر تاریخ شاہد ہی کہ یورپ پر اسکے قلم کی وہ دھاک بیٹھی کہ تخت و تاج تک اوس کے سامنے لرزان تھے، چنانچہ حکومت وقت کے ہاتھون وہ بہت ستایا گیا اور اپنے مذہبی و سیاسی عقاید کے کارن فرانس سے جلاوطن ہونا پڑا، تعصّب و افترا پردازی کی بن آئی، دشمن کو مغلوب پاکر طرح طرح کے افسانے اپنے دل سے گڑھ کر اوس کی عصمت پر داغ لگایا، میڈم ڈی دیرن وغیرہ علم دوست رئیس زادیون کے نظر لطف کو، حریف دوسرے پیرایہ مین لے اُڑے، اور اُسے خوب مطعون کیا، عرفی نے کبھی ایسے ہی موقع پر اپنا دل سمجھایا تھا ؎

ستم تہمت جہال نہ بر باد تو رفت یوسف این را متحمل شد و مریم برداشت

اگرچہ روسو نے اپنی زندگی کا سارا کچا چٹھا اپنے "اعترافات"[1] مین خود کھول دیا ہی اور اپنی سیرت و کردار کی اخلاقی نکتہ چینی مین دشمن کی صاف گوئی سے زیادہ کام لیا ہے، اور یہ

ؔ Confessione

اخلاقی جرأت تسلیم کرنا چاہیئے کہ بجائے خود ایک فضیلت اخلاق ہی، لیکن اس کے دشمنون نے اس کا نامۂ اعمال جس قدر سیاہ دکھانا چاہا ہی، اوس مین یقیناً مبالغہ کا شائبہ بیشتر ہی،

دیگر علمی مشاغل کے علاوہ، فرانس کی مشہور عالم دائرۃ المعارف کی ترتیب وتالیف کے ساتھ روسو کا تعلق، نیز قابل ذکر ہی،

جلا وطنی کی سزا کاٹنے کے بعد فرانس واپس آیا، لیکن اب حکومت کی سخت نگرانی مین رہتا تھا، اظہار خیالات کو قدم قدم پر پابندی کا سامنا تھا، بات مُنھ سے نکالنا دشوار تھی، لیکن حریفون کے دل مین، فرانس کے اندر اِس کی خاموش موجودگی بھی کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی!

قفس مین یون گراچھا بھی بجا مین میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہی نواسنجان گلشن کو

اکتا کر انگلستان چلا گیا، جہان کچھ عرصہ ہیوم کا مہمان رہا اور پھر فرانس کی مٹی نے کھینچ بُلایا اور چند روز اور کشاکش دہر جھیلنے کے بعد ۱۷۷۸ء مین آپ کو حکومت کی طرف سے، اور حکومت کو اپنی طرف سے امین کردیا،

(۲)

روسو، اگر آج زندہ ہوتا تو اُس کو اپنی خوش نصیبی پر آپ رشک آتا کہ اگر اس کا اصل رسالہ فرانس کی ایک ممتاز انجمن کی بارگاہِ علم مین مقبول ہوا تھا تو اِس کا ترجمہ ہندوستان کی ممتاز بزم فضل یعنی دار المصنفین کی جانب سے شائع ہورہا ہے،

صید از حرم کشند خم جعد بلند تو

انصاف کا خون ہوگا، اگر اس موقع پر روسو کا مترجم دار المصنفین کی اِس علمی رواداری

کے اعتراف مین، ادائے شکر سے قاصر رہے، اگر دل کا راز بتانا کچھ بیجا نہ ہو تو کہا جاسکتا ہو کہ جذبات کا تقاضا تو یہانتک تھا کہ یہ ترجمہ بانی انجمن ہذا کے نام نامی کے ساتھ معنون کر دیا جاتا، لیکن مشکل یہ تھی کہ "علم" کے پرخچون" کا ایک علامہ کی ذات کے ساتھ انتساب، عقیدت مندی کی نظر مین، گویا علم کے دیوتا سے گستاخانہ ٹھٹھول کا، کم از کم، پہلو رکھتا تھا، پس اِس احتیاط نے ضبط جذبات فرض کر دیا ورنہ یہ ترجمہ علامہ شبلی نعمانی کے برگزیدہ نام کے ساتھ منتسب کر دیا جاتا،

چند کلمہ مجھے ترجمہ کے متعلق، مختصر، عرض کر دینا ہین اور بس، اِس لئے کہ مین خود، رسوا اور ناظرین کے درمیان، زیادہ دیر حائل رہنا، پسند نہین کرتا،

یون تو ترجمہ نویسی کا گویا یہ ایک فیشن ہو کہ مترجم اپنے مقدمہ کے کچھ حصہ مین تو زیر ترجمہ کتاب کی مخصوص دشواریون کا رونا روتا ہو اور باقی حصہ، مذہب ترجمہ سے متعلق اپنے خاص الخاص عقاید کی تلقین و تبلیغ مین صرف کرتا ہو، کرنا تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہو، لیکن نہ اس قدر کہ بارِ خاطر ہو جاؤن، مجھے صرف دو باتین کہنا ہین اور بس یہی اِس مسئلہ مین میرے رسوخ اعتقاد کی بنیاد ہین،

(۱) ترجمہ کا معیار، مترجم خاکسار کے نزدیک یہ ہو کہ جو کیفیت اصل کے پڑھنے سے ذہن پر طاری ہوتی بعینہ وہی کیفیت، ترجمہ کے پڑھنے سے طاری ہو سکے، اِس مقصود کے حصول مین مترجم کو پوری آزادی ہو کہ وہ اپنی زبان کی ساخت، صرف و نحو، محاورات کی مناسبت سے، زیر ترجمہ عبارت کے الفاظ کے در و بست اور ترتیب مین جو چاہے تصرف کرے، یہ تو آزادی کے حدود ہین لیکن اِس آزادی کے ساتھ پابندی اِس امر کی لازم ہو کہ مصنف کے خیالات کے ساتھ اپنے خیالات آمیز نہ کیے جائین یعنی مصنف کا مفہوم ٹھیک ٹھیک ادا کرنے مین زبان مین جو چاہے تصرف کر لیا جائے

لیکن اِس کے خیالات مین تصرف نہ کیا جائے اِس لئے کہ دراصل محل ترجمہ یہی "خیال" ہی، نہ کہ "زبان"

اِس نظریہ کی عملی تفریع یہ ہوگی کہ ترجمہ کے اغراض کے لحاظ سے ہمہ پیچ جملہ کو خیال کی "اکائی" مان لینا چاہیے، نہ کہ جداگانہ الفاظ کو، بلکہ فقرات تک کو نہین،

یہ ترجمہ کا آئڈیل ہی، جو مترجم ہذا کے پیش نظر رہا ہی، لیکن براہِ کرم، اِس کے یہ معنی ہرگز نہ لیے جائین کہ مترجم کو اِس سے کماحقہ عہدہ برآئی کا دعویٰ ہی، یہ قول ہربرٹ اسپنسر کے آئڈیل کی تعریف ہی یہ ہی کہ وہ ایک ایسا اعلیٰ ذہنی نمونہ ہی جو اگرچہ شمع ہدایت کا کام دیتا ہے، لیکن خارج مین اوس کا وجود نہین پایا جاتا،

(۲) دوسری بات قابل گذارش یہ ہی اور یہ ترجمہ کی لائن سے ہٹی ہوئی، زبان کے متعلق ایک عام بات ہی، کہ دورِ جدید کے بعض اہل قلم ٹھیٹ ہندی برن کے الفاظ کا استعمال اِصطلاحی مضامین کی پایۂ تمکنت سے گرا ہوا سمجھتے ہین، جس کا لازمی وبال، اُردو کی گردن پر یہ آکر پڑا کہ جس طرح آج کل کے انگریزی خوان تین حصہ انگریزی اور ایک حصہ اُردو ملا کر بولتے ہین، دوسرے فریق نے اِس کے جواب مین عربی کی اِس قدر بھرمار کی کہ اُردو کو عربی بنا دیا، اگر ایک فریق کہتا ہے "لہ رینی سیزن نے سارے کام اسٹاپ کر دیئے، تو دوسرا فریق اسکے جواب مین بولتا ہی کہ "تقاطر امطار علی الاتصال مزاحم نقل و حرکت ہی"!!

میرا مطلب یہ ہرگز نہین کہ اُردو مین عربی کے نئے الفاظ اِستعمال ہونا بند ہوجائین، ضرور اِستعمال کیے جائین، بشرطیکہ کھپ سکین، اُردو مین ہرزبان کے الفاظ جذب کرنے کی

لہ اعلیٰ تخیل، نصب العین یا مطمح نظر، ۲ہ برسات، ۳ہ بند کردینا،

صلاحیت ہی، مقصود اصلی یہ ہی کہ ہندی نثر او الفاظ کے ساتھ "ترک موالات" کی ادبی پالیسی مین ترمیم کی جائے اور ادب کے دائرہ مین بھی "ہندو مسلم یونٹی" کا پرچار ہو، چنانچہ اُردو لٹریچر کے لیڈرون کے آیندہ پروگرام مین ایک مد "اچھوت ذات" کے لفظون کو فروغ دینا، بھی ہونا چاہیئے،

شاید روسو کے عین مذاق خیال کی بات، یہان، زبان قلم سے نکل گئی،

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

لے اتحاد،

دیباچہ

صفحات ذیل، ناظرین کو ایک دِل آویز اخلاقی مسئلہ سے روشناس کرائین گے، فلسفیانہ موشگافیان جو لٹریچر کے ہر شعبہ کے اندر سرایت کرتی جاتی ہین اور جن سے ہمارا نصاب تعلیم تک نہین بچ سکا، میرے موضوع بحث کے خط و خال نہین ہین، میرا مقصود اون سادہ و بسیط حقائق کی تحقیق ہی جو انسانی راحت کی جڑ ہین،

مین جانتا ہون کہ میرا دعویٰ ایک ایسا گناہ ہی جو بہ آسانی عفو نہین کیا جا سکتا، اِس لئے اون چیزون کے خلاف لب کشائی کرنا، جن کو دنیا آج قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اپنے تئین لعن و طعن کا ہدف بنانا ہی، اور بالفرض چند حق شناسون کی تحسین اگر نصیب بھی ہوئی تو تو اِس سے عام پھٹکار کی تلافی نہین ہو سکتی، لیکن مین انشاء اللہ اپنے مقام پر ثابت قدم رہونگا، مجھے عالم و جاہل، کِسی کے خوشنودی مزاج کی پرواہ نہین ہی، ہمیشہ اِنسان اپنے گرد و پیش کے متداول و رائج عقائد کا اسیر ہوتا ہی اور آجکل کے فلسفی و آزاد خیال اگر انجمن (احتساب) کے زمانہ مین ہوتے تو وہ بھی مذہبی جوش و تعصب مین کسی سے پیچھے نہ ہوتے، پس وہ اہل قلم جو اپنے عہد کے بعد بھی جینے کا آرزومند ہی، اوس کو چاہیئے کہ ہم عصرون کے واسطے لکھنے کا خیال چھوڑ دے،

ایک بات اور کہتا ہون اور بس، چونکہ مجھے اِس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ مضمون شروع

قبولیت وانعام حاصل کرے گا، لہذا مین نے اِس کو بھیجدینے کے بعد بہت کچھ گھٹا، بڑہا دیا تھا اور وہ گویا ایک بالکل نئی تصنیف بن گیا تھا، لیکن بحالات موجودہ میرا فرض ہی کہ مین اِسکو اِسی مشکل مین شائع کردن، جس مشکل مین اوس نے انعام حاصل کیا تھا، چنانچہ بجنبسہ پیش نظر ہی، سوائے چند نوٹون[1] کے اضافہ اور دو جگہ تبدیلیون کے حذف کے جو بیک نظر معلوم ہوجاتی ہین اور جن کو غالبًا، اکاڈیمی پسندیدہ نظر سے نہ دیکھتی ہوگی.... تعظیم، امتنان اور انصاف جن کی جماعت ہذا مستحق ہی، میرے خیال مین اِس امر کے مقتضی تھے کہ مین اِس بات کو یہان ظاہر کردون

---

[1] اور مترجم نے مفید مطلب نوٹون کو متنِ عبارت مین چسپان کردیا ہے،

عُلوم وفنُون کے اَخلاقی اثرات
پر
ایک نظر

میرے سامنے سوال یہ ہی کہ علوم وفنون کی ترویج وتجدید کا اثر اخلاق پر کیا پڑا، آیا ان کے ذریعہ سے ہمارے اخلاق مین جِلا اور صفائی پیدا ہوگئی، یا اُلٹی کثافت اور خرابی آگئی؟ مین کس پہلو کو اختیار کرون؟ صاحبو! مجھے وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو ایک ایماندار آدمی کو زیبا ہی جس کو اپنے جہل کا احساس ہی، اور جو باوجود جہل ونادانی، آپ کو کسی سے ہیٹا نہین سمجھتا ہے،

مجھ کو، اس عدالت کے سامنے جس کے ہاتھ مین میری قسمت کا فیصلہ ہے، اِس موضوع پر کما حقہ بحث ونظر کے مشکلات کا اندازہ ہی، مین علمائے یورپ کی جلیل الشان جماعت کی تحقیر کس طرح کرون؟ اور علم وفضل کی اوس حقارت کو جو مین اپنے دل مین رکھتا ہون، اوس عزت کے ساتھ جو حقیقی علماء کے واسطے واجب ہی، کس طرح نبا ہون؟

نکتہ چین ہے، غمِ دل اوسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

گر مجھ کو کس بات سے خوفزدہ ہونا چاہیے؟ آیا مجھ کو اِس جماعت کی نکتہ سنجی

اور ژرف نگاہی سے ڈرنا چاہیئے جس کے سامنے مین اپنے خیالات کی وکالت کے لیئے کھڑا ہوا ہون؟ مین تسلیم کرتا ہون کہ یہ خوف کا مقام ضرور ہی لیکن دراصل مین اپنی عبارت کی خامیون کی وجہ سے خائف ہون نہ کہ اپنے خاص خیالات کی وجہ سے، عادل سلاطین نے مشکوک مقدمات مین، اپنی مرضی کے خلاف بھی فیصلہ دیدیئے ہیں اور اِس مین شک نہین کہ ایک سچے دعوی کے واسطے اِس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہی کہ وہ منصف اور روشن خیال عدالت کے روبرو پیش ہو، جس کو اپنی ذات کے خلاف حکم دینے مین بھی تامل نہین ہو سکتا ہی،

اِس خیال نے میری ڈھارس باندھی اور اِس خیال مین ایک خیال اور آکر مل گیا جس نے مجھے بالکل آمادہ کر دیا اور وہ یہ خیال تھا کہ چونکہ مین اپنے مقدور بھر حق کی حمایت کے واسطے کھڑا ہوا ہون، لہذا ظاہری کامیابی خواہ کچھ ہو، مین ایک اِنعام سے کِسی حال محروم نہین رہ سکتا اور یہ انعام وہ ہی جو بہر حال وصورت اپنے ضمیر سے مجھے ملے گا،

حصۂ اوّل

یہ کیسا پُرعظمت و نظر فریب منظر ہی کہ اِنسان، اپنے آپ کو، اپنی کوشش کے ہاتھون "گویا نیست" کی پستی سے، "ہست" کی بلندی پر لیجاتا ہی، اور اپنی عقل کی روشنی سے، ان غلیظ بادلون پر غالب آتا ہی، جن مین فطرت نے اُسے لپیٹ دیا تھا، وہ بسا اوقات، اِنسانیت کے انتہائی نقطہ سے بھی اونچا نکل جاتا ہی اور اپنے خیالات کے پرون پر اُڑ کر ملأ اعلیٰ تک پہونچتا ہے آفتاب کی طرح اپنے طویل قدمون سے وسعت آبادِ عالم کی سیر کرتا ہی اور سب سے زیادہ حیرت و استعجاب کا مقام وہ ہی جبکہ وہ اپنے اندر واپس آکر "اِنسان" "انسانیت" "فرائض" اور "مآل حیات" کا مشاہدہ کرتا ہی، اِن تمام معجزات کا ظہور اگلی قرنون مین بارہا ہو چکا ہی،

آدمی زادہ طرفہ معجونیست	از فرشتہ سرشتہ وز حیوان
گر کند میل این شود کم ازین	ور کند قصد آن شود بہ ازان

عہد قدیم مین، یورپ پر وحشت چھائی ہوئی تھی اور دنیا کے اِس ٹکڑے کے باشندہ جو آج اِس قدر روشن خیالی کا دم بھرتے ہین، چند صدیان اُدھر، ایک ایسی حالت مین ڈوبے ہوئے تھے جو جہالت سے بدرجہا بدتر تھی۔ علمی بکواس جو جہل سے کہین زیادہ نفرت انگیز ہے، علم کی سلطنت کو دبا بیٹھی تھی اور اوس کو معزول کرکے، علم کو اوس کا جائز حق دلانا، قریبًا محال ہو گیا تھا،

حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ ایک ایسے مکمل انقلاب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو انسان کی گم شدہ معمولی سمجھ کو واپس دلا دے، چنانچہ سیلاب آیا اور اوس طرف سے آیا، جدھر سے آنے کا وہم وگمان بھی نہ تھا، نادان مسلمان نے جو علم و فضل کے حق مین ایک دائمی تازیانہ ہی، ہمارے اندر ایک نئی روح پھونک دی، قسطنطین کے سر سے تاج کا گرنا تھا کہ قدیم یونان کی یادگارین اٹلی مین آگئین بعد ازان اس گرانقدر مال غنیمت نے فرانس کو مالا مال کر دیا، "ادب" کے پیچھے پیچھے "علوم" کا قافلہ آیا اور تحقیق و اجتہاد نے انشاپردازی سے ہاتھ ملایا، یہ ترتیب عجیب ضرور معلوم ہوتی ہی، لیکن شاید یہی نہایت قدرتی ترتیب ہی، دنیا نے شعر و سخن کی دیوی سے رسم و راہ کھولی، بنی نوع انسان کے دل مین ایک دوسرے کو خوش کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور ملنساری کا بیج بویا گیا،

روح اور جسم کے ضروریات جداگانہ ہین، جسمانی ضروریات سوسائٹی کی بنیاد ہین، اور روحانی حاجات اس کا زیور ہین، جب تک حکومت و قانون، رفاہ عام اور امن عامہ کی ضامن رہتی ہین، اس وقت تک علوم و فنون اور ادبیات کا جوڑ عیان نہین ہوتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہین کہ ان کی قوت اور اثر مفقود ہوتا ہے، تعلیم، گرانبار طوق و زنجیر کو پھولون کے ہار ڈال کر چھپائے رکھتی ہی، آزادی کے فطری احساس کا جو انسان کا پیدائشی حق ہی، اس کے سینہ ہی مین گلا گھونٹ کر خاتمہ کر دیتی ہی اور غلامی کا گرویدہ بنا دیتی ہی، مختصر یہ کہ قوم کو اس بلند درجہ پر پہنچا دیتی ہی جس کو عرف عام مین تمدن اور تہذیب کہتے ہین،

ضرورت نے شاہی تخت بچھائے، علوم وفنون نے ان کو پائدار کیا، سلاطین ہمیشہ کمال اور صاحب کمال کی قدر و پرداخت اور تفریح و طرب و لہو لعب کی ہمت افزائی کرتے ہین اور اِس مین اون کی دو بڑی مصلحتین مضمر ہوتی ہین، اول تو یہ کہ اِن تمام مشاغل کے اثر سے نظر کی وسعت سمٹ کر ایک تنگ دائرہ مین محصور ہو جاتی ہی، دوسرے یہ کہ غیر فطری و مصنوعی ضروریات کے جال مین قوم پھنس کر، پرانی زنجیرون پر گویا صدہا نئی زنجیرون کا اضافہ کر لیتی ہے سکندر نے مفتوحہ قوم سے ماہی گیری کا پیشہ چھڑوا کر، متمدن اقوام کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا تھا،

امریکہ کے وحشی جو برہنہ پھرتے اور شکار پر بسر اوقات کرتے ہین، آج تک محکومیت کی تلخی سے نا آشنا ہین، اصل یہ ہی کہ اوس شخص کے کاندھے پر کوئی جوا نہین رکھ سکتا، جس کو کسی شے کی حاجت ہی نہ ہو، معاشرت جدیدہ کے دلفریب رخ کے خط و خال، نداق سلیم کی نزاکت و نفاست، خندہ پیشانی، گرمی تپاک، حسن و تواضع، بالفاظ مختصر یون کہو کہ مصنوعی محاسن اخلاق کی نمایش اور اصلی مکارم اخلاق کا نقدان ہی،

مین ہون اور افسردگی کی آرزو، غالب، کہ دِل — دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

نئی روشنی کے دلدادہ، اِن مزخرفات کو قیمتی جواہر تصور کرتے ہین اور خوش وقت و خوشباش غلامون کی جانب سے گرانقدر عطیہ سمجھ کر سر چڑھاتے ہین،

"یہ کمالات"، جس قدر، بناوٹ سے خالی ہوتے ہین اُسی قدر پُر کشش ہوتے ہین، ایتھنز اور روما اپنی عظمت و شان کے پرفخر عہد مین، انہی کمالات مین ممتاز تھے، زمانۂ حال کے آثار

دیکھتے ہوئے ظن غالب ہوتا ہی کہ وہ اِس معاملہ مین تمام گذشتہ عہدون پر بازی لیجائیگا فلسفیانہ انداز بیان نہ کہ علمیّت کا بھدّا اظہار، قدرتی دلنشین کلام (جو طوطانی بھونڈے پن سے پاک اور اطالیانہ اشارات وکنایات سے معرا ہی) یہ وہ خوبیان ہین جو وسعتِ نظر اور تجربات عالم سے پیدا ہوتی ہین، ہم سے سابقہ اور معاملہ رکھنے والون کے واسطے کیسی مسرّت کا مقام ہوتا، اگر ہمارا ظاہر ہماری باطن کا سچا آئینہ ہوتا، اگر تہذیب نیکی بھی ہوتی، اگر ہمارا قول ہمارا فعل بھی ہوتا، اور اگر ادعار تفلسف حقیقی فلسفہ بھی ہوتا، لیکن اتنے اوصاف کا ساتھ ساتھ پایا جانا، فی الجملہ دشوار ہی، علاوہ برین "نیکی" کی سواری کے ساتھ، ماہی مراتب اور نمایشی جلوس نہین ہوتا،

لباس کی بھڑک دولت مندی کا اعلان کرسکتی ہو اور شستگی کلام، مذاق سلیم کا، لیکن تندرستی اور مردانگی کی شناخت، دوسری علامتون سے کی جاتی ہی، طاقت وتوانائی، مصاحبین سلطنت کے زربفتی خلعت کے نیچے نہین بلکہ مزدور کے اوس موٹے کرتے کے اندر چھپی ہوئی ملیگی جس کا موٹا کھدر اوس کے گھر بنا گیا ہی،

نیکی، روحانی توانائی کا نام ہی، اور ہر طرح کی آرایش وزیبایش اِس کی اصلیت سے دور ہی، ایماندار ایک پہلوان ہو جو کشتی لڑتے وقت برہنگی کو پسند کرتا ہی اور قیمتی لباس کو، جس کا مقصد کسی جسمانی عیب کو چھپانا ہوتا ہی، حقارت کی نظر سے دیکھتا ہی کہ وہ آزادانہ داؤ پیچ کرنے مین ہارج ہوتا ہی،

قبل اِس کے کہ تصنع نے ہمارے اطوار کو اپنے سانچے مین ڈھالا، اور ہمارے جذبات کو بناوٹی بولی سکھائی، ہمارے اخلاق اگرچہ ناہموار تھے، لیکن فطری اور سچے تھے، اور ہمارے

طرزِ عمل سے ہمارے طبائع کا پتہ بیک نظر چل جاتا تھا، انسانی فطرت اوس وقت مین بھی کچھ خوب نہ تھی جیسا کہ اب ہی، لیکن آسانی یہ تھی کہ ہر شخص ایک دوسرے کو آئینہ کی طرح دیکھ سکتا تھا اور غلط فہمی وفریب کا کوئی اندیشہ نہ تھا اور اِس وجہ سے اِنسان بہت سی برائیون سے ازخود بچ جاتا تھا، فی الحقیقت یہ ایک بہت بڑی برکت تھی، جس کے فوائد کو ہم آج محسوس نہین کر سکتے،

فی زمانہ علمی موشگافیون اور مذاق کی لطافت نے مِلکہ "تفریح" کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے، اور اگرچہ بظاہر ہمارے آداب واطوار اُصول کے پابند نظر آتے ہین، لیکن نمایشی اُصول پرستی کا مایہ خمیر سرتاسر مکروفریب ہی، ہر دماغ ایک ہی سانچہ مین ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہی، تہذیب یہ چاہتی ہی سلیقہ یہ کہتا ہی غرضکہ ہر رسم پابند قاعدہ اور ہر فیشن پابند قانون ہی، جس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہین ہو سکتی، برخلاف اِس کے احکام فطری کی ایک ایک کر کے خلاف ورزی کی جاتی ہی،

ہم کبھی اپنی اصلی حالت کو ظاہر کرنے کی جرات نہین کرتے بلکہ ہمیشہ اپنے تئین رسمی بندشون مین جکڑا رکھتے ہین اِسی طرح اِنسان کا وہ گلہ جس کو سوسائٹی کہتے ہین مقررہ اوقات پر مقررہ کام انجام دینے کے بعد، آپ کو فرض سے سبکدوش تصور کرتا ہی، یکسان مواقع پر ہر فرد سے یکسان اعمال سرزد ہوتے ہین، تاوقتیکہ کوئی قوی محرک مانع عمل نہ ہو، چنانچہ ہمین کچھ پتہ نہین چلتا کہ آخر ہمارا سابقہ کس سے ہی، حتی کہ احباب کو بھی اوس وقت تک نہین پہچان سکتے جب تک کہ بُرا وقت نہ آ کر پڑے، یعنی بعد از وقت صحیح شناخت ہوتی ہی، اسلیئے کہ ایسا موقع پیش آنے سے قبل ہم کو معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ کون ہمارا دوست ہی اور کون دشمن، بعد کو پتہ چلا تو کیا ہوا،

شک وتذبذب کی یہ حالت، مکرودغا کا ایک سِلسِلہ قایم کر دیتی ہی اور سچی دوستی حقیقی

رعزّت ، کابل بھروسا خیر باد کہہ جاتے ہین ، حسد ، وسواس ، اندیشہ ، بے مہری ، خاموشی ، نفرت اور دھوکا ، خندہ پیشانی کے پر فریب بھیس مین اپنی اصلیّت چھپا کر اور دکھاوے کی صاف گوئی و خوش خلقی کا روپ بھر کر ، ہمارے سامنے آتے ہین ، نمایشی صاف دلی اور مصنوعی سادگی کے ہاتھ مین ہمارے زمانہ کی باگ ہی ، بے محل تسمّ کھانا گناہ سمجھا جاتا ہی ، لیکن بہت سی کفر گوئیان ہین جو ہمارے مذہب کے کانون کو ناگوار نہین ہوتین ، ہم خود تو از راہ انکسار اپنی تعریف اپنے مُنھ سے کرنا عیب سمجھتے ہین ، لیکن دوسرون کا مضحکہ اُڑانے مین کچھ مضایقہ نہین سمجھتے ! دشمن کو بھی اوس کے منھ پر بُرا کہنا ناز یبا سمجھا جاتا ہی ، لیکن پیٹھ پیچھے بُرا کہنے مین گویا کوئی ہرج نہین ہی ! دوسری قومون سے تعصب ہمارے دل سے اُٹھتا جاتا ہی ، لیکن اوس کے ساتھ حُبّ الوطنی کا جذبہ بھی زائل ہوتا جاتا ہی ، جہالت ذلیل نگاہ سے دیکھی جاتی ہی ، لیکن اِس کی جگہ تشکیک کو اختیار کر لیا گیا ہی ،

اِس مین شک نہین کہ بعض بُرائیان بری نظر سے دیکھی جاتی ہین اور بعض کی جانب نفرت و اکراہ کا اظہار کیا جاتا ہی لیکن ساتھ ہی بہت سے معائب ہین جن کو محاسنِ اخلاق کا مرتبہ دیا جاتا ہے ، اور جن کو اختیار کرنا یا کم از کم ظاہر داری کے طور پر برتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہی ، عصر جدید کے اون "نیک بندون" کی مدح سے جس کا جی چاہے رطب اللسان ہو ، لیکن مجھے تو ان کا زہد ایک مہذب رندی اور ان کا تقویٰ ایک شایستہ مستی نظر آتا ہی ، جو میرے خیال مین اوسی قدر ذلیل ہی جس قدر اون کی مصنوعی سادگی ، مان ٹین[1] کا قول ہی کہ مین بحث و گفتگو پسند کرتا ہون لیکن گنے چنے اشخاص

[1] فرانس کا ایک فلسفی و انشا پرداز ۱۵۳۳ء

کے ساتھ، اس لیئے کہ اُمرا رکی تفریح یا اپنی قابلیت کے اظہار کے قصد سے کلام کرنا کسی غیور و متین آدمی کا کام نہین ہی،

الغرض ہمارے اخلاق کی یہ خوبیان ہین اور ہمارے محاسن کی یہ اصلیت، علوم و فنون کا دعویٰ ہی کہ اس تمام کار خیر کا سرانجام، اس کے دم سے وابستہ ہے، مین نہایت خوشی کے ساتھ اس امر کو تسلیم کیئے لیتا ہون، لیکن ایک بات پوچھتا ہون وہ یہ کہ آیا کسی غیر ملک کا باشندہ یورپ آکر اس کے اخلاق کی نسبت صحیح رائے قایم کرسکتا ہی یا نہین، علوم کی اشاعت، فنون کا چرچا، عام ضیافتون کا سلیقہ، ملاقات کی گرمجوشی، کلام کی نرمی، تواضع، لطف و کرم کی بھرمار اور ہر طبقہ کے افراد کا صبح سے لیکر شام تک ایک دوسرے کو ممنون کرنے کی فکر مین لگا رہنا، ان تمام مناظر کو دیکھ کر کیا کوئی ہمارے اخلاق کی اصلیت کو پہونچ سکتا ہی؟

جہان نتیجہ کا وجود نہ ہو، وہان "سبب" کی تلاش عبث ہی، لیکن یہان نتیجہ موجود اور بداعمالی اظہر من الشمس ہی، جس قدر علم و فن مین ترقی ہوئی، اوسی قدر اخلاق بگڑتے اور گندے ہوتے گئے، کیا یہ بدقسمتی موجودہ زمانہ کے واسطے مخصوص ہی؟ نہین، حضرات یہ تمام سیئات جو بے سود عالمانہ اکتشاف و تحقیق کی سرگرمیون سے پیدا ہوتے ہین، اس عالم ارضی کے ہم عمر ہین، سمندر کا مد و جزر اسقدر انضباط اور باقاعدگی کے ساتھ ماہتاب کا تابع نہین جس قدر انسانی اخلاق، علوم و فنون کے پنجہ مین بے بس ہین، جب جب علم و ادب کی روشنی انسانی اُفق پر نمودار ہوئی ہی نیکی پروانہ کر گئی ہی اور یہ تماشہ بلا استثنا ہر ملک اور ہر زمانہ مین ہوتا رہا ہی،

مثال کے لیئے مصر کو لو جو تہذیب و تمدن کا سب سے پہلا مدرسہ ہی اور اپنے روشن آسمان

اور زرخیز زمین کے واسطے مشہور عالم ہی، یہ وہ مقام ہی جہان سے سیساطرس[1] دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا، فلسفہ و حکمت اور فنون لطیفہ نے مصر کی گود مین پرورش پائی، بالآخر کمبائسیز[2] نے اِس کو زیرنگین کیا اور پھر ایک مدت تک یونانیون، رومیون، عربون اور ترکون کا جولانگاہ بنا رہا،

اِس کے بعد یونان کی نظیر لو جو ایک زمانہ مین اِن بہادرون کی بستی تھی جنھون نے دوبار ایشیا کو مغلوب کیا، علوم و فنون جو کہنا چاہیے ابھی ایام طفولیت مین تھے، اِس قابل نہین ہوئے تھے کہ کسی طرح کا گزند پہونچا سکتے، لیکن جون جون اِن مین بالیدگی ہوتی گئی، اُسی نسبت سے عادات و خصائل خراب ہوتے گئے یہانتک کہ مقدونیہ کا جوا اِس کی گردن پر رکھا گیا اور اوس وقت سے لیکر، یونان، جو برابر علم و فضل، عیش پرستی و تن آسانی، محکومی و غلامی مین مبتلا رہا، متعدد انقلابات کا تماشہ گاہ رہا، لیکن یہ تماشہ ایک آقا کے بجائے دوسرے آقا کا تبدیل ہوجانا تھا، ڈیماستھینز[3] کی خطابت اوس جسم سرد کے اندر روح و حیات پھونکنے سے قاصر رہی جس کا خون عیاشی و علوم نے بالکل چوس لیا تھا،

اِسی طرح رومہ جس کی بنیاد ایک چرواہے نے ڈالی تھی اور جس کی ساری شہرت و عظمت، کسانون کے دم سے تھی، اِنئیس اور ٹرنس[4] کے زمانہ سے اِس مین گھن لگنا شروع ہوگیا، لیکن آوڈ، کٹولس، اور مارشل اور اون کے مثل دیگر فحش نویسون کا جن کا نام سُنکر حیا کا چہرہ شرم سے تمتما اُٹھتا ہی، منظر عام پر آتا تھا کہ رومۃ الکبریٰ جو کسی وقت مقدس نیکی کا حرم تھی بدی کا تماشہ گاہ بن گئی، اور دیگر اقوام کی نظر مین باعث نفرت اور غیر متمدن اقوام کی

(۱) قدیم مصر کا فرضی فرمانروا، (۲) ایران قدیم کا ایک بادشاہ ۵۲۹ق م، (۳) یونان کا خطیب اعظم ۳۸۴-۳۲۲ق م (۴) اطالوی شاعر وفات ۱۶۹-۲۳۹ ق م،

نظر مین ایک مضحکہ خیز مقام، بن گئی، چنانچہ اِس ملک کے گردن مین طوق غلامی آ کر پڑا،
جس نے ہمیشہ دوسرون کو اپنے حلقۂ غلامی مین داخل کیا تھا، اِس کے زوال کا دن وہ
شام تھی جبکہ اوس نے اپنے شہریون مین سے ایک کو "مفتی نداق سلیم" کا خطاب عطا کیا تھا،
اب مین مشرقی سلطنت کے اوس پایہ تخت کی نسبت کیا کہون جو اپنی مقامی شان و
شوکت کے اعتبار سے دنیا کا دار الحکومت کہلانے کا مستحق ہی، جو اون علوم کا ماوا و ملجا بنا،
جن کو یورپ کی وحشت و جہالت، نہین بلکہ اوس کی فراست و دور اندیشی نے شہر بدر کر دیا تھا،
فاحش بدکاریان، حیا سوز بد معاشیان، سنگین جرایم، سازشین، قتل اور خونریزیان، قسطنطنیہ کا
تار و پود بن گئی تھین، یہ حال تھا اوس شفّاف سرچشمہ کا جس مین سے علم و فضل کے سیلاب اُبلے ہین
اور جس پر نشاۃ جدیدہ کو اِس قدر فخر و ناز ہی،

اور اِس کی کیا ضرورت ہی کہ حق کا ثبوت قرون ماضیہ کی تاریخ کے صفحات مین تلاش
کیا جائے، جبکہ زمانہ حال کے پاس وافر شہادت موجود ہی، ایشیا بھی ایک وسیع سلطنت ہی،
جہان علم کا احترام کیا جاتا ہی اور جہان علم کے ذریعہ معزز عہدون تک رسائی ہوتی ہی، اگر
علوم، اخلاق کو ترقی دے سکتے ہین، اگر علم سے ہمارے اندر شجاعت، حب الوطنی اور ایثار کے
جذبات پیدا ہو سکتے ہین تو اہل چین کو آج سب سے زیادہ فہمیدہ اور سب سے پہلے آزاد اور
ناقابل تسخیر ہونا چاہیے تھا، لیکن امر واقعہ یہ ہی کہ کوئی عیب نہین، جس کا داغ اون کے
دامنِ اخلاق پر نہو، کوئی جرم نہین، جس کے وہ مرتکب نہون، جبکہ وزراء کی فراست،
قانون کی ہمہ گیری اور جمہور کی وسیع آبادی چین کو جاہل اور شقی تاتاریون کے حملہ سے نہ بچا سکی،

تو علم و ادب کی یہ ساری کائنات، آخر کس دن کے کام آوے گی، ملک کو اِن خطابات سے کیا نفع پہونچا جو علمار کو بخشے گئے تھے، کیا اِس کا منشا یہ تھا کہ پاجیون اور غلامون کی نسل پھلے اور پھولے؟

اِس کے مقابلہ مین ان اقوام کے اخلاق پر ایک نظر ڈالو، جو بیکار علم و فضل کی چھوت سے بچکر، اپنی نیکی کے بل پر آج سب سے زیادہ مسرور اور سب سے زیادہ مطمئن ہین، یہ اقوام فی الحقیقت دنیا کے سامنے ایک بہترین قابل تقلید نمونہ پیش کرتی ہین، اِس قبیل کی ایک قوم ایرانیون کی تھی جس کو نیکی کی تعلیم اِس اہتمام سے دی گئی تھی، جیسا کہ آج ہم کو علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہی، اِس قوم نے ایشیار کو بات کہتے مغلوب کر لیا اور اِس امر کا افتخار تنہا اِس قوم کو حاصل ہی کہ اِس کی سیاسی تاریخ گویا ایک فلسفیانہ افسانہ ہی یہی حال قابل صد مدح سائیدین نسل کا ہی اور یہی کیفیت جرمنون کی ہی، جن کی سادگی عفت اور سعادت کا بیان، مورخ کے قلم کے واسطے جو روشن خیال، دولتمند اور عیش پسند اقوام کے خبائث لکھتے لکھتے اُکتا گیا ہو، آسودگی بخش ہی، یہی حال افلاس اور جہالت کی حالت مین رومہ کا تھا اور یہی حال ہمارے زمانہ مین ان وحشی قبائل کا ہے، جن کی مشہور زمانہ شجاعت کو کوئی مصیبت زیر نہین کر سکتی اور جن کی عصمت کو کوئی تحریص گندہ نہین کر سکتی، مین ان خوشحال قومون کے تذکرے کی ضرورت نہین سمجھتا جو بہت سی برائیون کا جن کے دبانے مین ہمین بڑی دشواری پیش آتی ہی نام تک نہین جانتے تھے، و ور کیون جاؤ امریکہ کے وحشی کو لو، جس کی سادہ اور قدرتی طرز حکومت کو مانٹین افلاطون کی

سیاسیات ہی پر نہین بلکہ اِن تمام خوابون پر فلسفہ نے دیکھے یا جن کی حکمت نے تعبیر دی ہے،
ترجیح دیتا ہی، ان لوگون نے اپنے مشاغل مفیدہ کو دماغی ریاضت پر نادانستہ ترجیح نہین
دی تھی، بلکہ وہ خوب جانتے تھے کہ دوسرے ملکون مین معیار اخلاق اور ماہیت خیر و
شر کی بیکار بحثون مین وقت ضایع کیا جاتا ہی، اور از کار رفتہ حکما، اپنے منھ سے اپنی تعریف
اور دوسرون کی مذمت کرتے ہین، جن کو اونھون نے وحشی کا لقب دے کر انکو بنا رکھا ہے،
لیکن اِن "وحشیون" کی نظر سے اِن حضرات کے اخلاق پوشیدہ نہ تھے اور وہ جانتے تھے
کہ ان کے علم و فضل کی حقیقت کیا ہے،

(من خوب می شناسم پیران پارسلا)

کیا تاریخ اِس شہر کو فراموش کر سکتی ہے جو یونان کے قلب مین آباد تھا اور
اپنے باشندون کی مبارک جہالت اور قانون کی دانائی کے واسطے شہرۂ آفاق تھا، یہ گویا
دیوتاؤن کی جمہوری سلطنت تھی نہ کہ انسانون کی، ان کے فضائل اِنسانیت کے درجہ
سے بہت بالاتر تھے، جس وقت رذائل، فنون لطیفہ کی سرگردگی مین ایتھنز کے رگ و
پے مین سرایت کرتے جاتے تھے، جبکہ وہان کا ظالم حکمران، ملک الشعراء، ملک کا
کلام جمع کر رہا تھا، اسپارٹا جو علم کے غرور سے پاک تھا، اپنے پاس فن اور اہل فن، علم
اور اہل علم کو پھٹکنے نہین دیتا تھا،

اِن دونون کے درمیان جو باہمی فرق تھا، بالآخر سامنے آ گیا، ایتھنز ذوق سلیم
تہذیب کا مرکز بنا، جس کی خاک سے بڑے بڑے فصحا اور حکماء اُٹھے، اس کی عمارتون کی

خوبی ونفاست اور زبان کی بلاغت وشستگی نے چار دانگ عالم سے خراج تحسین وصول کیا، شہر مین ہر چہار جانب، ہنرمند مصورین نے گویا پتھر اور کپڑے مین جان دی تھی، ایتھنز اِن تمام حیرت افزا کارنامون کا یادآور ہی، جن سے ہر بگڑے ہوئے زمانہ مین سبق حاصل کیا جاسکتا ہی، لیکن لیسی ڈیمن کی تصویر کا یہ آب ورنگ نہ تھا، وہ بقول اپنی ہمسایہ اقوام کے نیکون کی بستی تھی، جہان ہوا کے ساتھ نیکی سانس کے اندر جاتی تھی، اِس کے باشندون نے اپنی شجاعت کے کارنامون کے علاوہ کوئی دوسری یادگار نہین چھوڑی لیکن یہ بجائے خود ایک ایسی یادگار ہے جو باریک بین نظر کے آگے، ایتھنز کی پتھریلی یادگارون سے کہین زیادہ برتر وقیمتی ہی،

اِس مین شک نہین کہ ایتھنز مین خال خال ایسے نفوس بھی تھے، جنھون نے زمانہ کے طوفان کا مقابلہ کیا اور اپنے خیالات کو مصوری وشاعری کے پرستان کے درمیان بھی پاکیزہ رکھا چنانچہ انہین سے ایک ممتاز ترین لیکن بدقسمت شخص کی رائے سُنو جو اوس نے ہم عصر ارباب علم وفن کی نسبت قایم کی تھی،

"مین نے شعرا کی حالت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اون کی قابلیت خود اون کو اور دوسرون کو دھوکے مین ڈالے ہوئے ہی، وہ اپنی نازک خیالی کا سکہ بٹھانا چاہتے ہین اور اِس مین فی الجملہ کامیاب بھی ہوتے ہین، لیکن اصلیت بہت جلد بے نقاب ہو جاتی ہی"

آگے چل کر سقراط کہتا ہی "شعرا کے بعد، مین مصورون کی جماعت کی طرف متوجہ ہوا، مجھ سے زیادہ جاہل، اور علم وفن سے کورا کوئی نہ ہوگا، لیکن مجھے بہت جلد معلوم ہوگیا، کہ وہ بھی شعرا کی طرح غلط راستہ پر پڑے ہوئے ہین اور دونون ایک ہی قسم کی غلط فہمی مین مبتلا ہین،

چونکہ سب سے زیادہ مشاق ہاتھ اپنے ہم چشمون پر سبقت لیجاتا ہی پس وہ خیال کرنے لگتا ہی کہ دنیا
کی ساری عقل و دانش اسی کے حصہ مین ہی، اس تکبر نے اون کو میری نظر سے گرادیا، پس مین نے
اپنے دل سے اِس طرح استفسار کیا، جیسا کہ کوئی کسی دیوتا سے استخارہ کرتا ہی کہ آیا مجھے اپنی
موجودہ حالت پر قناعت کرنا چاہیئے یا اون کے مثل بننے کی سعی کرنا چاہیئے، کیا مجھ کو وہ جاننے کی
کوشش کرنا چاہیے جو وہ جانتے ہین یا اپنی جہالت پر قانع رہنا چاہیے، میرے قلب نے گواہی
دی کہ میری موجودہ حالت قابل ترجیح ہی،

"نہ سوفسطائی، نہ شعرا، نہ خطبا اور نہ مین، کوئی بھی نہین جانتا کہ حق، خیر اور جمال کی
ماہیت کیا ہی، لیکن میرے اور اون کے درمیان فرق یہ ہی کہ وہ کچھ نہین جانتے اور جاننے کا دعویٰ
کرتے ہین اور مین کچھ نہین جانتا لیکن یہ جانتا ہون کہ کچھ نہین جانتا، بہرطور مجھے قطعیت کے ساتھ
اپنی لاعلمی کا تو علم ہی، دار الکہانت نے جو میرے عقل کی فضیلت کو سراہا ہی، اوس کا منشا اِس کے
سوا کچھ نہین کہ مجھ کو اون امور سے متعلق جو میری واقفیت سے باہر ہین، لاعلمی کا کامل اعتراف ہی"

الغرض تم نے دیکھا کہ سقراط جو دیوتاؤن کے نزدیک عاقل ترین اِنسان اور یونانیون
کی رائے مین ایک جید عالم تھا، کس قدر جہل کا معترف ہی اور اگر آج بھی وہ ہمارے درمیان، بقید
حیات ہوتا اور علمائے عصر اوس کو اپنا ہم خیال بنانے مین ایڑی چوٹی کا بھی زور لگا دیتے، تو بھی
صاحبو! یہ دیانت کا پہاڑ، اپنی جگہ سے نہ ہٹتا اور اون کی علمی خرافات کو حقارت کی نظر سے دیکھتا،
کتابون کا کاغذی سیلاب جو ہر چہار جانب سے آرہا ہی سقراط کے سر وامن کو بھی تر کرنے مین کامیاب
نہین ہو سکتا تھا، اور جس طرح وہ اپنی اتباع کی ہدایت کے واسطے اپنے فضائل و خصائل کی محض یاد

چھوڑ گیا تھا، اسی طرح ہمارے واسطے بھی چھوڑ جاتا اور سچ یہ ہی کہ بنی نوعِ انسان کی تعلیم کا یہی ایک بہترین طریقہ ہی،

سقراط نے ایتھنز مین اور کیٹو اکبر نے رومہ مین یونانیون کے مکر وفریب کے خلاف جنھون نے اپنے ہم وطنون کے اخلاق و مردانگی کو تباہ کرنے مین کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی تھی، جہادِ عظیم شروع کر دیا تھا، اِس عہد مین بزعم خویش، نام نہاد تہذیب و تمدن کا دور دورہ تھا، رومہ، حکما و فصحا سے لبریز تھا، لیکن فوجی ضبط و انصرام مفقود تھا، زراعت سے غفلت کی جاتی تھی، باشندہ قبیلون مین تقسیم ہو کر، اپنے ملک کو بھول گئے تھے، آزادی، ایثار اور اطاعت کے مقدس نامون کی جگہ اپیکورس، زینو اور آرسیسی لاس نے چھین لی تھی، حتی کہ خود اِس عہد کے فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ جب سے علم کا ظہور ہوا، ایمانداری کے آفتاب کو گہن لگنا شروع ہو گیا، اگلے زمانہ مین رومی، نیک اور پارسا ہوتے تھے، لیکن جب سے اونھون نے پارسائی کا مطالعہ شروع کیا، پارسائی کا خاتمہ ہو گیا،

اگر فابیئس[1]، جس کے دست و بازو کی قوت نے رومہ کو تباہی سے بچایا تھا، اور جس کی ساری شہرت ملکی فتوحات سے کہین زیادہ، اوس شخص کے نام کے ساتھ انتساب سے ہی، اگر یہ شخص آج کسی طرح دوبارہ زندگی پا کر ہمارے درمیان آجاتا اور رومہ کی موجودہ شان و شوکت دیکھتا تو بیساختہ چیخ اُٹھتا کہ اے خدا! وہ چھپر وہ دیہاتی آتشدان کیا ہوئے جو پہلے زمانہ مین نیکی کا نشیمن تھے، رومی سادگی کی جگہ یہ کیسا ہولناک بناؤ چھایا ہوا ہی؟

---

[1] Fabricius تیسری صدی قبل مسیح کا سالار لشکر اور مدبر،

یہ غیر زبان کہان کی ہی؟ یہ زنانہ انداز کیسے ہین؟ یہ بت، یہ تصویرین یہ مرقع یہ عمارتین کہان سے آئین؟ احمقو! تم نے یہ کیا کیا؟ تم جو کرۂ ارض کے آقا تھے، اپنی مفتوحہ جمہوری قومون کے دام مین پھنس کر خود اون کے غلام بن گئے ہو! خطیب اور مقرر تم پر حکومت کرتے ہین!

افسوس! کیا تم نے یونان اور ایشیا کی زمین کو اپنے خون سے اس لئے سینچا تھا کہ معمارون، مصورون، سنگ تراشون، اور تھیٹر کے ایکٹرون کا دوزخ شکم بھرے؟ قرطاجنہ کا مال غنیمت بانسری بجانے والے کو بطور انعام بخشا جاتا ہی! اے اہل رومہ اسی مین خیر ہی کہ اپنے تھیٹرون کو ڈھا دو، بتون کو توڑ ڈالو، تصویرون کو جلا دو، اور اپنے درمیان سے اون کنیزون کو نکال باہر کرو، جن کے مہلک ہنر تمہارے اخلاق کو غارت کر رہے ہین، ان فضول قابلیتون سے دوسرون کو شہرت حاصل کرنے دو، تمہارا ذاتی جوہر جو رومہ کے شایان شان ہی یہ اور صرف یہ ہی کہ دنیا کو فتح کرو اور نیکی کو اوس کا حکمران بناؤ، تمھین یاد نہین جب سائینیز[1] نے رومہ کے دیوان عام مین، دربار سلاطین منعقد کیا تھا، تو اوس نے وہان آکر غیر ضروری نمایش و آرایش اور بناوٹی آداب و تہذیب نہین دیکھی تھی، اوس نے مقررون کی فضول بکواس نہین سُنی تھی، جس کو اب بر خود غلط لغو خطیب، سرمایۂ ناز سمجھتے ہین، اور ناموری کا آلہ تصور کر کے، اس پر اس قدر اپنی جان کھپاتے ہین، پس وہ کون سی عظمت تھی جو سائینیز نے مشاہدہ کی تھی، میرے ہم وطنو! اس نے وہ شریفانہ منظر دیکھا تھا، جس کی نظیر چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہو گی، اور یہ منظر تمہاری دولت اور تمام فنون یکجا ہو کر بھی نہین دکھا سکتے، یعنی اِس نے دو سو خوشحال انسانون کا مجمع دیکھا جو رومہ پر فرمانروائی

[1] Cyneas

کی اہلیت اور تمامی عالم پر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے،،

اور ہم کو اِس قدر دور جانے کی کیا ضرورت ہی کہ گذشتہ زمانہ اور دور افتادہ ممالک کا مطالعہ کرین ہم اپنے ملک اور اپنے زمانہ ہی کا مشاہدہ کیون نہ کرلین اور غور کرین کہ آخر یہان کیا ہو رہا ہی، مین اِن تمام ناروا بیانات کو قلم انداز کرتا ہون جن کو سنکر، تہذیب کی آنکھین شرم سے نیچے جھک جاتی ہین، اور یہ ذکر ہی بھی بے سود، اِس لیے کہ یہ گویا ایک ہی بات کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرنا ہوگا،

فایبر ٹِشیس کے زبان سے جو خیالات ادا کرائے گئے ہین وہ تمامتر، لوی دوازدہم اور ہنری چہارم کے منھ سے بھی اِسی مناسبت کے ساتھ نکل سکتے ہین، یہ سچ ہی کہ آج سقراط کو فرانس مین شوکران کا پیالہ پینا نہ پڑتا، لیکن اُسے اِس سے کہین زیادہ تند و تلخ دارو جام نوش کرنا پڑتا، جس کو عرف عام مین، تضحیک، توہین اور تحقیر کہتے ہین اور جو موت سے سو درجہ بدتر ہی،

پس اِنسان کے غرور کی یہ ساری جد وجہد جو خوشگوار جہالت کے درمیان سے نکلنے مین کی جاتی ہی جس کے اندر ہم کو اُس عالم الغیب کی مشیت نے رکھا تھا، ساری خرابیون کا پیش خیمہ ہی، بد راہی، عیش پرستی، سیاہ کاری، شہوت رانی، اور غلامی یہ سب اِسی کا نتیجہ ہین، وہ موٹی نقاب جو اُس کی حکمت بالغہ نے، نوامیس فطرت کے چہرہ پر ڈال دی ہی، اِس امر کی بیّن دلیل ہی کہ ہم کو اِس کے اندر رخنہ ڈالنے کے لیے نہین پیدا کیا ہی، ہمارا منشا آفرینش، عمر عزیز کو، بیسود اکتشاف وتحقیق کی راہ مین رائیگان کرنا ہرگز ہرگز نہین ہو سکتا، کیا اِس سے مفید تر کوئی دوسرا سبق ہو سکتا ہی اور اِس کے یاد کرنے مین، طفل مکتب کی طرح ہم نے جان

نہین چراتی ہی؟ اِنسان کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے یہ تنبیہ اپنے دل پر نقش کر لینا چاہیئے کہ جس طرح مان اپنے ناسمجھ بچے کے ہاتھ سے خطرناک ہتھیار چھین لیتی ہی، اِسی طرح، قدرت، اِنسان کو عِلم کے ضرر سے محفوظ رکھنا چاہتی ہی، ہم کو خوب اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ وہ تمام اسرار جن کو قدرت نے ہم سے پوشیدہ رکھا ہی، ہمارے حق مین مہلکات ہین، جن سے وہ ہم کو بچانا چاہتی ہی، تحصیل علم مین اِنسان کو دشواریان لاحق ہوتی ہین وہ کہنا چاہیے کہ مادر قدرت کی عین نوازش ہی، انسان کی ابتدا جہل و نادانی سے ہوتی ہی، لیکن یقیناً اس کا حال بدرجہا خراب ہوتا اگر بدقسمتی سے وہ پیدا ہی عالم ہوتا!

اِنسانیت کے واسطے یہ خیالات کس قدر توہین آمیز معلوم ہوتے ہین، اور ہمارے غرور کو اون سے کس قدر اذیت پہونچتی ہی، حیرت اپنے دل مین یہ سوال کرتی ہوگی کہ کیا واقعی جہالت، ایمانداری کی مان ہی؟ کیا عِلم و دانش مکارم اخلاق کی منافی ہین؟ اِن تقدیرات پر جو نتائج مستنبط کیے جائین وہ بجا ہین، لیکن اِن ظاہری تناقضات کو رفع کرنے کے غرض سے ایک نظر ہم کو اِن مفتخر خطابات کے کھوکھلے پن اور بیہودی پر ڈال لینا چاہیئے جو کس آب و تاب سے اِنسانی فضل کو عطا کیئے جاتے ہین اور جو ہمارے عقل کی آنکھون مین خاک جھونک دیتے ہین، ہم کو چاہیے کہ ہم عِلم و فن کی ماہیت پر غور کرین اور دیکھین کہ اون کے عروج کا قدرتی انجام کیا ہوتا ہی اور پھر اِن اُمور کے تسلیم کرنے مین ہم کو مطلق تامل نہ کرنا چاہیئے، جن کی تائید مین ہمارے عقل کے ہم نوا تاریخی تجربات بھی ہین۔

حصّہ دوم

مصر کی ایک قدیم روایت چلی آتی ہی جو یونان مین بھی متعارف ہی کہ علم کا موجد ایک دیوتا تھا، جس کی اِنسان سے اَن بن تھی اور جو اِنسان کی آسایش کو دیکھ نہین سکتا تھا، اِس کہاوت سے پتہ چلتا ہی کہ اہل مصر جن کی آغوش مین علم نے پرورش پائی، علم کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے، یہ اُن لوگون کا مقولہ ہی جنھون نے اِس سرچشمہ کا، کنارے پر کھڑے ہو کر، قریب سے مشاہدہ کیا ہی، جہان سے علم کی شاخین پھوٹی ہین حقیقت یہ ہی کہ خواہ ہم قصص پارینہ کی اوراق گردانی کرین، اور خواہ فلسفہ کی روشنی مین تاریخ کے تاریک واقعات سے نتائج اخذ کرین، اِس امر کے تسلیم کرنے سے بہرحال مفر نہ ہوگا کہ علوم و فنون کی نسبت جو حُسن ظن ہمارے قلوب مین ہی، وہ اصلیت سے منزلون دور ہی، چنانچہ ملاحظہ ہو، ہیئت نے توہمات کی گود مین نشو و نما پائی، فن خطابت، جاہ طلبی، کینہ پروری، دروغ بیانی اور خوشامد سے پیدا ہوا، علم ہندسہ نے حرص و ہوا کی فضا مین جنم لیا، طبعیات ایک بے سود جذبہ تفتیش کا ثمر ہے، حتیٰ کہ فلسفہ اخلاق کی پیدایش بھی نخوت کے بطن سے ہوئی، الغرض ہر علم و فن کا منبع تلاش کرنے سے اِنسانی رذائل کے اندر ملتا ہی، بلاشبہہ، انکا مبدا اگر فضائل اخلاق ہوتے تو ان کو اِس قدر مشتبہ نظرون سے نہ دیکھا جاتا جیسا کہ اب لازمًا دیکھنا چاہیے،

غور کرو تو ان کی اصلیت کا خبث، خود ان کے مقاصد مذمومہ پر بخط جلی لکھا پاؤ گے،

ذرا سوچو کہ اِن تمام علوم وفنون کا کیا حشر ہوگا۔ اگر نفس پرستی اور عیش پسندی اپنا دامن
ان کے سر سے اُٹھالے، اگر نوع انسان کے درمیان ظلم وستم شایع ہی نہ ہوتا، تو پھر قانون و
عدالت کی کیا حاجت تھی، تاریخ کو، کون پوچھتا اگر سرے سے دنیا مین جور و ظلم، جنگ و جدل
کشت و خون، سازش و فریب کا وجود ہی نہ ہوتا، کس کے سر مین پھوڑے نکلے تھے کہ وہ عقلیات
کی بنجر زمین مین تخم پاشی کر کے اپنے اوقات ضایع کرتا،، اگر انسان کو صرف احتیاجات نوعی کا
احساس ہوتا اور فرایض فطری خندہ پیشانی کے ساتھ ادا کرتا رہتا، اپنی زندگی کو وطن کی
خدمت گزاری، احباب کی دستگیری اور مصیبت کے مارون کی امداد کے واسطے وقف رکھتا
کیا ہم اسلیئے پیدا ہوئے ہین کہ جس کنوین مین حق مدفون ہی اوس کے کنارے پیدا ہون اور
وہین جان دیدین؟ میرے خیال مین صرف یہی ایک بات فلسفہ و حکمت کے بے سود مطالعہ کا
سدباب کر سکتی ہی،

ہر طرف، خطرات کا ہجوم ہی اور تحقیق کی گرد و پیش اتنی غلط راہین کھُلی ہوئی ہین کہ ہمارے
قدم کا صحیح راہ پر پڑنے کے بجائے غلط راہ پر پڑ جانے کا زیادہ احتمال ہی، پھر وہ تمام غلطیان
جن کے جال مین ہر قدم پر پھنس کر رہجانے کا امکان ہی، قطعاً زیادہ مضرت رسان ہین، بہ مقابلہ
اوس حق کی منفعت بخشی کے جس کے جستجو مین ہم نکلے ہین، ہماری مشکلات محتاج بیان نہین،
اسلیئے کہ اگر حق کی واحد مطلق شکل ہی، تو باطل بے شمار شکلون مین ہمارے سامنے آکر ہمین دھوکا
دے سکتا ہے ؎

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہی

علاوہ برین مجھے بتائیے کہ وہ کونسا شخص ہی جو بالکل سچائی کے ساتھ محض حق کی تلاش مین ٹھوکرین کھانے نکلا ہو، اور پھر تھوڑی دیر کے لیئے ہم اوس کی نیک نیتی کو تسلیم بھی کرلین تو یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آخر وہ کون سی علامت ہی جس کے ذریعہ سے وہ حق کو امتیاز کریگا، لاتعدو لاتحصی اختلافات خیالات کے درمیان، وہ کونسا معیار ہی جس کے روسے ہم صحیح فیصلہ کرسکین، اور پھر آخرمین جو امرسب سے زیادہ دشوار ہی وہ یہ ہی کہ بالفرض ہم اپنی خوش نختی سے حق کو پا بھی جائین تو کون دعوی کرسکتا ہی کہ وہ اس کا صحیح استعمال بھی کرے گا،

پس علوم کا وجود، جس قدر اپنے اغراض کے لحاظ سے عبث ثابت ہوتا ہی اس سے کہین زیادہ اپنے نتائج کے اعتبار سے خطرناک ہی، چونکہ علم کاہلی کے بیج سے پیدا ہوتا ہی، اسلیئے کاہلی وسہل انکاری کے برگ وبار لاتا ہی اور سوسائٹی کی زمین مین تضیع اوقات کا زہریلا بیج بوتا ہے، حیات انسانی کا کارآمد مشاغل سے تہی دست ہونا، مذہب سیاسیات کا بھی اسیقدر سنگین گناہ ہی، جیسا کہ مذہب اخلاقیات کا اور ایک غیر مفید ہستی کا وجود، سوسائٹی کے واسطے خطرۂ عظیم ہی، اے مشاہیر فلسفہ وحکمت! مجھے بتاؤ کہ تم سے جو معلومات گوناگون ہم حاصل کرتے ہین، ان سے ذرہ بھر مادی فائدہ بھی ہم کو پہونچ سکتا ہی، تم ہمین بتاتے ہو کہ خلاء کے اندر کشش ثقل کی نسبت یہ اور یہ ہوتی ہی اور بہ وقت واحد مختلف سیارون کے درمیان نسبت مسافت یہ ہوتی ہی، تم ہمین تعلیم دیتے ہو کہ خطوط منحنی[1] ہین، نقاط متبادلہ[2] کس کو کہتے ہین، نقاط انخنائیہ[3] کن کا

---

[1] خط منحنی Curve [2] نقاط متبادلہ Conjugate points

[3] نقطۂ انخنائیہ Point of inflection

نام ہو اور نقاط متصلہ[1] سے کیا مراد ہو، تم جو ہم سے کہتے ہو کہ جسم و روح کے درمیان وہی مطابقت ہو جو دو گھڑیون کے درمیان ہوتی ہو، حالانکہ ایک دوسرے سے غیر مربوط اور جدا ہوتے ہین تم ہمین یہ بھی بتاتے ہو کہ فلان سیارہ قابلِ سکونت ہو اور فلان نہین ہو اور یہ کہ بعض کیڑون کا طریقِ تناسل معمول کے خلاف ہوتا ہو، براہ مہربانی، مجھے بتاؤ کہ اگر ہم تم سے یہ معلومات عالیہ حاصل نہ کرتے تو کیا ہم مردم شماری مین کم ہو جاتے، یا ہمارا نظامِ حکومت ناقص رہجاتا، یا یہ کہ ہماری وقعت یا فلاح مین فرق آجاتا یا یہ کہ ہمارا بدی کی جانب میلانِ طبع زیادہ ہو جاتا،

اپنے دل مین ذرا سوچو کہ تمھارے تصنیفات کی بھلا کیا قدر ہو سکتی ہو، جبکہ اعلیٰ دماغ، جیّد عالم اور زبدۃ الفضلاء کی دماغ سوزیون کا یہ حال ہو، کہ منفعت عامہ اور سودمندی سے بالکل عاری ہین، پھر بتائیے کہ مہمل نویسون کا وہ غول اور "بیکار محض" ادیبون کا وہ گلہ، جو مفت مین حکومت کا خون چوستا ہو، کس مصرف کا ہو؟

(دوزخ مین ڈالدو، کوئی لیکر بہشت کو)

میرے مُنھ سے "بیکار محض" کا لفظ نکل گیا، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے کی جا تھی، اگر بس اتنا ہی ہوتا کہ ان حضرات کی ذات سے جماعت کو کسی طرح کا نفع نہ پہونچتا، اگر صرف اتنا ہوتا، تو بھی ہمارے اخلاق بدرجہا اچھے ہوتے، اور ہماری زندگی کمال طمانیت سے گذرتی لیکن قیامت تو یہ ہو کہ مغرور اور باطل پرست، کلہ دراز اپنی زہریلی بدعتون کو جو وہ پھیلاتے پھرتے ہین اور ہمارے ایمان کی جڑ اور اعمال صالحہ کی بنیاد کو کھود کر پھینک رہے ہین جسب وطن

[1] نقطۂ متصلہ

اور مذہب کے پاک ناموں کی ہنسی اُڑاتے ہین اور اپنی ساری علمیت ہمارے قدیم اور عزیز عقاید کی، تخریب و توہین مین صرف کر رہے ہین کہ وہ فی نفسہٖ نیکی اور عقیدہ سے بیر رکھتے ہین، بلکہ یہ کہ وہ قومی روش و رائے کے دشمن ہین، اگر عالم کے کُل ملحدون کی ایک نو آبادی قایم کرکے، ہر ملحد کو جلاوطن کرکے، اوس مین بسادیا جائے، تو یقین ہے کہ بہت تھوڑے عرصہ مین وہ سب گرجا کی محراب کے آگے گھُٹنے ٹیک دینگے، "یگانۂ روزگار" بننے کا خبط بھی، اِنسان سے کیا کیا خرافات کراتا ہی،

تضیعِ اوقات، بلاشک ایک نہایت مذموم عمل ہی، لیکن اِس کے علاوہ، اور بہت سے ذمائم، علم و ادب کے جلو مین ہوتے ہین، چنانچہ اِنہی مین سے ایک عشرت پسندی ہی جو دیگر خصائل قبیحہ کی طرح کاہلی اور غرور سے پیدا ہوتی ہی، ایسا تو شاذ و نادر ہوتا ہے کہ عیش پسندی کے ساتھ علم نہ پایا جائے، لیکن ایسا کبھی نہین ہوتا کہ علم کے ساتھ عیش طلبی نہ پائی جائے، مین جانتا ہون کہ جہان فلسفہ کے اور بہت سارے خلاف عقل دعوی ہین وہان ایک یہ بھی ہی، اگرچہ ہر عہد کے تاریخی تجربات نے اوس کو جھٹلایا ہی، کہ "تعیش کے گوہر سے تاج کی زینت ہی" قطع نظر قانون تقلیل مصارف کے نفاذ کی ضرورت و اہمیّت کے، کون انکار کرسکتا ہی کہ اخلاق کی راستی پر حکومت کی بقا کا مدار ہی، اور راستی و درستیِ اخلاق عیش طلبی کی ضد اور عکس ہی،

ہم یہ تسلیم کیئے لیتے ہین کہ عیش جوئی دولتمندی کا ایک ضمیمۂ خاص ہی، ہم یہ بھی آپ کی خاطر سے، تھوڑی دیر کے لیۓ، فرض کیئے لیتے ہین کہ عیش و آرام، دولت و مال کی ترقی مین معین ہین، لیکن اِس قبیل کی مستبعدات جو زمانہ کا فیشن بن گئے ہین، مان لینے سے مآل کار کیا نکلے گا،

بہرحال اگر ہم تحصیل مال ومنال کو اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دے لین تو فرمائیے کہ پھر ہمارے
محاسن اخلاق کا کیا حشر ہوگا، اور "نیکی" کی کیا کچھ گت بنیگی، قدیم ماہر سیاسیات، اور مدبر بات
بات پر "مکارم اخلاق"، "حسنات" اور "فضائل" کے الفاظ استعمال کرتے تھے، لیکن عصر جدید کے
ارباب حل وعقد "تجارت" اور "دولت" کے سوا کسی چیز کو نہین جانتے، کوئی کہتا ہی کہ فلان ملک مین
انسان کی قیمت صرف اس قدر ہی جس قدر جائداد کی قیمت الجزائر مین اوٹھ سکتی ہی، دوسرا
حساب لگاکر، تخمینہ کرتا ہی کہ فلان ملک مین آدمی کو بیچنا چاہو تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور فلان ملک مین تو
اس کی قیمت سے بھی کم ہے، اُلٹا اپنی گرہ سے دینا پڑے، یہ لوگ انسان کی قدر اور قیمت کا اندازہ
بیلون کے گلہ کی طرح لگاتے ہین، چنانچہ، اون کے نقطۂ نظر سے انسان کی قیمت معاوضہ، حکومت
کے واسطے صرف اس مقدار پیداوار کے حساب سے ہوسکتی ہی جو وہ اپنے صرف مین لاتا ہے،
چنانچہ سائبیریز کا ایک باشندہ لیسی، ڈیمونیا کے کم از کم تین باشندون کے برابر قیمت رکھتا ہی، ان
محاسبین سے ذرا کوئی پوچھے کہ وہ کونسی جمہوری سلطنت تھی، سائبیریز یا اسپارٹا جس کو معدودے
چند کسانون نے فتح کیا تھا اور جو تمام ایشیا کے واسطے ہیبت بن گئی تھی، سائبیریز کی بادشاہت
تیس ہزار جوانون کے ایک مفلس شہزادہ کی سرکردگی مین، جو اپنی جگہ، ایک ایرانی صوبہ دار سے
بھی کم حیثیت تھا، فتح کر لی اور سائیڈین فوج نے جو افلاس مین سب قومون سے بڑھ کر تھی، دنیا
کے بڑے بڑے بادشاہون کا منہ پھیر پھیر دیا، جب فرمانروائی عالم کی امیدواری مین دو جمہوری
حکومتین کھڑی ہوئین جن مین سے ایک مال ودولت سے بہرہ مند اور دوسری تہی دست تھی،
تو کامیابی آخر الذکر ہی کے ہاتھ رہی، اور رومہ کی سلطنت، ثروت ونعمت دنیا سے خوب شکم سیر ہونے

کے بعد بالآخر اس قوم کا شکار ہوئی جو دولت کے نام سے بھی آشنا نہ تھی، فرانکون نے گالون کو
زیر کر لیا، سیکسون نے انگلینڈ فتح کیا، جبکہ اُن کے پاس شجاعت وافلاس کے سوا دوسرا
خزانہ نہ تھا، غریب پہاڑیون کا گروہ جن کی طمع کا سدرۃ المنتہیٰ بھیڑ کی چند کھالون سے زیادہ
نہ تھا، آسٹریا کے غرور کو پسپا کر کے آگے بڑھے، اور گنڈی کے پر عظمت و اجلال محل پر اپنا نشان
فتحمندی نصب کیا، یہ وہ ایوان تھا جس کے روبرو آکر، یورپ کی بڑی بڑی قوتین تھرتھر
کانپتی تھین، چارلس پنجم کے وارث کی ساری شہامت و دانائی، مُٹھی بھر راہی گیرون کا شکار
ہو گئی، پس مدبرین وقت سے میری بصد ادب التجا ہی کہ وہ براہ مہربانی ایک لمحہ کے لیئے اپنی
سیاسی مساحت وتخمین کو علٰحدہ رکھدین اور ان مثالون پر غور کرین، ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے
یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اگرچہ روپیہ ہر چیز خرید سکتا ہی لیکن اخلاق حمیدہ اور قابل شہری
نہین خرید سکتا، چنانچہ عشرت رانی کے متعلق تنقیح طلب یہ امر ہے کہ سلطنتون کے حق مین کونسی
صورت بہبودی کی ہی آیا یہ کہ ان کا وجود پر رونق و آراستہ مگر عارضی وہنگامی ہو یا یہ کہ
صفات حسنہ سے مزین اور دیرپا ہو، پُر رونق وآراستہ! لیکن کس زیور سے، ذوقِ آرائیش
اور حاسۂ ایمان کبھی ایک دل مین جمع نہین ہو سکتے، یہ قطعی ناممکن ہی کہ وہ دماغ جو پوچ اور
لچر خیالات کا فانوس بنا ہوا ہو، حقیقی عظمت و شرافت کا تجلی گاہ بن سکے، اگر اس مین صلاحیت
بھی ہو تو ہمت نہین ہو سکتی،

اہل فن داد وتحسین کے پیاسے ہوتے ہین اور ہم عصرون کی ستایش، اپنی محنت کا
سب سے بڑا معاوضہ سمجھتے ہین، فرض کرو کہ ایک ماہرِ فن اپنی سیاہ بختی سے ایسے زمانہ مین

پیدا ہوتا ہی، جہان اگرچہ علم و ادب کا چارسو ڈنکا بج رہا ہی، لیکن نوخیزون کی سطیح النظری اور خیرہ مذاقی ہر شعبہ ادب پر چھائی ہوئی ہی، مذاق سلیم کی آزادی زمانہ کے دستبرد سے سلب ہوگئی ہی، اور رجولیت پر نسائیت کا غلبہ ہی، شاعری کے بلند تخیلات اور موسیقی کی اعلیٰ الحان کو کوئی نہین پوچھتا، ایسی حالت مین، فرمائیے کہ وہ یکتائے عصر، قدرتہً کیا کریگا، اِس کو لامحالہ، اپنی رفعتِ خیال پست سطح پر طوعاً و کرہاً اُتارنا ہوگی، اور ایسے کم پایہ تصنیفات پر قناعت کرنا ہوگی، جن کی قدر زمانہ کر سکے ؛

جبکہ اِن تمام اعلیٰ خیالات و جذبات کی ترجمانی سے، جن کی قدر مرنے کے بہت عرصہ بعد ہو سکتی ہی، دست بردار ہونا پڑیگا مشہور عالم شاعر والٹیر سے کوئی پوچھے کہ اُسے کتنے دلنشین و دلگداز اعلیٰ و زبردست مضامین پست اور ادنیٰ نازک خیالی کی خاطر ذبح کرنا پڑے اور کتنے تخیلات، جن کا مایہ خمیر عظمت و شرافت تھا، اوس مذاق مبتذل کی نذر ہوگئے، جو بازاری اور چھچھوری داُنبر مٹا ہوا تھا،

الغرض تخریب اخلاق جو عشرت پسندی کا لازمی نتیجہ ہی، ذوق سلیم کو بھی بگاڑ دیتا ہی اور بالفرض ان ذلیل اور ادنیٰ قابلیتون کے درمیان، کوئی ایسا عالی ہمّت دماغ ہوا بھی جو زمانہ کی روش پر نہ چلا اور جس نے اپنے نام کو دون مرتبہ تصنیفات کے داغ سے بچایا، تو ظاہر ہی کہ اِس کو کیا کیا کچھ کڑی جھیلنا ہوگی، اور انجام افلاس اور گمنامی کی موت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا یہ کوئی پیشین گوئی نہین ہی بلکہ واقعات ہین، جن کو تاریخ بارہا دہرا چکی ہی، اور تجربہ ثابت کر چکا ہی ہان اے کانزلے اور پیری وانلو! اب وہ وقت آگیا، جب کہ تمھارے ہاتھ سے پنسلین چھوٹ کر گر جائین، اِس لئے کہ اب

تم اِن سے وہ مقدس مرقع نہین کھینچ سکتے جو عبادتگاہون کی شان بزرگی کے شایان تھے، ہان اب تمھارے سامنے دوہی صورتین ہین یا تو قلم اپنے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیئے پھینک دو یا اپنے تئین ایک زنِ بازاری کی طرح زرومال کی ہر بڑی بولی کے معاوضہ مین تج دو اور رئیسون کی گاڑیون کے گدّون پر فحش تصویرین بنا کر اپنا وقت کاٹا کرو!

اے عدیم المثال پگل، فڈیس، اور پرکیسی ٹیلر کے حریف مقابل، تو کہ جس کی رخانی عہد قدیم کے دیوتاؤن کے بُت تراشنے مین اِستعمال ہوتی تھی، ہان تیرے سامنے بھی یہی سوال ہی کہ یا تو اپنے ہاتھون کو برہنہ بندرون کا مجسمہ بنانے سے ذلیل کرا ور یا پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہ!

ایام قدیم کی سادگی اور حُسن سیرت کا جب ہم تصور کرتے ہین تو ہمارا دِل مسرّت بے اندازہ سے لبریز ہوجاتا ہی، اِس تخئیل کو تشبیہ کے پیرایہ مین ہم یون بیان کرسکتے ہین کہ گویا ایک شاداب و دلکش ساحل ہی جس کو قدرت نے اپنے ہاتھ سے سنوارا ہی اور جس پر ہماری ٹکٹکی لگی ہی، جبکہ ہماری کشتی حسرت وافسوس کے ساتھ رفتہ رفتہ اس سے دور ہوتی جاتی ہی، اِنسان جب عصمت اور نیکی کا پتلا تھا اور اِس امر کا خواہان تھا کہ دیوتا اِس کے اعمال حسنہ کا برای العین مشاہدہ کرین تو وہ دیوتاؤن کو اپنے ساتھ اپنی جھوپڑی مین رکھتا تھا، لیکن جب اوس نے بداعمالی پر کمر باندھی تو اغیار کی نظرون سے بچنے کی فکر ہوئی اور اس نے دیوتاؤن کو عالیشان مندرون مین بھگا دیا، بالآخر اون کو یہان سے بھی نکال باہر کیا اور وہان خود سکونت پذیر ہوگیا، یا دوسرے لفظون مین یہ کہو، کہ اس نے اپنے ایوان ومحل، مندرون اور خانقاہون سے بھی زیادہ پرشوکت بنائے، یہ بداعمالی کی انتہا تھی اور بدی کے واسطے ترقی کا شاید اِس سے زیادہ بلند درجہ باقی نہ تھا، جبکہ وہ رؤسا کے در و دیوار پر منقوش ہوئی،

اور عالیشان ستونون کی پیشانی پر کورنتھی وضع کے بیل بوٹون کے پیرایہ مین کھودی گئی،

جون جون حیات انسانی کے اندر سہولتون کا اضافہ ہوتا جاتا ہی، فنون کی اشاعت اور سامان عیش و عشرت کی ترقی ہوتی جاتی ہی، مگر شجاعت کا جوہر مع دیگر فضائل کے انحطاط پذیر ہوجاتا ہی، اور یہ لازمی نتیجہ ہی علوم و فنون کے شیوع کا بالخصوص اون فنون کا جو خانہ نشینی چاہتے ہین، گوتھ قوم نے جب یونان کو تاراج کیا تو کتب خانے نہین جلائے، جلانے سے چھوڑ دیئے تاکہ اون کے دشمنون کے درمیان اِس شئے کا وجود قائم رہے، جس نے اون کو فن سپاہگری سے غافل رکھا تھا اور کتب خانہ پرست بنا دیا تھا،

چارلس ہشتم نیام سے تلوار نکالے بغیر ٹسکنی اور نیپلز کا مالک بن گیا تھا اور اِس غیر متوقع کامیابی کا راز، اِس کے اہل دربار کے نزدیک یہ تھا کہ اطالیہ کے شہزادے اور شریف زادے فوجی و عملی مشاغل کے بجائے فلسفہ اور منطق کے مطالعہ پر مفتون تھے، ایک معاملہ فہم مورخ جس نے اِن لوگون کے جملہ خصوصیات قلم بند کئے ہین، لکھتا ہی کہ "تجربہ قطعی طور پر بتلاتا ہی کہ علم و فن کی جانب رغبت اور اس کی تحصیل، انسان کو بزدل بلکہ نامرد بنا دیتی ہی اور فوجی یا اِسی قبیل کے دیگر مشاغل کے واسطے، اِن کو بالکل از کار رفتہ بنا دیتی ہی،"

اہل رومہ خود تسلیم کرتے ہین کہ ایک طرف اونھون نے فنون لطیفہ مین ترقی کی اور مصوری و سنگ تراشی مین کمال حاصل کیا اور دوسری طرف اپنے فوجی فضائل کی دولت کو ہاتھ سے کھو دیا، معلوم ایسا ہوتا ہی کہ قدرت کو منظور ہی یہ ہی کہ یہ ملک تمام دنیا کے واسطے تازیانۂ تنبیہ بنے، اسلیئے کہ مسیڈائیون نے پھر زور باندھا ہی اور علم و ادب اور شعر و سخن کی پھر شروعات ہوئی ہی، اِس سے اطالیہ کی رہی سہی فوجی شہرت کا چند آیندہ صدیون کے واسطے خاتمہ سمجھ لینا چاہیے،

یونان کی قدیم جمہوری سلطنت نے جس کی دانشمندی اور دوربینی اِس کے اکثر رسومات سے ظاہر ہوتی ہی، اِن تمام مشاغل کو ممنوع قرار دیدیا تھا جو انسان کو بیٹھے بیٹھے انجام دینا ہوتے ہین، اسلیئے کہ اون کے اثر سے جسمانی توانائی برباد اور دماغی چستی کا کھوج مارا جاتا ہی، غور کرو کہ وہ شخص جو نہایت معمولی حاجت کے لاحق ہونے اور ذرا سی مشکل پیش آجانے سے سراسیمہ ہوجاتا ہے، وہ بھلا، بھوک، پیاس، تکان، خطرات اور موت کا کہان تک مقابلہ کرسکتا ہی، ظاہر ہی کہ وہ سپاہی جو مشقت سے بالکل ناآشنا ہی، جنگ کے صعوبات اُٹھانے مین کیا پامردی دکھا سکتا ہی اور وہ فوج جس کے افسر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئے ہوئے تھک جاتے ہین، کیا خاک، دور و دراز منزل قطع کرنے مین جوش و مستعدی دکھا سکتی ہی، آج کل کے سپاہی جن کی فوجی تعلیم نہایت باقاعدہ، فن سپاہگری کے اُصول پر ہوتی ہی، صرف دن بھر کے معرکۂ جنگ مین کچھ دادِ شجاعت دیسکین تو دے سکین، سو اِس سے میرے دعوی کی تردید نہین ہوتی، ہان اِن کو کسی دیر طلب، کٹھن مورچہ پر۔ بے رسد، بے آب و دانہ، سخت موسم مین، مدت تک پڑا رہنے دو تو ساری قلعی کُھل جائے، تھوڑی دیر کی دھوپ یا برفباری، بلکہ چند غیر ضروری حوائج کے پورا ہونے مین تاخیر، چند روز کے اندر چیدہ سے چیدہ فوج کے چھکے چھڑا دیتی ہی، اے بہادر سپاہیو! مجھے معاف کرنا اگر مین تمھارے متعلق ایک امرِ حق کا اظہار کر رہا ہون مجھے تمھاری شجاعت مین کلام نہین ہی، مجھے اِس مین ذرہ بھر شک نہین ہی کہ اگر تم ہنی بال کے ساتھ ہوتے تو کینی اور ٹریسی مین کو فتح کرلیتے، نیز یہ کہ تم قیصر کے ساتھ روبی کان سے ضرور گذر جاتے اور اوس کو ملک گیری مین پوری امداد پہونچاتے یہ سب مین مانتا ہون، لیکن تقصیر معاف، آپ ہنی بال کے ہمراہ کوہ الپس کو عبور نہین کرسکتے تھے،

اور قیصر کے ساتھ اپنے اسلاف، گال کو مغلوب نہین کر سکتے تھے،

کسی جنگ کی کامیابی کا مدار محض کشت و خون اور معرکۂ جدال و قتال کے واقعات ہی پر نہین ہی، بلکہ سپہ سالاری بھی کوئی چیز ہی اور یہ دراصل سب سے مقدم ہے، ممکن ہی کہ ایک بہادر گولیون کی بارش مین میدان مین قدم جمائے کھڑا رہے لیکن فوج کی قیادت کا اہل نہو، معمولی سپاہی کے اندر بھی جسمانی طاقت اور جوش، نری شجاعت کے مقابلہ مین زیادہ کار آمد جوہر ہین اس لیے کہ خالی شجاعت موت سے نہین بچا سکتی ۔ سپاہی خواہ سردی اور بخار کا لقمہ بنے اور خواہ تلوار کے گھاٹ اُترے سلطنت کا زیان، دونون حال مین یکسان ہی ہی،

الغرض علوم و فنون کی ترقی اگر ایک طرف فوجی اوصاف کی جڑ کاٹ رہی ہی، تو دوسری طرف محاسنِ اخلاق کے حق مین کانٹے بو رہی ہی، جدھر دیکھو بڑے بڑے دار العلوم نظر آتے ہین، جہان طلبا، کو ہر فن مین طاق بنایا جاتا ہی، مگر نہین بتایا جاتا تو یہ کہ اون کے فرائض کیا ہین، وہ اپنی مادری زبان سے تو کورے رہتے ہین، مگر مردہ زبانین جو دنیا کے پردہ پر کہین نہین بولی جاتین، فر فر بول سکتے ہین، وہ ایسے شعر بھی کہہ سکتے ہین جن کا مطلب خود بھی نہین سمجھ اور سمجھا سکتے اور اگرچہ وہ خود حق و باطل مین تمیز نہین کر سکتے، لیکن ان کو ایک ایسا فن آتا ہی جس کی مدد سے وہ ایسے مغالطات تصنیف کر سکتے ہین کہ دوسرا بھی چوندھیا جائے اور صحیح و غلط مین امتیاز نہ کر سکے، ان تمام اوصاف کے زیور سے تو وہ سرتاپا آراستہ ہین، لیکن، الوالعزمی، عدل، عفت، انسانیت، اور شجاعت، ایسے الفاظ ہین جو کبھی اون کے دل مین شرمندۂ معنی نہین ہوئے، ملک کے پیارے نام سے اون کے کان نا آشنا ہین، اور اون کے منہ سے خدا کا پاک نام اس لئے نہین نکلتا ہی کہ اون کو اس کا دھیان ہے،

بلکہ اِس لئے کہ اون کو اس کا ڈر لگا ہی، ایک عاقل کا قول ہی کہ ایسی درسگاہون مین بھیجنے کے بجائے
مین بدرجہا بہتر سمجھتا ہون کہ اپنے بچے کو ٹینس کورٹ مین بھیجدون، اِس لئے کہ وہان کھیل کود سے
اوس کو کچھ جسمانی فائدہ تو پہونچے گا، مین اِس نکتہ سے بے خبر نہین ہون کہ بچون کو ہمیشہ کسی نہ کسی
مشغلہ مین پھنسائے رکھنا چاہیئے، اسلئے کہ بیکاری اون کے حق مین زہر ہے، لیکن سوال یہ ہی کہ
ان کو کیا تعلیم دی جائے؟ اون کو تعلیم ایسی دینا چاہیئے جو آیندہ کام آئے، نہ ایسی کہ جس کا بھول
جانا ہی اچھا ہو،

سنیئے، اسپارٹا مین تعلیم کا طریقہ کیا تھا، مورخ مانٹسین نے نہایت بسط و شرح کے ساتھ وہان کے
سب سے بڑے بادشاہ کی تعلیم کا حال لکھا ہی، اسپارٹا کی کل درسگاہون مین ادب کی تعلیم سے
زیادہ اخلاق پر زور دیا جاتا تھا حتی کہ علم و ادب کے مرکزی مقام پر بھی، علماء و فضلاء کے بجائے،
شجاعت، پرہیزگاری اور عدل کے جواہر سکھانے والون کی مانگ تھی،

ایران قدیم کے ولیعہد کی تعلیم پر ایک نظر ڈالو، افلاطون کا بیان ہی کہ ولادت کے بعد شہزادہ
عورتون کے حوالہ نہین کیا گیا، بلکہ اون خواجہ سراؤن کے سپرد کیا گیا، جو اپنے محاسن اخلاق اور
مکارم اوصاف کے اعتبار سے بڑا مرتبہ رکھتے تھے، اور مقرب بارگاہ سلطانی تھے، اِن کا کام شہزادہ کی
جسمانی صحت و صورت کی دیکھ بھال تھا، سات سال کا سن ہونے پر اونھون نے شہزادہ کو شہسواری کا
فن سکھایا اور سیر و شکار کا چسکا ڈالا، چودھوین سال وہ چار آدمیون کی تربیت مین دیا گیا جن مین سے
ایک سلطنت بھر مین سب سے زیادہ دانشمند، دوسرا سب سے زیادہ عادل، تیسرا سب سے
زیادہ پرہیزگار، اور چوتھا سب سے زیادہ شجاع تھا، پہلے شخص نے مذہبی تعلیم دی، دوسرے نے

حق اور انصاف پر جمایا، تیسرے نے نفسانی خواہشات کو دبانے کے گُر بتائے، اور چوتھے نے ہر ممکن خطرہ سے اوس کا ڈر نکال دیا، اور اِس طرح سب نے مل جل کر شہزادہ کو خدا کا ایک نیک بندہ بنا دیا نہ یہ کہ ان مین سے کوئی اِس کو عالم فاضل بنانے کی سعی لاحاصل کرتا،

زنوفن کے مکالمات مین ہے کہ ایسٹا ئیجز، سائرس سے کہتا ہے کہ بھئی اپنے مکتبی زندگی کا سب سے آخری واقعہ تو بیان کرو، سائرس بیان کرتا ہے کہ مدرسہ مین دو لڑکے تھے، ایک بڑا تھا، اور ایک چھوٹا تھا، بڑے لڑکے کا کوٹ، چھوٹا تھا، اور چھوٹے کا بڑا تھا، چنانچہ بڑے لڑکے نے چھوٹے لڑکے کا کوٹ چھین لیا اور اپنا چھوٹا کوٹ اوس کے سر مارا، شکایت ماسٹر تک پہونچی، اور اونھون نے مجھے ثالث مقرر کیا، چنانچہ تفتیش و سماعت کے بعد مین نے اپنا فیصلہ یہ دیا کہ چونکہ دونون لڑکون کی نئی پوشاک دونون کو سجتی ہے اور اون کے ٹھیک ہے، لہذا معاملہ کو اِسی طرح رہنے دیا جائے، ماسٹر نے جب میرا یہ فیصلہ سُنا تو بہت خفا ہوئے اور کہا کہ تم نے محض ظاہری درستی اور تن آسانی پر فیصلہ دیدیا، حالانکہ آرام و درستی پر عدل مقدم ہے، عدل کا اساسی منشا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز پر زبردستی قابض نہ ہو،

ہمارے باغات بتون سے سجے ہوئے ہین اور ہمارے عجائب خانہ تصویرون سے آراستہ ہین اور یہ گویا فنون لطیفہ کے کارنامون کی نمایش، پبلک قدردانی کے لئے گئی ہے، لیکن تم اِس کا کیا نتیجہ نکالتے ہو، آیا یہ مجسمہ اون اکابر رجال کی یادگار ہین جنھون نے ملک کی حفاظت مین اپنی جان دیدی، یا ان سے بڑھکر ان لوگون کی یادگار ہین جنھون نے اپنے فضائل اخلاق کی دولت سے ملک کو مالامال کر دیا؟ نہین ہرگز نہین بلکہ یہ ان رکیک اور مبتذل جذبات کے مجسمات ہین، جن کو

اساطیر قدیمہ سے لیکر بچون کے سامنے سب سے پہلے پیش کردیا جاتا ہے تاکہ نوشت وخواند کی تحصیل سے
قبل بداعمالی کا زہر اثر کرجائے،

لیکن یہ تمام خرابیان کہان سے پیدا ہوئین، ظاہر ہے کہ یہ تمام نتیجہ ہی اس عدم مساوات کا
جو عالم انسانیت کے اندر عِلمیت و دستگاہ کے اختلاف مراتب اور فضائل اخلاق کی بے قدری کی
وجہ سے پیدا ہوجاتے ہین، ہمارے تحصیل علوم کا یہ سب سے زیادہ درخشان اور سب سے زیادہ خطرناک
اثر ہی، انسان سے متعلق آج یہ سوال نہین ہوتا کہ آیا وہ ایماندار ہی یا نہین، بلکہ سوال یہ ہوتا ہے
کہ آیا وہ چالاک ہی کہ نہین، اس امر کا مطلق لحاظ نہین کیا جاتا کہ آیا فلان کتاب مفید ہی یا غیر مفید،
بلکہ تلاش یہ ہوتی ہی کہ اس کی عبارت چٹ پٹی ہی یا نہین، جودت اور جدت پر انعام و اکرام کی بوچھاڑ
ہوتی ہی، مگر "نیکی" کا کوئی پُرسان حال نہین، انشا پردازی کے کارنامون کے لیئے ہزارہا انعامات
ہین، لیکن نیک کامون کے لیئے ایک بھی نہین، کوئی مجھے بتائے کہ اِس اکاڈمی (دار العلم) کا بہترین
اِنعامی مضمون جو سب سے بڑا انعام حاصل کرتا ہی، کیا وقعت مین اِس کار خیر کے مساوی ہوسکتا ہی
جس نے انعامی مضمون کی نبیاد ڈالی؟

دانا، کبھی عزت و اقبال اور مال ومنال کا تعاقب نہین کرتا، لیکن اِس کے یہ معنی نہین کہ اسکے
دل مین ناموری کی چاہت ہی نہین ہی۔ جبکہ وہ حشمت و ریاست کی دنیاوی تقسیم مین اِس قدر اندھیر
دیکھتا ہی تو اوس کے قلب مین مسابقت کا ولولہ ہی نہین اُٹھتا اور اوس کی نیک کرداری جو سوسائٹی
کے حق مین آیۂ کرم ثابت ہوتی مرجھا جاتی ہی اور گمنامی و افلاس کے غار مین گرکر، ناپید ہو جاتی ہے،
یہی وجہ ہی کہ ہم فنون لطیفہ کا پلہ فنون مفیدہ پر بھاری دیکھتے ہین، علوم وفنون کے نشأۃ جدیدہ نے

اِس حقیقت کو افسوسناک طریقہ پر ثابت کردیا ہی، ہمارے درمیان، ماہرینِ طبیعیات، اہلِ ہندسہ، علمائے کیمیا، نجومی، شاعر، مبصرینِ موسیقی اور مصور تو کثرت سے پائے جاتے ہین، لیکن ایک متنفس نہین، جس کو صحیح معنی مین فرزندِ ملک وقوم کہا جاسکے اور اگر دیہات مین خال خال ہوئے بھی تو اون کے مقدر مین گمنامی وکس مپرسی کی موت ہی، یہ ہی ہمارا حال اور یہ ہی ہماری غفلت، اِنسان کے اِس مفید ترین طبقہ کی جانب سے جو ہم کو رزق مہیا اور ہمارے بچون کو دودھ سے سیراب کرتا ہی،

یہ ضرور ہی کہ ابھی فتنہ اور شر اس درجہ تک نہین پہونچا ہی، جس درجہ تک اسے پہونچ جانا چاہیئے، جس طرح کارسازِ مطلق کی حکمت نے زہریلے پودون کے پہلو مین زہرمار پودے پیدا کیئے ہین اور زہریلے جانورون کے جسم کے اندر اون کا تریاق پیدا کیا ہی، اسی طرح اِس زمین کے فرمانرواؤن کے آئینۂ قلب پر بھی، اوس کی حکمت بالغہ کا پرتو موجود ہوتا ہی اور اِس لحاظ سے ان کو ظل اللہ کہنا کیا بیجا ہی؟ اپنے خالق حکیم کے قدم بقدم، یہ سلاطین عظام، جن کے آفتابِ شہرت کے انوار، روزافزون ہوتے ہین، شر کے سینہ سے، خیر کو چیر کر نکال لیتے ہین اور بحیرۂ علم مین ڈوبی ہوئی، نیکی کی کشتی کنارے لگاتے ہین، ان کے عہدِ معدلت مہد مین، دنیا کی مشہور انجمنین نشوونما پاتی ہین، جو اگرچہ ایک طرف علم وفضل کی خطرناک امانت کی کفیل ہوتی ہین، لیکن دوسری طرف، فضائل اخلاق کی مقدس سرپرست ثابت ہوتی ہین، یہ انجمنین اخلاق کو طاہر و پاکیزہ رکھنا، اپنا اور اپنے ہر ممبر کا فرض عین تصور کرتی ہین،

یہ مفید انجمنین اگر وارثان تخت وتاج کی سرپرستی سے بہرہ اندوز رہین اور دیگر شاہان یورپ نے بھی تقلید کی، تو علم وفضل جو اِس مین داخلہ کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہین، ذرا اپنی حرکات ناشایستہ سے چوکس رہینگے اور مشاغل مفیدہ واعمال حسنہ کے اختیار کرنے سے اپنے تئین، عزت

مزعومہ کا اہل ثابت کرنے کی سعی بلیغ کرینگے،

اِن انجمنون کی طرف سے علمی مضامین کے واسطے انعامات مقرر کیئے جاتے ہین، اور ایسے عنوانات تجویز کیئے جاتے ہین، جن پر غور کرنے سے، دِل آپ سے آپ نیکی پر مائل ہو، یہ اون کی نیک نہادی کا کُھلا ہوا ثبوت ہی، اِس نوعیت کی علمی انجمنون کو دیکھ کر جو ایک طرف، ایک خوشگوار ذہنی مشغلہ کا سامان مہیا کرتی ہین اور دوسری طرف مفید تعلیم کی روشنی پھیلاتی ہین حقیقی مسرت ہوتی ہی،

اگر ان خیالات پر کوئی اعتراض وارد کیا جائے، تو وہ اعتراض میرے دعوی کا مزید ثبوت ہوگا، قاعدہ ہی، جب انتہائی اہتمام کیا جاتا ہی تو اس کا باعث بھی ضرور ہوتا ہی، اگر مرض نہو تو دوا و دوش کیا ضرور ہی، علوم کی مسلمہ بے اثری کے باوجود، دعوی کیا جاتا ہی کہ وہ ہمارے امراض کی دوا ہین، چنانچہ علم و فضل کی تحصیل و تکمیل کے واسطے صدہا درسگاہین جو کُھلی ہوئی ہین، وہ حقیقت حال پر پردہ ڈالکر، تحصیل علم کی ترغیب دیتی ہین اور اِس جوش استعلام و استکشاف کو دیکھ کر گمان ہوتا ہی کہ فلسفیون کا ملک مین قحط پڑ گیا ہی اور کسانون کی کثرت سے ملک پٹ گیا ہی، مین یہان کشاورزی اور فلسفہ کا موازنہ نہ کرون گا، اسلیئے کہ فلسفہ اِس کا متحمل ہی نہین ہو سکتا، مین بس یہ سوال کرتا ہون کہ فلسفہ آخر ہی کیا، مشاہیر فلاسفہ کی تصنیفات کا ماحصل کیا ہی اور عقل و دانش کے ان دوستون کے کیا نصائح ہین، اگر ہم ان کی باتین سُنین تو ہم کو ایسا معلوم ہوگا جیسے کوئی ٹھگ بدیا دوا فروش بازار مین کھڑا ہانک رہا ہی کہ "ایہا الناس! اِدھر آؤ! اِدھر آؤ! مین ایک طبیب حاذق ہون..... وغیرہ وغیرہ، اِن فلسفیون مین سے کوئی تو کہتا ہی کہ سرے سے مادہ کا وجود ہی نہین، دوسرا کہتا ہی کہ نہین بلکہ مادہ کے علاوہ کسی شئی کا وجود نہین اور یہی خدا ہے

تیسرا کہتا ہی کہ خیر و شر، اسم بے مسمی اور تصور بے مصداق ہین اور حسنات و سیئات کی تفریق واہمہ کا نقش زیادہ ہی، جس کا خارج مین کوئی وجود نہین، چوتھا کہتا ہی کہ انسان ایک درندہ ہی اور نہایت ایمانداری کے ساتھ ایک دوسرے کو پھاڑ کھا سکتا ہی، اے میرے عظیم الشان فلسفیو تم بس ہمین تو بخشو، تم ان نصیحتون کو اپنی اولاد اور دوستون کے لیئے اُٹھا رکھو، تم انشاء اللہ اِس کا مزہ بہت جلد چکھ لوگے اور پھر ہم کو بھی تمھارے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے مین کسی طرح کا وسوسہ نہ رہیگا،

یہ وہ عجیب و غریب آدمی ہین ہم عصرون مین عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین اور موت کے بعد حیات جاوید کے دعویدار ہین، ان کے عاقلانہ اقوال، جن سے نسلاً بعد نسل استفادہ ہوتا رہے گا، بُت پرستی باوجود اپنی تمام ہرزہ سرائیون کے ان شرمناک یادگارون کے سامنے گرد ہی جو پریس نے عین عہد اناجیل مین قائم کردی ہین،

لیوسپس اور ڈائگورس کے ناپاک نوشتہ جات اون کے ساتھ دفن ہوگئے تھے، اوس زمانہ مین دنیا اِس فن سے بیگانہ تھی، جس کے ذریعہ سے اِنسانی دماغ کی غلط کاریان اور بے اعتدالیان حیات سرمدی پا سکتی ہین لیکن فن طباعت کا ہزار ہزار شکریہ کہ ہابس اور اسپینوزا کے خیالات کا زہر ابد الآباد تک پھیلتا رہیگا،

پریس کے خطرناک نتیجون کو دیکھ کر خیال ہوتا ہی کہ یورپ کے سلاطین نے جس قدر، قرون ماضیہ مین اِس کو ترقی دی تھی، اوس سے کہین زیادہ، آیندہ چلکر، اس کے مٹانے مین کوشان ہونگے

سلطان احمد نے چند شایقین علم و اصحاب ذوق کے کہنے سننے سے قسطنطنیہ مین ایک مطبع قایم کیا تھا، لیکن کام شروع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ سلطان کو حکم دینا پڑا کہ سارا سامان کنوین مین ڈلوا دیا جائے،

خلیفہ عمر کے متعلق روایت ہی کہ جب اون سے دریافت کیا گیا کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کے بارے مین کیا حکم ہی تو اونھون نے جواب دیا کہ "اگر کتب خانہ مین ایسی کتابین ہین جو قرآن مجید کے خلاف ہین تو وہ شر کا گھر ہی اور اوس کو جلا دینا ہی بہتر ہی" اور اگر اوس مین ایسی کتابین ہین جو ہم کو وہی باتین بتاتی ہین جو قرآن پاک مین موجود ہین تو پھر اوس کا عدم و وجود برابر ہی" علما حال اس دلیل کا مضحکہ اڑاتے ہین، لیکن اگر خلیفہ کے بجائے گریگری اعظم ہوتا اور قرآن کی جگہ انجیل ہوتی، تو کتب خانہ اوس وقت بھی نذر آتش ہوتا اور یہ اوس کی حیات کا بہترین عمل ہوتا،

اے مشہور کتابو! تم جو ہمارے اسلاف کے فہم و استعداد سے باہر تھین، جاؤ ہماری اولاد کے پاس جاؤ، مع ان تمام کلیات اور دواوین کے جاؤ جو تمدن جدید کے اطوار رذیلہ سے متعفن ہین، جاؤ تم سب ہم آواز ہو کر علم و فن کی ترقی کا گیت گاؤ، اگر ہمارے اخلاف سمجھدار ہون گے تو یقین ہے کہ اون کو ہمارے دعوی کی نسبت ذرہ برابر شک نہ ہوگا اور اگر اوس وقت بنی نوع انسان کی دماغی سطح ہم سے بھی زیادہ پست نہ ہوئی تو وہ بیقرار ہو کر آسمان کی جانب ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگین گے کہ "اے قادر مطلق تو جو انسان کے دماغ کا خالق و مختار ہی، ہمارے آبا و اجداد کے علوم و فنون سے ہم کو نجات بخش اور ہماری نادانی، پارسائی اور محتاجی کو واپس دیدے" اسلئے کہ یہی وہ چیزین ہین جو ہم کو طمانیت قلب بخش سکتی ہین اور تیری نظرین ہم کو محبوب بنا سکتی ہین،

الغرض علوم و فنون کی ترقی نے اگر ہماری حقیقی مسرت مین کچھ اضافہ نہین کیا ہی، بلکہ ہمارے اخلاق کو خراب کر دیا ہی اور ہمارے مذاق سلیم کو بگاڑ دیا ہی، تو سوال ہی کہ ہم علما کے اوس گلہ کو کن لفظون سے یاد کرین جنھون نے ایک ایک کر کے اون تمام رکاوٹون کو دور کرنے کی کوشش کی ہے،

جو علم کے شجرِ ممنوعہ کی راہ مین قضا و قدرت نے اِس مصلحت سے حائل کی تھین کہ ہر کس و ناکس کے قدم کو اِس طرف بڑھنے کی مجال نہو اور تنہا وہ جن کو علم کی طلب صادق ہو اپنی قوت کی آزمایش کرین، ہم اون مؤلفین کو کیا کہین جنھون نے علم کے مندر کا قفل توڑ ڈالا اور عوام الناس کو اُسکے اندر جانے کی صلائے عام دی، چاہیے یہ تھا کہ جو علم و ادب کی راہ مین آگے نہین بڑھ سکتے، اون کی پہلی ہی منزل پر ہمت شکنی کیجاتی تاکہ وہ کسی ایسے کام مین لگ جاتے جو جماعت کے حق مین مفید ہو۔ جس شخص کو تمام عمر شعر کہنا نہین آسکتا جو ریاضی کا ماہر کبھی نہین ہو سکتا، بہت ممکن ہو کہ اعلیٰ درجہ کا درزی ثابت ہو، جن لوگون کو فطرت نے اپنی شاگردی کے لیئے چن لیا ہو وہ ہمیشہ اُستاد کی تعلیم سے بے نیاز رہے ہین، چنانچہ بیکن۔ ڈیکارٹ اور نیوٹن جنھون نے کہنا چاہیئے دنیا کو درس دیا ہو کسی مدرس کے شرمندۂ تدریس نہ تھے، کونسا رہنما اون کو کوہ علم کی اون دشوار گذار چوٹیون تک لیجا سکتا تھا جہان کہ فطری استعداد نے اونھین پہونچا دیا، معمولی اُستاد کے حلقۂ درس مین رہکر اون کی استعداد بھی اُستاد کے تنگ دائرۂ قابلیت کے اندر محدود رہجاتی، اور اگر وہ ابتدائی مہمات کو بذاتِ خود سر نہ کرتے تو پھر وہ ذاتی سعی کے فن سے ہمیشہ نا آشنا رہتے، غیرون کی دستگیری کے خوگر ہو جاتے اور علم کی اِس لق و دق وادی کو کبھی طے نہ کر سکتے، جس کی "منزل گہِ مقصود" پر آج وہ فائز نظر آتے ہین، پس آج بھی علم و فن کی کٹھن راہ مین صرف اون کو چلنا چاہیے جو اگلون کے نقش قدم پر تن تنہا چل سکتے ہین، بلکہ اون سے آگے نکل جانے کی ہمت رکھتے ہین علم و فضل کی یادگار چھوڑنا صرف معدودے چند لوگون کا حصہ ہو، اگر کسی مسئلۂ اہم کا حل تمھاری ہمت کے دائرہ سے باہر نہین تو یقین جانو کہ وہ تمھارے حد ادراک سے بھی باہر نہین ہو، اُمید۔ ہمت کی راہ مین شمع کا کام دیتی ہو،

اور انسان کی روح غیر محسوس طور پر اپنے مقاصد کے قالب مین ڈھل جایا کرتی ہی، چنانچہ عظیم الشان مواقع پر عظیم الشان قابلیتون کے ظاہر و آشکارہ ہونے کا یہی راز ہی، دنیا کا سب سے بڑا خطیب رومہ کا قنصل بھی تھا اور غالباً دنیا کا سب سے بڑا فلسفی انگلستان کا لارڈ چنیسلر تھا، اگر اول الذکر کسی یونیورسٹی کا پروفیسر ہوتا یا آخر الذکر کسی علمی انجمن کا وظیفہ خوار ہوتا تو کیا اون کے کارنامے اسقدر بلند و ممتاز ہوتے، فرمانرواؤن کا فرض ہی کہ وہ اپنے دربار مین ان لوگون کو سب سے پہلے جگہ دین جو اپنے وقت کے صائب الرائے ہین، اِس بہل خیال کو چھوڑ دینا چاہیے کہ عملی جہانبانی شے دیگر ہی اور زبانی مشورہ و نصیحت سہل ہی، مین پوچھتا ہون کہ انسان کی طبیعت کو نیکی کی جانب مائل کر دینا مشکل ہی یا اِس سے زبردستی کوئی نیک کام کرا دینا دشوار ہی، ظاہر ہی کہ دشواری مین اول الذکر کا نمبر بڑھا ہوا ہی، پس چاہیے کہ دربار شاہی اعلیٰ قابلیتون کا ملجا و مامن بنے تاکہ اہل فضل جنھون نے اپنی دانائی کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو دور کیا ہی، رفاہ عام مین بھی حصہ لے سکین اور یہ بجائے خود اون کی جانفشانیون کا کافی صلہ ہو گا، نیکی، علم اور حکومت کا یکجا ہونا اور خلائق کی بہبودی مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرنا، یہی ایک صورت ہی جو اعلیٰ و مفید ترین نتائج پیدا کر سکتی ہی،

جب تک قوت و اختیار اور علم و فضل مین جدائی رہیگی، علماء کا مطمح نظر پست رہیگا، سلاطین الوالعزمی سے مہجور رہینگے اور عوام ذلت و خواری مین پڑے ایڑیان رگڑینگے،

اب رہے ہم معمولی لوگ، جن کے ساتھ استعداد و صلاحیت کی بخشش مین مبدء فیاض نے سخاوت سے کام نہین فرمایا ہی، پس ہم کو زیبا ہی کہ گمنامی ہی پر قناعت کرین اور ناموری کو جس کے

ہم اہل نہین حاصل کرنے مین اپنا وقت ضائع نہ کرین،

اوس شہرت کی ریس کرنا جو ہمارے بس سے باہر ہی یا جو حاصل ہو کر بھی ہماری جانفشانی کی تلافی نہین کر سکتی، ایک فعل عبث ہی، غیرون کے خیالات سے جلب مسرت کرنا کونسی دانشمندی کی بات ہی جبکہ تلاش کرنے سے خود ہمارے قلب مین مِل سکتی ہی، دنیا کو فرض شناسی کی تعلیم دینا اورون کے لئے چھوڑ دو، تم خود ادائگی فرض سے کام رکھو، اِس سے بڑھکر سردست ہم کسی اور تعلیم کے محتاج نہین ہین،

اے نیکی تو جو سادہ لوحون کے واسطے اعلیٰ ترین علم ہی کیا تجھ سے واقف ہونے کے لئے بھی کسی ریاضت و مشقت کی ضرورت ہی؟ کیا تیرے سادہ اُصول ہر قلب پر کندہ نہین ہین؟ تیرے قوانین جاننے کے لئے سوائے اِسکے اور کیا درکار ہی کہ ہم اپنا آپ احتساب کرین اور جذبات کو خاموش کر کے ضمیر کی آواز، کان دیکر سُنین!

یہ وہ سچا فلسفہ ہی جو ہم کو قناعت کی تعلیم دیتا ہی، اور ان مشاہیر عالم کی شہرت کی حرص کرنے سے جن کے نام اقلیم ادب مین مرتبۂ دوام پر فائز ہین، باز رکھتا ہی، ہم کو چاہیے کہ بڑون کی ریس کرنے کی جگہ اپنے اور اون کے درمیان وہ قابل افتخار امتیاز قایم کرین جو سابق مین دو قومون کے درمیان تھا یعنی جبکہ ایک کا طرۂ امتیاز خوبی کلام تھا تو دوسرے کا طغرائے افتخار راستی کردار تھا،

فیضی گمان مبر کہ غم دل نہ گفتہ ماند
اسرار عشق انچہ تو آن گفت گفتہ ایم

قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، الصا اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ عہ

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲ر

" دوسری ریڈر طبع دوم، ۴ر

رسالۂ اہل سنت والجماعت، فرقۂ اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطا مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس وقت تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبوں سے اسکا ثبوت۔ ۸ر

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لیے دنیا کی مسلمان قومین کیا جدوجہد کر رہی ہین، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہی کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے، طبع سوم، ۴ر

مولنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اول کے اسلام کا عملی خاکہ، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۳۵۰، یہ

اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ طبع دوم، قیمت عاا

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت عہ

سیرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت عہ

مولوی عبد الباری ندوی،

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلسفی برکلے کے حالات زندگی اور اسکے فلسفہ کی تشریح، مجلد عاا غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت کا ابطال کیا ہے عاا مجلد

مولوی عبد الماجد بی اے،

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، ۱۲ر

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، عاا

پیام امن، موسیو چرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارۂ امن عالم، واخوت انسانی وخون آشامی اقوام یورپ کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس مین انہین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے اردو مین بالکل نئے خیالات ہین، ۱۶۰ صفحے قیمت عہ

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت با ختلاف کاغذ عہ عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کیے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہی، قیمت عاا

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے۔ ۴ر

پروفیسر سید نواب علی ایم اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف، فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ۔ ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب. قسم اول ۱۲/، دوم ۸/

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ، ۱۰/

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک بنایون کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کیے گیے ہین، صفحہ ۲۳۲، ۱عہ

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، ۱عہ/

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان عہ/

مذہب کی باتین، بچون اور بچیون کی تعلیم کے لیے ۴/

رسالہ قوت خیال، درستی اخلاق کے باب مین ایک مشہور انگریزی رسالہ کا ترجمہ، ۴/

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات وصفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر، عہ/

تاریخ البوالبشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدیدہ عہ/

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان، علم خواص الاعضا، کے ابتدائی مسائل سلیس و عام فہم زبان مین، ۸/

رموز فطرت، طبعیات، طبقات، ارض، ہیئت، اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین عہ/

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصورہ مجلد ۱۲/

گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی، ۸/

نعت پیمبر، عربی، فارسی و اردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ، ۸/

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی،

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی وعمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیے گیے ہین، صفحے ۲۰۱، ۱۲/

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی وجسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کیگئی ہی صفحہ ۲۱۳ قیمت ۱عہ

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ۱۲/

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید وقدیم معلومات کی جامع کتاب، قیمت ۱۲/

متفرق کتابین،

یاد ایام، مولانا عبد الحی مرحوم ناظم ندوۃ العلما، نے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے اور وہان کے امرا، وزرا، وعلما، اور مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت تاریخی تحقیق وتفصیل سے لکھے ہین عہ/

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر میکس مولر کے سفرنامۂ قسطنطنیہ کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، ۱عہ/

بدیہہ گوئی، جناب ہوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کیے ہین، قیمت عہ/

الندوہ، کی جلدین موجود ہین، قیمت فی جلد ۱۲/ قیمت فی نمبر ۴/ یہ نادر ذخیرہ کمیاب ہی،

"منیجر"

سلسلۂ دار المصنفین اعظم گڈھ نمبر ۲۷

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولٰئک لہم الامن

فائدہ

جن لوگوں نے اپنے وجدانِ سلیم کو بے اعتدالیوں یا ترغیبات

بیجا سے خلط ملط نہیں کیا، وہی امن میں ہیں،

نفسیاتِ ترغیب

مؤلفہ

سید وہاج الدین احمد کنتوری

پروفیسر عثمانیہ کالج، اورنگ آباد دکن،

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی،

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

بنامِ آنکہ نامش حرزِ جانہاست،

ھدِیہ

زبانِ اردو کی اس سچّی اور قابلِ قدر خدمت کی یاد مین،

جو میرے محترم دوست،

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریابادی)

نے کی اور کر رہے ہین،

نیز

اس "عہدِ کہن" کی یادگار کے طور پر جب انھون نے پہلی مرتبہ

اردو بولنے والی دنیا کو،

نفسیات جیسے اہم اور دلچسپ علم سے روشناس کیا،

یہ کتاب انھین کے نامِ نامی پر صدقِ دل اور اس آرزو کیساتھ معنون کیجاتی ہی کہ

"شاید کہ بجوئے رفتہ آب آید باز"

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف،

"خاکسار مؤلف"

فہرست ابواب

تفصیلی فہرست مباحث؛

باب اوّل؛

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

از

(مولوی عبد الماجد صاحب بی اے)

ہندوستان اِس وقت جس دور سے گزر رہا ہے، اُس کا قدرتی تقاضا یہ ہی کہ مغرب کے تمام علوم و فنون اِس مین بھی پھیلین، اور پھیلائے جائین، چنانچہ جدید فلسفہ اور سائنس کی تمام شاخین اُردو مین بھی ایک ایک کر کے آرہی ہین، اور لائی جارہی ہین، یہ صورت کس حدتک مفید ہے، اِس بحث کا یہ موقع نہین، بہرحال ایک امر واقع ہی، مغربی انداز پر ترجمہ، تالیف، وتصنیف کا کام تیزی کے ساتھ ہو رہا ہی، اور بظاہر احوال، زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتا جائے گا،

فلسفۂ جدید کی ایک صنف، نفسیّات بھی ہی، جس کا نام پُرانے مترجمین نے عِلم النفس رکھا تھا، مگر اب مغرب کی درسگاہون اور معملون مین اِس فن کو جو ترقی ہو رہی ہی، اس کے لحاظ سے اس کا شمار اب اگر بجائے فلسفہ کے سائنس کے اصناف مین کیا جائے، تو زیادہ صحیح ہوگا، اپنے نفس کی کیفیات کا مطالعہ کرتے رہنا، باطن کی طرف رجوع کرنا، اپنے اعمال ذہنی پر غور و فکر کرتے رہنا، تحقیقات جدید اِن سب طریقون کو باطل ٹھہرا رہی ہے، اور اب مغربی عِلم وفضل کا فتوئی یہ ہی کہ، ان متروک اور دقیانوسی طریقون کے بجائے نفس۔ ذہن وشعور کو بھی مثل مادّیات کے خوردبین اور دیگر آلات مادی کی مدد سے جانچنا چاہیئے، حکمت قدیم یہ تھی، کہ مادّیات کو نفسِ مدرکہ کی وساطت سے پہچانا جائے، دانش جدید یہ ہے،

کہ نفسیات کو آلات مادی کے ذریعہ سے جانچا جائے، مشرق کی معراج کمال یہ تھی، کہ مادہ کو نفس و روح کے حکم مین لے آیا جائے، مغرب کا منتہائے ترقی یہ ہی کہ نفس و روح کو مادیات کی شاخ بنا دیا جائے پہلے ظاہر کو باطن کے ماتحت رکھا جاتا تھا، اب باطن کو ظاہر کا محکوم کر لیا گیا ہے۔ مغرب کی یونیورسٹیون مین جہان طبعیات، کیمیائیات، وغیرہ کے معمل ہین، انہین کے پہلو مین نفسیات کے تجربہ گاہون دار عملون کی عمارتین بھی کھڑی نظر آتی ہین۔

فن نفسیات، اب بجائے خود، متعدد، اور مستقل شاخون مین تقسیم ہوگیا ہے، مثلاً نفسیات نظری۔ نفسیات عملی۔ نفسیات حیوانی، نفسیات قومی، نفسیات اجتماعی، وقس علیٰ ہذا، اور یورپ نے انمین سے ہر شاخ پر تصانیف کا ایک طومار لگا دیا ہی، اُردو مین اس سارے ذخیرہ، یا کم از کم اسکے بڑے حصہ کو منتقل کرنا، ایک دن یا ایک شخص کا کام نہین، صدہا قابل و مستعد کارکن ہون، اور مدت دراز تک یہ کام برابر ہوتا رہے، جب کہین جاکر مغرب کا سرمایہ سرزمین ہند پر منتقل ہو سکتا ہی، اُس وقت تک یہ گنتی کے چند افراد، جو باوجود اپنی بے بضاعتی کے محض اپنے ذوق علم اور ذاتی جوش کی بنا پر اِس کٹھن کام مین لگے ہوئے ہین، اون کی محنت کی داد نہ دینا، انصاف کی آنکھ پر پٹی باندھ لینا ہے،

نفسیات مین ایک اہم اور دلچسپ بحث "ترغیب" کی آتی ہی، عمل ترغیب کی ماہیت نفسی کیا ہی؟ انسان کو خود کیونکر کسی فعل کی جانب ترغیب ہوتی ہی، اور وہ دوسرون کو کیونکر ترغیب دیتا ہی؟ جذبات اور عقل کا ترغیب سے کیا تعلق ہے؟ دلائل منطقی اور ترغیب نفس کے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے؟ مؤیدات ترغیب و موانع ترغیب کیا کیا ہین؟ ترغیب کے صحیح مواقع استعمال کیا ہین؟ غلط رجحانات و باطل ترغیبات سے کیونکر بچنا چاہیے؟ اِس قسم کے سارے مباحث کے لیے ایک جامع نام "نفسیات ترغیب" ہے، اور مغربی زبانون مین مستقل اِسی

موضوع پر تصانیف تیار ہو چکی ہین، پروفیسر سید وہاج الدین صاحب نے (عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن) جن کا ذوق خالص علمی ذوق ہی، اور جو مسائل و مباحث نفسیات سے خاص دلچسپی رکھتے ہین، ہمت کر کے اُردو کے خزانہ مین یہ سرمایہ منتقل کر دینا چاہا ہی، چنانچہ اُن کی سعی و کاوش کا نتیجہ اگلے صفحات مین موجود ہی،

ہمارے جوان عمر و جوان ہمت دوست نے اپنا اصلی ماخذ، میکفرسن کی انگریزی کتاب "سائیکالوجی آف پرسوائےشن"، کو رکھا ہی، لیکن اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و مضامین سے استفادہ کیا ہی، اور اس لحاظ سے اُن کی کتاب ترجمہ نہین رہی، بلکہ اچھی خاصی تالیف بنگئی ہی، اُردو ابتک جن خیالات و الفاظ سے اجنبی و نا آشنا ہی، اُنھین اُردو مین لاتے وقت جو محنت و کاوش کرنی پڑتی ہی، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہین، جنھین خود کبھی اس قسم کے کام کا اتفاق ہوا ہی، وہاج الدین صاحب کی کوشش اس جماعت کے نزدیک مستحق صد داد و ہزار ستایش ہوگی، البتہ اگر انھون نے کچھ وقت اور صرف کیا ہوتا تو کتاب کو موجودہ حالت سے بھی بڑھکر شگفتہ، سلیس، اور دلچسپ بنا سکتے تھے، طبع ثانی مین امید قوی ہی، کہ وہ بعض الفاظ کو بدل دینگے، طرز بیان مین زیادہ شستگی اور سلجھاؤ پیدا کر دینگے، اور گرد و پیش کی اور زیادہ مثالین دے کر کتاب کو زیادہ دلچسپ بنا دینگے، بہ حیثیت مجموعی، کتاب، اب بھی اس قابل ہی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے نفسیات خوان طلبہ کے زیر مطالعہ رہے، اور دوسرے لوگ بھی جو مغربی نفسیات کی نوعیت مباحث سے واقف ہونا چاہین، اس سے فائدہ اُٹھائین، دارالمصنفین کے زیر اہتمام اس سے قبل برکلے، لی بان وغیرہ حکمائے مغرب کے مقالات اُردو مین منتقل ہو چکے ہین، آج اس کتاب کی اشاعت اس کے کارنامون کی فہرست مین ایک جدید عنوان کا اضافہ کر رہی ہے،

ہونہار مؤلف کا مستقبل بہت اُمید افزا ہی، ابھی وہ الفاظ کے اُلجھاؤ مین پڑے ہوئے ہین،

خدا وہ دن جلد لائے کہ وہ عالمِ معنی کی سیر کر رہے ہون، آج میک ڈوگل و میکفرسن کی جیب مین وہ پڑے ہوئے ہین، کل خدا کرے میک ڈوگل و میکفرسن اُن کی جیب مین پڑے ہون، وہ مجھے فرطِ محبت سے ترغیب دے رہے ہین، کہ مین "پھر قیل وقال" کی جانب متوجہ ہو جاؤن، لیکن میری صدقِ دل سے اُن کے حق مین یہ دعا، ہی کہ وہ جلد "قال" سے گزر کر "حال" مین قدم رکھین، اور اُس وقت اُن پر فی انفسکم افلا تبصرون، کی صحیح اور اعلیٰ نفسیّات کے اسرار منکشف ہون، حقایق کا عِلم، کتبخانون کے اندر محفوظ نہین، اُس کی یافت کی تڑپ اگر دل مین ہے تو بجز ایک "اُمی" کے نقشِ قدم پر چلنے، اور "علیم وخبیر" سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے اور کوئی سبیل نہین،

صد کتاب وصد ورق در نار کن — جانِ دِل را جانبِ لدا کُن
فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نہ گیرد فضل شاہ
علمہائے اہلِ دِل حمالِ شان — علمہائے اہلِ تن حمالِ شان
عِلم را بر دل زنی یارے بود — عِلم را بر تن زنی بارے بود
گفت ایزد یحمِلُ اَسفارہٗ — بار باشد عِلم کان بنود زہو
اسم خواندی، رو مسمّی را بجو — مہ بہ بالا دان نہ اندر آبِ جو
ہمچو آہن ز آہن بیرنگ شو — در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
خویش را صافی کن از اوصافِ خویش — تا بہ بینی ذاتِ پاکِ صافِ خویش

وَاتَّقُوا اللّٰہَ، وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ؀

عبد الماجد

۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء

دریاباد۔ بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچۂ مؤلف

شکر کہ جمازہ بہ منزل رسید　　کشتی اندیشہ بہ ساحل رسید

کم و بیش ایک سال کی محنت کا نتیجہ اِن اوراقِ پریشان کی صورت مین ہدیۂ ناظرین ہی، دیباچے آجکل ہر کتاب کا ضروری جزو سمجھے جاتے ہین، اِن کا مفہوم یہ ہوتا ہے (یا یہ ہونا چاہیے) کہ مقصد کتاب کا ایک سرسری اندازہ ہو جائے، اور جس ضرورت کی تکمیل کے لیے وہ وجود مین آرہی ہے اسکا بھی کم از کم الفاظ مین اظہار کر دیا جائے، پیشِ نظر کتاب کا دیباچہ اِسی ضرورت پر مبنی ہی، اِس کا غیر مانوس **عنوان** "نفسیات ترغیب" بجائے خود کسی نہ کسی تشریح کا محتاج ہے،

"**ترغیب**" کے لفظ سے قریب قریب ہر اُردو دان واقف ہی، لیکن لوگون کے ذہن مین اِسکا مفہوم بہت کچھ محدود ہی، کسی برگشتۂ مذہب شخص کو اوس کے قدیمی مذہب کی طرف واپس لانے کیلئے جو کچھ دلائل اِستعمال کیئے جاتے ہین، اون کو ہر شخص ترغیب کہے گا، اگر مین ایک بات پر مُصر ہون، اور میرا دوست، مجھے سمجھا بُجھا کر اوس ارادے سے باز رکھے، تو اوس کو بھی لوگ۔

ترغیب وہی خیال کرینگے، لیکن کتنے لوگ ہین، جنھین اپنے ذاتی خیالات کی کشمکش، دوسرون کی چرب زبانی، اشتہارات کے جاذب توجہ عنوانات، موسیقی، نقاشی اور مصوری کے خاموش نمونون مین ترغیب کا پہلو نظر آتا ہی، حالانکہ یہ باتین آلۂ ترغیب ہین!

وسیع ترین معنون مین ترغیب کا مفہوم یہ ہو کہ کسی نہ کسی طرح، خود کو، یا دوسرون کو کسی طرز عمل کی طرف مائل کیا جائے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اپنے نفوس کو سمجھانا، دوسرونکو سمجھانا، یا جذبات اور تخیلات کی وساطت سے اونھین کسی کام کے کرنے پر ابھارنا، مقررونکی تقریرین، مصنفون کے مطالب، اشتہارات، باہمی مکالمت، اخبارات کی رائین، دوکانداروں کا سمجھانا، یہ سب باتین ترغیب کے وسیع حلقہ مین شامل ہین، اور انہی کی نفسیاتی تشریح ہماری کتاب کا مقصد ہی،

یون تو نفس انسانی کے پر اسرار اعمال کی واقفیت نتائج مفیدہ سے کبھی خالی نہین ہوتی، تاہم اس کتاب کے مقاصد مین دو باتون پر خاص طور سے زور دیا گیا ہی،

(۱) ایک تو یہ ہو کہ خود ہمارا نفس بھی بعض اوقات ہم کو غلط راستون پر لے جاتا ہے اور ہمارے اطمینان کے لئے عجیب وغریب مکائد سے کام لیتا ہی، خود ترغیبی کے اس مضر اثر مین آکر اکثر لوگ بلا تامل خراب افعال کر گذرتے ہین، صفحات آیندہ مین مناسب موقعون پر اسکی مثالین ناظرین کو نظر آئینگی، اس کا جو علاج ممکن ہوسکتا ہو وہ یہی ہے کہ عقل انسانی کے متضاد فیصلون، مناقضات جذبی، اور تخیلات کی ابلہ فریبیون سے لوگون کو واقف کر دیا جائے۔ واقف ہونا حالتِ شعور کو مستلزم ہے، اور شعور کا تقاضا ان افعال سے باز رکھ سکتا ہو دوسرا باب تمام وکمال اسی سے متعلق ہی،

(۲) دوسرا ضروری مقصد یہ ہو کہ عمل ترغیب کی اچھی طرح تشریح کر کے باطل ترغیبات کے

محرکات کو واضح کر کے، لوگون کو دوسرون کے پُر فریب ترغیبات سے بچنے کی تدابیر بتائی جائین، ترغیبی تحریرون اور تقریرون کا جتنا آجکل زور شور ہے، شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا، مسائل حاضرہ کی کشاکش اور مختلف آرار کے ہجوم کا نتیجہ یہ ہے کہ زعمار قطعاً آزاد ہوگئے ہین، بعض حضرات قیادت کی جدوجہد مین جہد للبقار کو بھی فراموش کر گئے ہین ہندوستانی پبلک بیدار ضرور ہوگئی ہی چنانچہ قصبہ قصبہ سیاسیات کا چرچہ ہی لیکن یہ بیداری مُکمّل نہین ہی جس طرح کوئی شخص دیر کا سُویا ہوا بیدار ہو کر ہنوز اپنی آنکھین مل رہا ہو۔ اور اتنے مین ایک گروہ اوسکے چارون طرف جمع ہو جائے، اور ہر شخص مختلف دلفریب مناظر کی تصویرین پیش کر کے یہ کوشش کرے کہ پوری طرح بیدار ہو کر یہ میری ہی طرف متوجہ ہو، یا ایک اجنبی کسی نئے شہر مین وارد ہو، اور اوس کی ناواقفیت سے فائدہ اُٹھا کر ہر شخص اوسے اپنی طرف مائل کرنا چاہے، بعینہٖ آج ہمارے ہندوستان مین، ہندوستانیون کی نیم بیداری کی حالت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے، مختلف گروہ موجود ہین اور اسی فکر مین ہین کہ دیر کے سوئے ہوئے کو چونکتے ہی اپنے بس مین لے آئین، کونسلون اور میونسپلیٹیون کے انتخابات پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو ہمارے بیان کی کافی صداقت ہو سکتی ہی،

اِس خرابی کا علاج یہی ہی کہ باطل ترغیبات (انفرادی اور جماعتی) کے خصائص سے لوگون کو روشناس کرایا جائے۔ صحیح و باطل ترغیبات مین فرق بتلایا جائے، اور اون کے جائز یا ناجائز ہونے کا ایک معیار قایم کیا جائے، دوسرے تیسرے اور چوتھے باب مین اسی کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے، اور پانچوین باب مین اِس ضمن مین اشتہارات اور اخبارات کی ترغیب پر بھی تحقیق کی نظر ڈالی گئی ہی، اِن دو اہم باتون کے علاوہ ناظرین کو اور بہت سے ضمنی مباحث مثلاً سطوت، نفوذ، مکتسب شخصیت، اشارات، موسیقی، نقاشی کے متعلق بھی کافی مواد مِل سکے گا، اور ترغیب مین اُن کی جداگانہ حیثیت، اور اون کے جائز یا ناجائز استعمال کا

طریقہ بھی معلوم ہو سکے گا، باب ہفتم مین کتب اور تقریرون کی ترغیب سے بحث کی گئی ہی اور اصل مین اِسی کو عرف عام مین ترغیب کہا جاتا ہی،

اِس کتاب کی اصل اساس مسٹر میکفرسن کی کتاب Psychology of Persuasion ہے، لیکن ضرورت کے لحاظ سے حذف و اضافہ سے برابر کام لیا گیا ہی۔ ابواب کی ترتیب مین اصل انگریزی کتاب کی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے، لیکن بجائے نو کے آٹھ باب قایم کیئے گیئے ہین۔ اِس کتاب کے علاوہ اور کتب جن سے مدد لی گئی ہی حسب ذیل ہین۔

نمبر (۱) Psychology of Conviction Joseph Jastrow.

نمبر (۲) Social Psychology Macdonell

نمبر (۳) فلسفۂ اجتماع، عبدالماجد صاحب

نمبر (۴) Psychology Unconscious Jung

ان کتابون سے حسب موقع مدد لی گئی ہی، مثالون کے لیئے بعض اخبارات و رسائل کی پرانی جلدون سے بھی اقتباسات لیئے گیئے ہین،

اگرچہ اصل انگریزی کتاب کا اکثر مقامات پر آزادانہ ترجمہ کیا گیا ہے، تاہم اس کتاب کو ترجمہ نہین کہا جا سکتا، اور وہ محض اِسلیئے کہ مؤلف ترجمہ کی پابندیون اور ذمہ داریون سے عہدہ برآ نہین ہو سکا ہی، نہ صرف یہ کہ اکثر مثالین ہندوستانی حالات سے لی گئی ہین، بلکہ جابجا اون خیالات کا اظہار بھی کیا گیا ہے جن کا انتساب مصنّف کی طرف جرم سے کم نہ ہوگا، مؤلف لے لیئے فخر کا مقام ہوتا اگر بجائے تالیف کے اِس کتاب کو ترجمہ کہا جا سکتا لیکن انگریزی ڈرامون اور ناولون کے اقتباسات یا انگریزی سیاسیات کی مثالین ہندوستانی مذاق پر بار ہوتین اور توضیح کا مدعا اون سے اتنا پورا نہین ہو سکتا جتنا کہ اپنے گرد وپیش کے واقعات اور

خود ہندوستان کی فرضی مثالون کے اِستعمال سے ممکن ہوسکا ہی، تحریف اور تصرفِ خیالات کی یہ جسارتین اِس کتاب کو ترجمہ کہنے سے مانع آتی ہین،

سب سے اخیر مین ایک ضروری عرض اِس کتاب کے نام کے متعلق کرنا ہی "نِفسیات" پر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کو چھوڑ کر ہماری اُردو زبان مین صرف دو کتابین (میرے خیال مین)[1] لکھی گئی ہین، اور وہ دونون مولانا عبد الماجد صاحب کے قلم کی ہین، لیکن ان کے نام "فلسفۂ جذبات" اور فلسفۂ اجتماع" ہین، اِن کتابون کو "فلسفہ" کے لقب سے ملقب کرنے کی وجہ خاکسار مؤلف کی سمجھ سے باہر[2] ہی، ممکن ہی کہ یہ محض اِس لیئے کیا گیا ہو کہ نفسیات یا عِلم النفس اُردو دان حضرات کے لیئے ایک غیر مانوس عنوان ہوتا، موجودہ کتاب کا عنوان "نِفسیّات ترغیب" رکھا گیا ہے نفسیاتی تشریح کو فلسفیانہ نکتہ آفرینی نہین کہا جاسکتا، ضرورت ہے کہ فلسفہ کا پردہ دور کیا جائے اور صحت تسمیہ کو اوس کے عام فہم اور قابل قبول ہونے پر قربان نہ کیا جائے، اُمید ہے کہ آیندہ جب کبھی بھی ہمارے مصنفین نِفسیّات کے متعلق کچھ لکھین گے تو اِس کا ضرور لحاظ رکھین گے۔ کبتک لوگون کو نفسیات کے نام سے نا آشنا رکھا جائے!

---

[1] ان دونون سے بہت قبل، پروفیسر انعام علی صاحب بی اے نے ۱۸۸۵ء مین "علم النفس القوی" کے نام سے لاہور مین اس فن پر ایک رسالہ شایع کیا تھا، میری نظر سے یہ کتاب فلسفۂ جذبات و فلسفۂ اجتماع دونون کی تالیف کے بہت بعد گزری، (عبد الماجد)

[2] اُردو مین فلسفہ کے دو مفہوم ہین ایک وسیع مفہوم جس مین ہر عقلی توضیح و تشریح پر فلسفہ کا اطلاق ہوتا ہی، دوسرے محدود و اصطلاحی مفہوم، جس مین فلسفہ علم کی ایک مخصوص صنف کا نام ہی، ان کتابون کے عنوانات مین فلسفہ اپنے عام و وسیع مفہوم مین استعمال کیا گیا ہی، اس کے علاوہ نفسیات کو بھی اُس وقت فلسفہ ہی کی ایک شاخ مانا جاتا تھا، اِس لحاظ سے نفسیات کی کتاب کو فلسفہ کی کتاب کہنا اسی طرح درست تھا، جس طرح فن تشریح کی کتاب کو طب کی کتاب کہنا،

(عبد الماجد)

اِس کتاب کی خامیون کے متعلق جو صائب رائے دیجائے گی شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی، ترتیب خیالات، انشا، مثالین، اور ایسی ہی دوسری باتون کے متعلق اگر ناظرین مؤلف کو اپنی قیمتی ہدایات سے مطلع فرمائین تو اوس کی مشکوری کا باعث ہوگا۔

ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر معارف کی مختلف عنایات پر اظہار ممنونیت نہ کیا جائے، جناب موصوف نے نہ صرف اپنے قابلِ قدر مشورہ سے سرفراز فرمایا ہے، بلکہ موجودہ کتاب کے پہلے دو ابواب کو معارف سے نقل کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے، مجھے فخر ہے کہ یہ کتاب دار المصنفین کی علمی سرپرستی مین شایع ہو رہی ہے۔ ع

بلبل ہمین کہ قافیہ گل شود بس ست

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء
کلیہ عثمانیہ، اورنگ آباد، دکن

خاکسار مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

عملِ ترغیب کی ماہیت اور اوسکے اجزائے ترکیبی

ترغیب" کی تعریف، عملِ ترغیب کی نفسیاتی تشریح، ترغیب کے عناصر ثلاثہ، جذبہ، ذہن، تخیّل، ہر عملِ ترغیب مین اِن تینون کا حصّہ

جذبہ اور استدلال کا تعلق،

اِنسان اور دیگر حیوانات مین اگر کوئی شے مابہ الامتیاز ہوسکتی ہی، تو وہ تعقل اور استدلال کا مادّہ ہی، جو قدرت نے اِنسان مین ودیعت رکھا ہے، اور جس سے مؤخر الذکر محروم ہین، اِسی بنا پر حضرتِ انسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کا خطاب دیئے بیٹھے ہین، اور حیوانات کو جو جذبہ اور فطرت کی تحریک سے مجبور ہوکر فی الفور کوئی کام کرگذرتے ہین نظر حقارت سے دیکھتے ہین، اور نیز وہ اُن کی جنس کا کوئی فرد اگر مغلوب الجذبات ہوکر، بغیر منطقی دلائل سے کام لیئے ہوئے، کوئی فعل کرتا ہے، تو اُسے اِنسانیت سے دُور، اور صفات بہیمیہ سے متّصف قرار دیتے ہین، زیادہ مقامِ تعجب یہ ہے کہ عوام سے قطع نظر، خود

قدیم ماہرین نفسیات بھی ہماری زندگی کے عقلی و استدلالی رُخ سے بحث کرتے رہے ہین،
بہر حال کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانۂ موجودہ مین جو زبردست اضافہ معلومات نفسیات مین
ہوا ہی، اوس مین سے ایک یہ بھی ہو کہ انسانی زندگی مین جذبات اور دیگر جبلی رجحانات سے
بحث کر کے، اون کی اہمیت کے لحاظ سے اون کو ایک علیحدہ رتبہ دیا گیا ہے، اور پہلے کی طرح
عقل اور استدلال کی قربان گاہ پر ان صفات انسانی کی بھینٹ نہین چڑھائی گئی ہی،
عقل اور استدلال، کو خاص صفت انسانی تو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے،
کہ کتنے فیصدی انسان ایسے ہین جو روزانہ اپنی زندگی مین پہلے ٹھنڈے دل سے کسی فعل کے
مختلف پہلوؤن پر نظر ڈالتے ہون، اور پھر وہ فعل کرتے ہون؟ برخلاف اس کے کیا یہ واقعہ
نہین ہی کہ انسان کے ہر فعل کی تہ مین، خواہ اُس مین ظاہرا کتنی ہی منطق اور استدلال سے
کام کیون نہ لیا گیا ہو، ہمیشہ ایک نہ ایک جذبی یا جبلّی محرک کام کرتا رہتا ہی، کیا ایسا کرنا
طبائع انسانی کے لیئے باعث ننگ ہی؟ کیا جذبات کی تحریک، یا فطرت کے غلبہ سے متاثر ہو کر
کوئی فعل کرنا انسان کو بہیمیت کے الزام کا سزاوار بنا دیتا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ایسا نہین ہے،
کیا بسا اوقات فوری کام کرنا، اور عقلی اُدھیڑ بُن مین نہ پڑنا، انسان کو فرائض انسانیت کی
ادائیگی مین مدد نہین دیتا؟ کیا جذبات کی فوری تحریک صیانت حیات انفرادی وملی مین
ہماری معاون نہین ہوتی؟ ایک محتاج تم سے بھیک مانگتا ہے، تمھارے لیئے جذبۂ ترحم سے
مجبور ہو کر فی الفور خیرات دینا زیادہ مستحسن ہے، یا یہ کہ استدلال او منطق سے بحث کی جائے،
معاشیات کے مسائل پر غور کیا جائے، اور بالآخر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اوسے خیرات دینا
اوس کو مجہول بنانا، اور قوم کے ناکارہ افراد کی تعداد مین اضافہ کرنا ہے؟ اِس سے کوئی
انکار نہین کر سکتا کہ جذبات اپنی شدت اور قوت کے اعتبار سے بعض اوقات ہم پر حاوی

ہوجاتے ہین، اور اکثر لغزشین اون کی کورانہ تقلید کی وجہ سے سرزد ہوتی ہین۔ ہم اس سے بھی انکار نہین کرتے کہ جرائم بھی زیادہ تر غلبۂ جذبات ہی کا نتیجہ ہوا کرتے ہین، لیکن اِس حقیقت کے اظہار سے بھی ہم باز نہین رہ سکتے کہ اگر کوئی چیز فنون لطیفہ یا سائنس کا منبع اور زندگی کی بہترین نعمات (رحم۔ ہمدردی۔ حب الوطنی اتفاق وغیرہ) کے لیے وسیلہ ثابت ہوسکتی ہی تو وہ چیز جذبہ ہے نہ کہ دلیل منطقی محض ارسطو اور مِل کے بنائے ہوئے اصول پر دنیا نہین چل سکتی ؎

ہرچند عقل کل شدۂ بے جنون باش
با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است

جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین اِس مین شک نہین کہ ہماری فطرت کے عناصر ترکیبیہ مین جذبات کی حیثیت غیر استدلالی ہے یعنی یہ کہ استدلال اور تعقل سے اُن کو کوئی علاقہ نہین ہوتا، لیکن جذبات کا غیر عقلی ہونا، اون کے مخالف عقل ہونے کو مستلزم نہین ہے، جذبہ عقل اور دلیل کی ضد نہین ہے، اور اس کی تحریک استدلال سے بے نیاز سہی، لیکن سراسر مخالف عقل بھی نہین ہے کہ ہماری آنکھون پر جہالت کا پردہ ڈالکر ہم کو اندھے کنوئین مین ڈھکیل دے، اِس باب مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ عمل ترغیب بالاصل ایک جذباتی عمل ہے جو بجائے عقل کے ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلّت کے زیادہ زیر نگین ہے، ترغیب کا جذباتی عمل ہونا اِس امر کی کافی توجیہ کردے گا، کہ لوگ اِس سے متاثر ہوکر یا دوسرون پر اِس کا اثر ڈالکر کیونکر دھوکے کھاتے یا فریب دیا کرتے ہین، تاہم ترغیب کی اِس خاصیت کی بنا پر کہ یہ بداہتہً جذبات پر منحصر ہے، اِس کو استدلال عقلی کا مخالف اور اسلیے قابلِ تحقیر ٹھہرانا، غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے،

ترغیب کی اساس — اثر ترغیب کا خواہ ذاتی ہو یا صفاتی، ہر حال مین آغاز کسی نہ کسی خواہش یا

یا اعتقاد سے ہوتا ہے، جب کبھی کسی مسئلہ پر ہمارا کوئی ذاتی اعتقاد ہوتا ہے، یا کسی خاص طرز عمل کی پیروی کی خواہش ہمارے دل پر مسلط ہوتی ہے تو ہم فوراً اپنے اعتقاد کو حق بجانب اور اوس کی وجہہ سے جو افعال سرزد ہون اون کو مستحسن ثابت کرنے کی کوشش مین منہمک ہوجاتے ہین، یہ اِس صورت مین ہوتا ہی جبکہ ترغیب موضوعی یا ذاتی ہو، یعنی خود اپنے نفس کو دیجارہی ہو، معروضی یا صفاتی ترغیب مین بھی، جو دوسرون کو دیجاتی ہے، عملِ ترغیب کے آغاز کی حد یہی "اعتقاد" یا "خواہش" ہوا کرتی ہے، دیکھو جب ایک خطیب منبر پر سے دریائے فصاحت بہاتا ہے، یا ایک سیاسی مقرر کسی مقصد کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے اپنے سامعین کے دلون کو ہلا دیتا ہے، یا ایک مدبرِ سلطنت ایوان مباحثہ مین گرمی استدلال سے اپنے مخالفین کو لاجواب کردیتا ہی، تو ہر صورت مین آغاز گفتگو سے قبل، اِن حضرات کے دماغ مین کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیولیٰ موجود ہوتا ہے، جو ان کے دلائل و براہین کے لیے سرچشمہ کا کام دیتا ہے، اور جتنی زیادہ وضاحت اور تیقن کے ساتھ یہ خواہش یا اعتقاد ان کے دماغ مین موجود ہوتا ہی، اوسی اعتبار سے اون کی ترغیب کم و بیش موثر ہوتی ہی، خود ترغیبی مین بھی کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیولیٰ قبل از قبل موجود رہتا ہے جس کو بجا ثابت کرکے، اوسپر عمل کرنا ترغیب ذاتی کا اصل مقصد ہوتا ہے،

منطق اور ترغیب کا فرق، **ترغیب** مین چونکہ سمجھا کر دلائل و براہین کے استعمال سے لوگون سے کسی بات کے منوانے کا سوال ہوتا ہے اسلیئے اکثر لوگ خیال کرتے ہین کہ اِس مین اور دلائل منطقی مین کوئی فرق نہین، یہ غلط ہی، پہلی بات تو یہی ہے کہ دلائل کے استعمال کے علاوہ اور طریقون سے بھی ترغیب دی جاسکتی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھین گے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ترغیب مین ایک نہ ایک اعتقاد قبل از قبل موجود رہتا ہے، جسے بجا ثابت کیا جاتا ہے، حالانکہ منطق کے معنی تو یہ ہین کہ آزادانہ اور منصفانہ کسی نتیجہ پر پہونچا جائے، سوءظن، یا حسنِ ظن کا اس مین دخل نہین ہوتا،

ہر استدلال کی غایت یہ ہوتی ہے کہ یا تو دو واقعات مین علاقہ سببیت دریافت کیا جائے، یا کسی واقعہ کی توضیح کر کے عقل یا نقل سے اُسے ثابت کیا جائے، فرض کرو تمھارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ایک موم بتی بعض حالات کے ماتحت روشن رہ سکتی ہے، اِس کا ثبوت متعدد تجربات دکھانے اور پھر دلیل استقرائی سے کام لینے سے بہت آسانی کے ساتھ فراہم ہو سکتا ہے، اِتنی بات تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ ہر منطقی اور عقلی بحث کا اصل مقصد صحیح نتیجہ تک پہونچنا ہوتا ہے نہ کہ کسی نتیجہ کا قبل از قبل تعین کر کے اوس کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ منطقی بحث کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مفروضہ نتیجہ قائم کر کے، اوس کے ثبوت کی کوشش کرتے ہین؟ لیکن پھر بھی یہ نتیجہ فرضی ہے، اگر ثابت ہو گیا تو نبھا ورنہ دوسرا مفروضہ قایم کر کے بحث کا آغاز کیا جاتا ہے، منطقی دلیلون سے مظاہر قدرت کی توجیہ یا اون کے ثبوت مین بہت کچھ مدد ملتی ہی اسلیے کہ اون مین تجربہ کا امکان ہے، مگر انسانی اُمور مین اور بالخصوص اِنسانی ترغیبات مین منطقی طریقون سے کام لینا ذرا دشوار ہے، ہم یہ نہین کہتے کہ اِنسان دلائل سے کام ہی نہین لیتا نہین، بیشک لیتا ہے، خاصکر دوسرون کے افعال کی اچھی طرح چھان بین کرتا ہے، دو ممکنہ صورتون مین سے کسی ایک کا انتخاب اون کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کے بعد کرتا ہے، دوسرون کے بتلائے ہوئے نتیجون کو بغیر کافی جرح و تحقیق کے قبول نہین کرتا، یہ سب کچھ ہے لیکن عملِ ترغیب بہ نسبت اِس منطقی طریقہ کے زیادہ عام ہے، بجائے اس کے کہ بحث کے بعد کسی عقیدہ کو صحیح یا غلط قرار دیا جاے، پہلے کسی خواہش یا اعتقاد کو تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر بحث کی جاتی ہے۔ جو بالعموم یک طرفہ ہوتی ہے، منطق اور ترغیب کے طریقون مین یہی وجہ باعثِ اختلاف ہی،

اِنسان اور انسانیت

کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے راسخ اعتقادات ہوتے ہین وہ صرف استدلال کا نتیجہ نہین ہوا کرتے، بہت سے غیر شعوری اثرات. بہت سے غیر استدلالی

اسباب اپنا عمل کرتے رہتے ہین، اور ہمارے معتقدات پر اثر ڈالتے ہین، اپنے کسی اعتقاد کو ٹٹولو اوس کا اچھی طرح جائزہ لو، تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اِس کو تسلیم کرنے کی وجہ بجز اس کے تمھارے پاس اور کچھ نہین ہی کہ تم اس کو اپنی مخفی خواہشات کے موافق پاتے ہو، یا اسکی وساطت سے تشفی جذبات کرسکتے ہو، یا ماحول اور تعلیم کے اثر کی وجہ سے یہ اعتقاد تم مین سرایت کر گیا ہے، یا یہ ہی اعتقاد تمھارے آبا و اجداد کا تھا، اور تمھارے ہمسایون کا بھی ہے، لہذا تم اسکو مانتے ہو، اب نظر انصاف سے دیکھو کہ اس اعتقاد کے تسلیم کرنے مین تم نے کس حد تک منطق اور اِستدلال سے کام لیا، کیا اب بھی تم کو یہ ماننے مین تامل ہوگا کہ اس اعتقاد کے متعلق جو کچھ عمل ترغیب ہوا خواہ خود تمھارے نفس نے تم کو ترغیب دی ہو، یا دوسرون نے، وہ تمھارے شعور سے کم و بیش باہر رہا، ترغیب ذاتی کی بنا کوئی نہ کوئی ایسی خواہش یا اعتقاد ہوتا ہے جو ہمارے لیۓ خارج از شعور رہے، بسا اوقات کُل عمل ترغیب نفس کی لاعلمی اور حالتِ بیخودی مین واقع ہوتا ہے۔ ہم صریحًا اپنے آپ کو کسی فعل کی ترغیب دیتے ہین، لیکن نفس واقِف نہین ہوتا، ہمارے شعور کی خُردہ گیر نظرین وہان تک نہین پہونچتین، مخفی جذبات اور خواہشات کی تحریک ہم کو جدھر چاہتی ہی لیجاتی ہے، یہ تو ترغیب ذاتی مین ہوتا ہے، لیکن جب ہم دوسرون کو ترغیب دیتے ہین تو اگرچہ اوس کی محرک بھی کوئی نہ کوئی اعتقاد یا خواہش ہی ہوتی ہی، تاہم یہ ہمارے شعور مین ہوتی ہے، ہمارا نفس نہ صرف اِس سے واقِف ہوتا ہے، بلکہ دیدہ و دانستہ ایک خاص ترتیب و انتظام کو مدنظر رکھکر دوسرون پر اپنی خواہش کا سکّہ جمانا چاہتا ہے، خلاصہ یہ کہ خواہ ترغیب ذاتی ہو، یا صِفاتی، ہر صورت مین اوسکا مدعا یہ ہوتا ہے، کہ اون اعتقادون اور خواہشون کو جن کو ہم بغیر ارادہ یا بالارادہ قبول کرچکے ہین اپنے نفوس سے اور دوسرون کے نفوس سے بھی منوا دیا جائے، تاکہ وہ ہمارے شریک خیال یا شریک عمل ہو جائین،

ہم نے ابتک "اعتقاد" اور "خواہش" ان دو الفاظ کا استعمال اس طرح کیا ہے گویا یہ مرادف الفاظ ہین - اگرچہ عام گفتگو مین یہ الفاظ مختلف معنی رکھتے ہین لیکن جہان تک ترغیب کے نقطہ آغاز کا تعلق ہو اُن کی حیثیت اور انکا مفہوم ایک ہی ہے جس کیفیت نفس سے ترغیب کا آغاز ہوتا ہے۔ اوس مین دو عناصر پائے جاتے ہین، ایک عنصر ذہنی ہوتا ہے اور اسے ہم لفظ اعتقاد سے تعبیر کرتے ہین، دوسرا عنصر "ذہنی" نہین بلکہ زیادہ تر **عملی** ہوتا ہے یعنی اس کا تعلق کم وبیش انسانی طرز عمل اور افعال سے ہوتا ہی، اس عملی عنصر کو "خواہش" کا نام دیا جا سکتا ہی، کہنے کو تو دونون مین مذکورہ بالا فرق ضرور ہے، لیکن ترغیب کی اساس دونون یکسان طور پر بن سکتے ہین، فرض کرو کہ ایک سیاسی مقرر ہندوستان مین سوراج کے مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہے. اور لوگون کو اُس کے حصول کے لیے "آئینی جدوجہد" کی تلقین کر رہا ہے، اِس کی ترغیب کی اساس جو شے ہے اُسے خواہش یا اعتقاد دونون نام دیئے جا سکتے ہین، اِس کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کو سوراج ملنا چاہیئے، نیز اس کی خواہش ہی کہ ہندوستان کو سوراج ملجائے، دونون کے دونون یکسان طور پر ہمارے مقرر کے دلائل کا سرچشمہ بن سکتے ہین، دونون مین مخاطبین کے کسی آیندہ طرز عمل یعنی آئینی جدوجہد کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، مقرر کا منشا یہ ہے کہ اپنے سامعین کو اس طرز عمل کی پیروی کرنے کی ترغیب دے،

ترغیب کا اثر اعمال افعال انسانی پر

مسئلہ ترغیب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین طرز عمل، اور افعال انسانی سے کم وبیش بحث ضرور ہوتی ہی، مثال کے طور پر مہاتما گاندھی کے ترک موالات کی تحریک کو لو، اونھون نے نہایت غور وخوض کے بعد، یا کسی ہمدردانہ جذبہ کی تحریک سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہمارے قومی تمول اور ترقی کے لیئے اگر کوئی آلہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے تو ترک موالات ہے، اس اعتقاد سے آغاز کرکے اونھون نے "ترغیب" یا اصطلاحی زبان مین کار تبلیغ واشاعت شروع کیا اور ایک شخص مسمی زید کو ترغیب دی کہ ترک موالات ضروری ہے، اب اگر ہمارا فرضی زید مہاتما گاندھی کی موجودگی

مین اپنے کو ترک موالات کا حامی ظاہر کرے، اور اُسی روز اپنے بچون کے لیئے ولائتی کپڑا خریدے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتماجی کی ترغیب کامیاب ہوئی؟ ہرگز نہین، اگر ترغیب کامیاب ہوتی تو زید کے طرزِ عمل مین بھی کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور پیدا ہوتی اچھا اب فرض کرو کہ مہاتماجی کی تقریر نے زید کی قوت متخیلہ پر قبضہ پالیا ہے ان کے طرز بیان نے اس کے جذبات پر اثر کیا، اور اون کے استدلال نے اُسے اون کی تجویز کی معقولیت کا قائل کر دیا، اب زید کی کیا کیفیت ہوگی، دیکھو وہ ولائتی کپڑے کی دوکان کی طرف جا رہا ہے ارادہ ہے کہ کچھ کپڑا خریدے، جا تو رہا ہے لیکن دل مین خیالات کا ہجوم ہے، مہاتماجی کے یہ الفاظ:-

"بھائیو اپنے دیس کا کپڑا خریدو، اِس سے تمھارے غریب بھائیون کا بھلا ہوگا، تمھاری قومی دولت تمھارے ہی دیس مین رہیگی"

اوس کے کانون مین گونج رہے ہین، اِن خیالات نے زید پر اثر کیا اور وہ دفعتہً رک گیا کچھ دیر سوچتا رہا، اور پھر واپس لوٹ آیا، اب البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتماجی کی ترغیب موثر ہوئی، کیونکہ نہ صرف زید کا اعتقاد یا اوس کی خواہش بلکہ اوس کے طرزِ عمل اور افعال پر بھی اثر ہوا،

ترغیب مین طرزِ عمل پر اثر کرنے کی ایک خاص صفت ہی، اسی وجہ سے مسئلۂ ترغیب کی اہمیت بہت کچھ ہے اور اپنے ابنائے ملک و وطن کو باطل ترغیبون کے مُضر اثرات سے بچانا یا اون کو اچھے طرزِ عمل کی پیروی کی ترغیب دینا ہر وطن خواہ کا فرض ہے،

ترغیب کے عناصر ترکیبی (۱) جذبات وجدانات کا عمل، **ہماری ترغیب کی** اساسی خواہشات اور اعتقادات اور مستقبل کے طرزِ عمل کا ہیولیٰ قائم کرنا یہ فطرت انسانی کے جذبی عناصر پر منحصر ہے جملہ محرکات عمل کی تہ مین کسی نہ کسی جبلی خاصہ، جذبہ، یا جوش کا پایا جانا لازمی ہی، یہ اندرونی قوتین ہماری ترغیب کو قوت پہونچاتی ہین اور ہمین ایک خاص طرزِ عمل کی طرف لیجاتی ہین، ہم ہرگز

کسی ایسے اعتقاد یا خواہش کو قبول نہین کر سکتے، نہ کسی ایسے طرز عمل کی پیروی کر سکتے ہین جو ہمارے جذبات کا ہم آہنگ نہ ہو، ایک شخص دوران جنگ مین اپنی خدمات فوج مین پیش کرتا ہے، ہمارے دوست کی اس خواہش کو خدا معلوم کون کون سے جذبات تحریک دے رہے ہون، ممکن ہے کہ ایک بدمزاج بیوی سے پیچھا چھڑانے اور "چند روز اطمینان کی زندگی" بسر کرنے کے شوق مین اس نے وطن چھوڑنا گوارا کیا ہو، ممکن ہے کہ نام آوری اور اپنے ہم چشمون مین ممتاز حیثیت رکھنے کے شوق نے اس کو آمادہ کیا ہو، یا اس کے دل مین سیر و سیاحت کا خیال جاگزین ہوا ہو، ہو سکتا ہے کہ مذکورۂ بالا صورتون مین سے کوئی بھی نہ ہو، بلکہ خالص جذبۂ حب الوطنی سے متاثر ہو کر یا ادائیگی فرائض انسانی کے جوش مین اس نے فوجی ملازمت کی نیت کی ہو، بہرحال کوئی بھی صورت کیون نہ ہو، اس خواہش کی تکمیل کے لیئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ علاوہ ذہنی اور خارجی اثرات کے اسکے دل پر کوئی نہ کوئی جذبی تحریک مسلط ہونی چاہیئے، خواہ اوس کی قوت محرکہ کم ہو یا زیادہ، اس کی موجودگی لازمی ہے، ترغیب کی کامیابی کا جذبی تحریکات پر یہ لازمی انحصار، اوس مین اور منطق مین ایک اور اختلاف کا بھی پتہ دیتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ منطق مین جذبات کا شائبہ قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ترغیب مین اسکی موجودگی ضروریات مین سے ہے،

ترغیب اور منطق مین بادی النظر مین تھوڑی سی مشابہت بھی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ دونون مین فیصلون کا وجود ہوتا ہے، غور سے دیکھا جائے تو یہ مشابہت بھی محض سطحی ہے حقیقی نہین، اسلیئے کہ دونون کے فیصلون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، منطق کے فیصلے باہم مربوط، توالی و تواتر لیئے ہوئے ہوتے ہین، برخلاف اسکے ترغیب کے نام نہاد فیصلون مین توالی و تواتر تو درکنار باہمی ربط کا پتہ بھی نہین ہوتا، اگر اون مین یہ صلاحیت ہو کہ ہمارے

پیش از پیش قرار دادہ نتیجہ تک ہم کو پہونچا دین، تو وہ قابل قبول خیال کیئے جاتے ہین، خواہ ایک فیصلہ دوسرے سے متضاد ہی کیون نہ ہو، اگر یہ صلاحیت نہو، تو اونھین رد کر دیا جاتا ہے، غرضکہ ترغیب مین فیصلے یک طرفہ ہوتے ہین، فریق ثانی کی آواز پر خواہ وہ کتنی ہی منصفانہ کیون نہو کان نہین دھرے جاتے۔ ع

راحت مین جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

ہم ذیل مین ترغیب ذاتی، کی ایک مثال درج کرتے ہین جس سے فیصلون کا یک طرفہ عمل اچھی طرح سے ظاہر ہو جاتا ہے،

"انگلستان کے ایک مشہور اخبار نے کسی عورت کا قصہ لکھا تھا جس پر دھوکہ دینے کے الزام مین مقدمہ چلایا گیا تھا، واقعہ یہ تھا کہ اس عورت کی چند نوجوان فوجی افسرون سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی اور اب اُس کو یہ فکر ہوئی کہ اِن لوگون سے ربط وضبط بڑھائے تاکہ سوسائٹی مین شہرت حاصل ہو، چونکہ روپیہ کی طرف سے عاجز تھی اور اچھا لباس اِس قِسم کی ملاقاتون کے لیئے ضروری تھا، اسلیئے ترکیب یہ سوچی گئی کہ چند مشہور دوکانون مین جاکر اپنے آپ کو سر برآوردہ لوگون کا رشتہ دار ظاہر کیا جائے اور قرض سامان وصول کیا جائے، چند روز اس طرح کام چلتا رہا، بالآخر جب دوکاندارون نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ معزز لوگون سے رشتہ تو درکنار یہ عورت ان سے تعارف بھی نہین رکھتی، بالآخر فریب دہی اور دغا کے الزام مین گرفتار ہوئی"،

اِس مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ اِس عورت نے جو ترغیب اپنے نفس کو جھوٹ اور دھوکہ دینے کی دی، اوس کا آغاز اِس اعتقاد سے ہوا کہ "فوجی افسرون سے دوستی قائم رکھنے کے لیئے اچھا لباس ناگزیر ہے"، خود اوس عورت نے جو بیان عدالت کے روبرو دیا اوسمین ظاہر کیا کہ "گذشتہ دو ہفتون سے میرا تعارف چند فوجی افسرون سے ہے اور اِس تعارف کو

بڑھانے کے لئے مین نے اچھا لباس حاصل کرنے کی خواہش کی،، سب سے زیادہ توجہ طلب بات
اِس مثال مین یہ ہے کہ جیسے ہی یہ اعتقاد اِس کے دماغ مین جاگزین ہوا اور "خود ترغیبی" کا آغاز
ہوا ویسے ہی اسکے شعور نے ہر اس خیال کو جو کسی طرح بھی اِس مقصد کے حصول مین حائل ہوتا
ہٹانا شروع کیا اور صرف وہی دلائل اور فیصلے قبول کیے گئے جو تشفی جذبات کے مخالف نہ تھے

یہ تو خیر خود ترغیبی کی مثال ہوئی، دوسرون کو جو ترغیب دیجاتی ہے، اوس مین بھی
یہی عمل ظہور پذیر ہوتا ہے، ہر مقرر جس کا مقصد لوگون کو ترغیب دینا ہوتا ہے، اِس قسم کے
فیصلون سے کام لیتا ہے، اور اون مین صرف اوسی حد تک باہمی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے
جہانتک کہ وہ مقصد بر آری مین مفید ثابت ہون، یہی وجہ ہے کہ اون حضرات کی ترغیبانہ تقریرین
جو اپنے آپ کو مُبلّغ کہتے ہین خواہ بظاہر کتنی ہی متین اور سنجیدہ کیون نہ ہون لیکن پھر بھی ایسے
دلائل رکھتی ہین جو تشفی جذبات تو کر سکتے ہین لیکن کسی منطقی اِستدلال کی تاب نہین لا سکتے
اگر تمھاری ترغیب کا منشا یہ ہے کہ تمھارے مخاطب تمھارے حسب خواہش عمل کرین تو اوس
وقت تک یہ ترغیب کارگر نہین ہوسکتی، جبتک کہ یہ مجوزہ فعل اُن حضرات کے جذبات کی تشفی
نہ کر سکے، جن فیصلون سے عمل ترغیب مین کام لیا جاتا ہے وہ یا تو رغبت و رضامندی کے
مظہر ہوتے ہین، یا ناراضی کے، اگر ہمارا فیصلہ اظہار رضامندی کر رہا ہے تو یقیناً اُس کی تہ مین
تعریف، احسان، عزت، خودداری، حُب الوطنی یا اسی قبیل کے دیگر جذبات پائے جائین گے
برخلاف اِس کے ایسے فیصلون کی تہ مین جو ناراضی کے مظہر ہین، ندامت، ملامت، نفرت،
غصّہ یا خوف وغیرہ کا لگاؤ پایا جائیگا، ابتک ہماری بحث اون جذبات سے رہی ہے جو محرک
ترغیب ہوتے ہین، اب دیکھنا یہ ہے کہ وجدانات مین یہ صلاحیت کہانتک پائی جاتی ہی،

وجدان اور عملِ ترغیب، **جذبات اور وجدانات** مین نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے یہ فرق ہی

کہ اول الذکر ہمارے اون العامات فطری کا نتیجہ ہین جن کا تعلق استیثار یا ایثار سے ہوتا ہے
ان کا دورہ بہت تھوڑی مدت تک رہتا ہے، اور اُنکے اثرات عارضی ہوتے ہین۔ جذبات
کی تحریک فوری ہوتی اور بہت کچھ پُر زور بھی، لیکن ان کی قوت بہت جلد زائل ہوجاتی ہے
اور اسی وجہ سے ان کی تحریک سے جو افعال سرزد ہوتے ہین، اون مین قیام، ارادہ، اور تنظیم کا
وجود نہین ہوتا، ترغیب کا اثر جذبات کے لیئے بانگ جرس کا حکم رکھتا ہے، اور خوف، غصہ، نفرت
استعجاب، محکومیت، حکومت، توصیف، دہشت، عظمت، کراہیت، تنفر، غرضکہ تمام جذبات
کی فوج خفتہ ترغیب کی تحریک پاکر کمربستہ ہوجاتی ہے اور ہمارے عقیدون، خواہشون،
اور افعال کو اپنے زیرنگین کرنے اور اس طرح ترغیب کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتی ہے
وجدان مختلف جذبات کے منتظم مجموعہ کا نام ہے، اور آتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مختلف جذبات
انفرادی طور پر اتنے زبردست محرک نہین بن سکتے جتنے کہ اوس حالت مین ہوتے ہین، جب
یہ سب کے سب کسی وجدان کے حلقہ مین ایک خاص نظام ترکیبی کے ساتھ موجود ہون، اور
ان مین تنظیم و ترتیب پائی جائے ذیل کی مثال سے جذبہ اور وجدان کی اہمیت ظاہر ہوجائیگی:۔

فرض کرو ایک مقرر کسی مجمع کے رُوبرو جنگ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور لوگون کو
ترغیب دے رہا ہے کہ مُلک اور بادشاہ کی حفاظت کے لیئے اپنی اپنی خدمات بحیثیت رضاکار
پیش کرین، مقرر کی اس ترغیب کی بنیاد حُبُ الوطنی ہے، اور اِس وجدان سے مدد لیکر وہ سامعین کو
اپنے حسب منشا عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چونکہ وجدان حُبُ الوطنی مین بہت سے جذبات
مجتمع ہین لہٰذا ہمارا مقرر مختلف طریقون سے ترغیب دیسکتا ہے، اپنے سامعین کے سامنے یہ
بیان کرے کہ "دشمن کی قوت زبردست ہے، وہ ہمین فتح کرنے کی قدرت رکھتا ہے، ہمارے
پاس اوس کے مقابلہ کے لیئے فوج نہین اور جبتک آپ لوگ مدد نہ دین انجام شکست و تباہی ہے،"

وہ اون کے خوف اور تردد کے جذبات کو بیدار کر سکتا ہے، کبھی یہ کہکر "دشمن نے ہماری عورتون کی عصمت دری کی، ہمارے بچون کو تہ تیغ کیا..... " وہ سامعین کے جذبات رحم، نفرت، ملامت اور دہشت کو برانگیختہ کر سکتا ہے، کبھی اس طرح اپیل کر کے "کیا آپ لوگ دشمن کو بغیر انتقام لیے چھوڑ دینگے، کیا ہماری تباہ شدہ کھیتیان، مسمار عمارات، یہ سب بغیر بدلہ کے رہینگے" وہ غصہ ورانتقام کے جذبات کو اشتعال دیسکتا ہے، کبھی اسلاف کی شاندار روایات یا دیگر اقوام کے کارنامہ سنا کر وہ جذبۂ غیرت اور خودداری کو جوش مین لاتا ہے، اب دیکھو کہ مذکورہ بالا نو جذبات مین سے ہر ایک فرداً فرداً ہمارے مقرر کے حسب خواہش طرز عمل کا محرک بن سکتا ہے، لیکن جب یہ ہی گوناگون جذبات کسی ایسے وجدان (حُبّ الوطنی) کے اجزائے ترکیبی ہوتے ہین جو سالہا سال بلکہ صدیون کی سماجی زندگی کا نتیجہ ہے تو اون کی مشترکہ قوت بہت کچھ ہوجاتی ہے، اون اعتقادات کی جو زمانہ کے اثر سے پختہ ہو کر روایات بن گئے ہین، اہمیت عمل ترغیب مین بہت زیادہ ہے، اور ضم شدہ جذبات اِن انفرادی جذبات سے کہین زیادہ موثر ہوتے ہین جو آندھی بگولے کی طرح اُٹھتے ہین، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اپنی قوت سے خود ہی فنا ہو جاتے ہین،

جذبات اور وجدان کی ترغیب مین جداگانہ اہمیّت ہے، لیکن سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ خواہ جذبہ ہو، یا وجدان یا اور کوئی اندرونی محرک، ترغیب مین جذبی عنصر لازماً پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کا محل ظہور اور اِس کی ظاہری حیثیت کچھ ہی کیون نہ ہو، یہ جذبی عنصر کبھی "الہام فطری" کہلاتا ہے، کبھی "رجحان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کبھی اپنے اصلی لباس مین بحیثیت جذبہ کے نمودار ہوتا ہے، کبھی وجدان مین نظر آتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

غرض یہ کہ اوسکا پایا جانا ضروریات مین سے ہے اور اگر عمل ترغیب کو صورت مانین تو یہ اوس کا

ہیولی ہے، چراغ فرض کرین تو اوس کا نور ہے، سائنس خیال کرین تو یہ اسکی اولیات مین سے ہے،

ترغیب کا دوسرا عنصر ذہن کا عمل، **ابتک ہم نے عمل ترغیب مین جذبہ کے وجود سے بحث** کی ہے، لیکن عنصر جذبی کا وجود عنصر ذہنی کے عدم کو مستلزم نہین ہے، اور یہ قیاس کرنا کہ ترغیب مین کسی ذہنی عنصر کا وجود نہین ہوتا، غلطی ہوگی، ہم بتا چکے ہین کہ ترغیب کے فیصلے مظہر رضامندی یا رغبت ہوتے ہین، یہ کہنا ہی اون مین عنصر ذہنی کے شائبہ کا پتہ دیتا ہے، آیندہ سطور مین اس عنصر سے بحث کیجائیگی، اور عمل ترغیب مین اس کا حصہ دیکھا جائے گا، پہلے اوس کے وجود کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے،

مذہبی واعظون کی ترغیب مین موجودہ "لامذہبی اور بدکرداری" کی درستی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تارکین موالات کی ترغیب مین ہندوستان کی موجودہ "غلامی اور مفلسی" کا تصور موجود ہوتا ہے، تارکِ منشیات کی ترغیب مین شراب کے مضر اثرات، کا خیال مضمر ہوتا ہی، غرضکہ ہر خواہش یا اعتقاد مین جو ترغیب کی اساس بنتا ہے کسی موجودہ صورت حالات کا ذہنی تصور ضرور موجود ہوتا ہے جس کو کہ ترغیب دہندہ اپنی ترغیب کے ذریعہ سے بدلوانا چاہتا ہے، اگر یہ ذہنی تصور واضح اور روشن ہے، تو ترغیب بھی واضح اور مؤثر ہوگی، برخلاف اِس کے اگر ترغیب دینے والے کے ذہن مین موجودہ حالت کا تصور مبہم اور گنجلک ہے، تو اُس کی ترغیب بھی اُسی اعتبار سے مبہم اور پیچیدہ ہوگی، گویا کہ ترغیب کی کامیابی بلکہ اوس کے آغاز کا انحصار صورتِ حالات کے صاف اور واضح ذہنی تصور پر ہی، دوسرے لفظون مین یہ کہو کہ عنصر ذہنی کا پایا جانا ضروری ہی، جہان یہ تصور مکمل نہین ہوتا وہان ترغیب بھی زیادہ کامیاب نہین ہوتی، کیا ایک ایسے شخص کی ترغیب جس کے ذہن مین بائیسکوپ کے مضر اثرات کا تصور تک نہین ہے، ہم کو بائیسکوپ دیکھنے سے روک سکتی ہے؟ یا ایک ایسے تنگ نظر مبلغ کی ترغیب جس نے صرف ایک شب تھیٹر دیکھکر

اِس کو مذموم اور مخرب اخلاق قرار دے دیا ہو واضح اور مفصل ہو سکتی ہے؛ ہمارا خیال ہے کہ اِن دونون صورتون مین ترغیب کی کامیابی ذرا دشوار ہے، اگر یہ مؤثر ہو بھی، تو محض اُن اصحاب کے لیئے جو پہلے سے اِن حضرات کے ہمخیال ہین اور اُن کی ہر بات پر آمنّا وصدقنا کہتے ہین،

خود ترغیبی چونکہ ایک موضوعی عمل ہے (Subjective ness)

اسلیئے اس مین صورت حالات کا ذہنی تصور، درک، کی صورت مین ہوتا ہے، یعنی مین خود کسی حالت کو سمجھ کر اپنے نفس کو ترغیب دیتا ہون، دوسرون کو جو ترغیب دیجاتی ہے اُسمین یہی کام "احضار" (Presentation) یا گفتگو سے لیا جاتا ہے تاکہ اونکو بھی درک دلایا جاسکے، یہ تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ احضار واقعات کے لیئے عنصر ذہنی کی موجودگی لازمی ہے، بیان یا گفتگو کا ترغیب مین اہم حصہ ہے، اس کے کرشمے خاص طور پر عدالتون مین دیکھنے مین آتے ہین - وکلا کی بحث ترغیب کا آلہ ہوتی ہ، جو خوبیان کسی فاضل وکیل کے بیان مین پائی جاتی ہین؛ جامعیت، صحت، تناسب، تسلسل واقعات اور رابطہ خیالات ہین ایک قابل ایڈوکیٹ اپنی تقریر مین اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ مقدمہ کے تمام اہم واقعات بیان کر دیئے جائین، کسی ضروری واقعہ کا اخفا بعض اوقات ناکامی کا باعث بھی ہو جاتا ہے پھر واقعات کی تفصیل کا ہونا بھی ضروری ہے، ظاہر ہے کہ مقدمات جرائم مین جبتک کہ واقعات کا بیان بلحاظ موقع و وقتِ واردات بے کم و کاست نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ استدلال ناقابل قبول ہو، اور مقدمہ کا فیصلہ مخالف ہو، مختلف واقعات مین صحیح تناسب کا لحاظ بھی ضروری ہی اہم واقعات پر زور دینا ہوتا ہے، بیان مین ترتیب و تواتر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اب غور کرو تو یہ سب باتین فی الحقیقت ذہن سے متعلق ہین اور ہر عمل ترغیب مین ان کا کم و بیش وجود ضرور ہوتا ہے، اِس سے عنصر ذہنی کی ترغیب کے عمل مین موجودگی لازماً ثابت ہوتی ہ،

مذکورۂ بالا صورتون کے علاوہ یہ عنصر ذہنی کبھی استنباطات کی شکل مین بھی ظاہر ہوتا ہے، جب تکمیل مقصد کی دو پیش نظر صورتون مین سے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے، مثال کے طور پر فرض کرو میری صحت خراب ہوتی جارہی ہے اور مین اوس کی ترقی کی کوشش کرتا ہون، بحالی صحت کے لیئے میرے سامنے دو تجویزین ہین اولا یہ کہ مین کالج سے تعطیل لیکر دیہات چلا جاؤن، ثانیاً یہ کہ مین کسی مقامی طبیب سے رجوع کرون، اب مین دونون صورتون مین سے اسی کا انتخاب کرون گا جس مین میرے مقصد بحالی صحت کی تکمیل کی زیادہ صلاحیت ہو، چنانچہ مین استنباط عقلی سے کام لیکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہون چونکہ مین ضرورت سے زیادہ ٹینس کھیلتا ہون اور کھلے میدان مین ورزش کرتا ہون لہذا میری صحت خراب ہوگئی ہے اور مین کسی مقامی طبیب سے علاج کراؤن گا، ظاہر ہے کہ میری اس ترغیب ذاتی مین استنباط عقلی سے کام لیا گیا اگر بجائے اِس صورت کے دوسری کا انتخاب کیا جاتا تو بھی یہی ہوتا، ترغیب مین عنصر ذہنی کی موجودگی کا یہ دوسرا ثبوت ہی،

دوسرون کی ترغیب مین بھی یہی ذہنی عنصر پایا جاتا ہے، ہم وکیلون کی تقریر کو مثالاً پیش کر چکے ہین، کوئی سی مثال بھی ترغیب لفظی (تحریری یا تقریری) کی لو، اُس مین استقرائی و استخراجی دلائل نظر آئینگے، تمثیلات، توالی وتواتر، علاقۂ سببیت کا وجود بھی اکثر ہوگا، یہ سب چیزین استدلال سے متعلق ہین،

اِس موقع پر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ترغیب کی ظاہرا منطقی ترتیب، توالی وتواتر وغیرہ کے متعلق پہلے کہہ چکے ہین کہ انکا استعمال محض سطحی ہوتا ہے، اور تشفی جذبات کی صلاحیت پر اون کے قبول اور رد کا انحصار ہوتا ہے، اِس کی کیا وجہ ہے کہ ترک منشیات کی ترغیب انگلستان کی آبادی کے ایک حصہ کو منطقی نظر آتی ہے، اِن مین جن دلائل سے کام لیا گیا ہے وہ بھی کل وجز تشفی بخش نظر

آتے ہین لیکن وہی ترغیب آبادی کے دوسرے حصہ کو غیر استدلالی بلکہ مہمل معلوم ہوتی ہے، وہی ایک شخص جب ایک مجمع کے سامنے شراب کی خرابیان بتاتا ہے تو لوگ اُس کی باتون کو قبول کرتے ہین اور شراب سے توبہ کرتے ہین، لیکن دوسرے موقع پر اسی مقرر پر حملہ کیا جاتا ہے اور اسے زدوکوب کیا جاتا ہے، چنانچہ ترکِ شراب کی تحریک کے بانی ڈاکٹر "لیسی فٹ"، جانسن کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو کہا نہین جاسکتا کہ ان دو فریقون کی سمجھ اور غلطیون مین بہت کچھ اختلاف ہے، پھر کیا سبب ہے؟ محض یہ کہ بحث کی ایک اہم کڑی (یعنی ترک منشیات کی جذبات سے ہم نوائی) فریق اوّل کو صاف نظر آتی ہے لیکن فریق دوم کی نظرون مین اس کڑی کا وجود نہین اور اسلیئے اون کو بحث غیر منطقی اور غیر استدلالی معلوم ہوتی ہے،

جذبہ اور ذہن کا باہمی تعلق، **ترغیب** کے اِن دونون عناصر ترکیبیہ (ذہنی وجذبی) کا عمل علیحدہ علیحدہ نہین ہوتا، اصلیت یہ ہے کہ دونون ایک دوسرے مین ضم ہوجاتے ہین، اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہی عُنصر جذبی کا اثر عنصر ذہنی پر یہ ہوتا ہے، کہ جذبہ اپنی تشفی کے لیئے استدلال کو قابو مین کرلیتا ہے، اور اس سے وہ ہی فیصلے صادر کراتا ہے جو اس کے ہم آہنگ ہون، (اس کی مثال انگلستان کی ایک عورت کے رویہ سے دیکھا چکی ہی) اس طرح سے ذہن کا اثر بھی جذبات پر ہوتا ہے، مثلاً خوش اسلوبی سے کسی نقطۂ خیال کا بیان کرکے فصاحت اور وضاحت سے اپنے حسب منشا ترغیب دیکر، ہم دوسرون کے جذبات کو اپنا ہم نوا بنالیتے ہین، اِس کی مثال آجکل ہندوستان مین کثرت سے نظر آتی ہے، استدلال سے ہمین اپنے جذبات پر قابو پانے مین بھی بڑی مدد ملتی ہے، یہ اِس طرح سے کہ ایک جذبہ کی مخالفت مین استدلال، دوسرا قوی تر جذبہ کھڑا کردیتا ہے، اور اول الذکر کے اثر کو زائل کردیتا ہے، مثلاً جذبۂ غضب سے متاثر ہوکر ہم خود کو اپنے دشمن کے قتل کرنے کی ترغیب دیتے ہین، لیکن استدلال اِس جذبہ کی مخالفت مین جذبۂ خوف کو سامنے لاکر کھڑا کردیتا ہے، اور قتل کے نتائج (یعنی پھانسی پانا) سے خوف زدہ ہوکر غضب کا

جذبہ دب جاتا ہے، استدلال ایک دوسرا طریقہ بھی جذبۂ غضب کو توڑنے کا استعمال کر سکتا ہے، اور وہ
یہ ہے کہ شخص مغضوب کو قابل عزت و توقیر ثابت کر دے، اور اِس طرح یہ جذبہ اوس کی ذات سے منتقل کر دیا
جاتا ہے، اِس کی مثال لارڈ چیتھم (Lord Chatham) کی تقریر سے ملتی ہے، جب جنگ
آزادی امریکہ کے زمانہ مین انگلستان کی پارلیمنٹ مین امریکہ کے خلاف غصہ و غضب کے جذبات موج
زن تھے، اور مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ باغیون کی سرکوبی کے لیئے ممالک غیر سے فوجی مدد مانگی جائے، تو لارڈ موصوف
نے جو صلح کی پالیسی کے موید تھے، اپنے سامعین کے قلوب پر اول تو انگلستان کی شکست کی خیالی تصویر
کھینچ کر خوف کا جذبہ طاری کیا اور پھر حسب ذیل الفاظ مین اونکو جنگ سے باز رکھنے اور دول خارجہ
سے فوجی امداد مانگنے کی ترغیب دی:-

"امریکی نوآبادیات اپنی آزادی کے لیئے برسرپیکار ہین "آزادی" ہر شخص کا فطری حق ہی، ہمین انکی
حب الوطنی کی قدر کرنی چاہیئے، اور اونکی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیے"

ترغیب کے تیسرے عنصر تخیلہ کا عمل

جذبی اور ذہنی عناصر کے علاوہ جو ابتک ہماری بحث کا مرکز
رہے ہین ایک تیسرا عنصر بھی عمل ترغیب مین شریک ہے اور وہ تخیل ہے، یہ تخیلی عنصر بقیہ دو سے بہت
کچھ مربوط ہے اور اپنے اثر سے کبھی تو عنصر ذہنی کے عمل یعنی درک حالات کو بدل ڈالتا ہے، اور کبھی
اپنی اختراعی خصوصیت سے کام لیکر عنصر جذبی کو متاثر کرکے جذبات کی قوت کو گھٹاتا بڑھاتا ہے،
ہر خواہش یا اعتقاد جس سے عمل ترغیب کا آغاز ہوتا ہے، جہان ایک طرف جذبات کی ہمنوائی
حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف درک حالات سے مدد لیتا ہے، وہان تیسری طرف وہ بالخاصہ ہمارے
دماغ مین اپنے مناسب حال خیالی تصویرین پیدا کرتا ہے، ہمارا فرضی زید جو مہاتما گاندھی کی ترغیب کی وجہ سے تارک
موالات ہوگیا ہے۔ اپنی متخیلہ سے کام لیکر اپنے دماغ کے سامنے ملک کی موجودہ عسرت و فلاکت کا
خیالی نقشہ لاکر، یا حصول سوراج کی صورت مین ملک کی آیندہ سرسبزی، خوشحالی اور آزادی کی

خوشنما تصویر اپنی متخیلہ کی بدولت کھینچکر اپنے عقیدہ کو اور پر زور بنا سکتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ شد و مد کے ساتھ ترک موالات کا حامی ہو جاتا ہے، اسی طرح سے اگر کوئی شخص تمھین نیک افعال کی تلقین کرے اور دوسرا تلقین کے ساتھ ساتھ اوس حالت کا ایک خوشنما خاکہ بھی کھینچدے جو تلقین پر عمل کرنے کی صورت مین ظاہر ہوگی تو یقیناً تمھارے دل پر موخر الذکر کی ترغیب کا اثر بہ نسبت پہلے شخص کے زیادہ ہوگا، اس کی وجہ یہی ہے کہ دوسرے شخص نے عنصر تخیلی سے بھی کام لیا، جو لوگ قرآن حکیم کی مادّی مثالون پر اعتراض کرتے ہین وہ افعال نیک کی تشویق و ترغیب مین تخیل کے اس اہم اثر کو نظر انداز کر دیتے ہین۔ تخیل کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اوس کی وساطت سے خواہشات اور اعتقادات قوی تر بن جاتے ہین،

ہر اعتقاد نہ صرف اپنی مناسب حال خیالی تصویرین دماغ کے سامنے لاتا ہے بلکہ اِسکا ایک اور خاصہ یہ بھی ہے کہ ان تخیلات کا جو اسکے مخالف ہون شعور کے سامنے گذر بھی نہین ہونے دیتا، فرض کرو کہ ہمارا زید ترک موالات کے سلسلہ مین ترک لہو و لعب کا بھی حامی ہے، کیا تمھارا خیال ہے کہ اوس کے تخیل مین کسی ایسے متوسط الحال خاندان کی تصویر کا گذر ہوگا جو دن بھر محنت مزدوری کرتا ہے، اور روزانہ شب کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لیئے بائیسکوپ جا کر جائز طور سے اپنا دل بہلاتا ہے، مگر زید کا اعتقاد ترک لہو و لعب، اور اسی باعث ترک بائیسکوپ کا موید ہے، لہذا اول تو یہ تخیل اسکے دماغ مین آئے ہی گا نہین اور اگر آئے گا تو فوراً ہی خارج کر دیا جائے گا، بہ نسبت مذکورۂ بالا تخیل کے زید کے لیئے اوس خاندان کی خیالی تصویر کھینچنا آسان ہوگا جو شاید بائیسکوپ کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہے یا جس کے افراد بائیسکوپ سے چوری ڈاکہ وغیرہ کا سبق سیکھ گئے ہین، کیونکہ یہ تصویر اُس کے اعتقاد کے حسب حال اور اسے قوت پہونچانے والی ہے،

تخیل کے اقسام استحضاری اور ترکیبی ہین تخیل استحضاری ایک مرتبہ دیکھی ہوئی چیزون کو ہمارے نفس کے سامنے پیش کرتا ہے مثلاً مین آنکھ بند کرکے اپنے دوست کے کمرہ ملاقات کا تصور کرتا ہون تخیل ترکیبی، گذشتہ اور موجودہ کو ملاکر مستقبل کی تصاویر کا نقشہ کھینچ سکتا ہے، متخیلہ کے اس خاصہ سے ترغیب مین بہت کچھ مدد لیجاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ ترغیب دہندہ اس کی مدد سے اپنے سامعین کے سامنے ایک خیالی تصویر ان حالات کی کھینچ دیتا ہے، جو اس کی رائے پر عمل کرنے کی صورت مین ظاہر ہونگے اور اس خیالی تصویر کی مدد سے اپنی ترغیب کو کامیاب بناتا ہے، ذیل کے اقتباس سے اس کی مثال ملتی ہے، یہ اقتباس لارڈ بروگھم کی اس تقریر کا ہے، جو صاحب موصوف نے دارالامرا مین ۲۰ فروری ۱۸۳۸ء کو "انسداد رسم غلامی،، کے متعلق کی تھی، مقرر صاحب انسداد رسم غلامی کے خوشگوار نتائج کی خیالی تصویر ان الفاظ مین کھینچتے ہین:-

"**جون ہی** کہ یہ مژدۂ فرحت اثر (کہ رسم غلامی موقوف ہوگئی) دنیا کے ہر گوشہ مین پہونچے گا، ایک نئے اور خوشنما مستقبل کا نظارہ دنیا کے پیش نظر ہو جائے گا، کتنے ہی پژمردہ قلوب جو انسان کے انسانون پر مظالم دیکھکر رنجور تھے، موسم بہار کے غنچون کی طرح کھل جائین گے، جہان کل کسی بیرحم آقا کے تازیانہ کی کرخت آواز اور اوس کا درشت لب ولہجہ اور مظلومین کی آہ وبکا کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھا، وہان آزادی اور امن وامان کے شادیانون سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیگی، بدقسمت افراد انسانی کے طوق وسلاسل کی جھنکارین بند ہوجائینگی، حرمان نصیب غلامون کے اعضا زنجیر ورسن کی سخت گیریون سے نجات پائینگے، زمانہ کا شفیق ہاتھ رفتہ رفتہ اون کے جسمون سے غلامی کے داغ دور کردے گا، جملہ اقوام انسانی، بلا قید رنگ و مذہب ترقی کی دوڑ مین برابر کا حصہ لین گی، قدرت کا دست فیاض ان سرزمینون پر جو پہلے کسی حکومت پسند

انکے جور وتعدی اور اس کے کوڑون کی مار کی بدولت کاشت کی جاتی تھین اپنے خزانہ کے زرد
جواہر برسائیگا اور وہ زمین اب محنت اور مزدوری کے شیدائیون کے پسینہ سے سینچی جائیگی،
امراء کے عالیشان محلون مین، دیہات کی لہلہاتی ہوئی کھیتیون مین، شہر کی سڑکون مین، زرخیز
وادیون مین غرضکہ تمام عالم مین امن وامان فرحت وانبساط کی یکسان حکمرانی ہوگی، حضرات!
عالمگیر خوشحالی اور تمدن کی یہ خوشنما تصویرین آپ کے قلب کو متاثر نہین کرتین ...... الخ"

اِس قسم کے تخیل ترکیبی کا اثر (جس کی مثال ابھی ابھی دیجا چکی ہے) عمل ترغیب پر
بہت کچھ ہوتا ہے، گذشتہ وموجودہ حالات کی روشنی مین ہم تخیل کی مدد سے مستقبل کی تصویر
کھینچتے ہین، حسب موقع اون مین اُمید وبیم خوف وہراس کی رنگ آمیزیان کرتے ہین اور
ان خیالی خاکون کو اپنے پیش نظر رکھکر ایسی تدبیرین سوچتے ہین جو ماضی یا حال سے بہتر صورت
حالات پیدا کرسکین، کتابون اور تقریرون مین جتنی ترغیب کی مثالین نظر آتی ہین، اون مین سے
اکثر متخیلہ کی اس صفت ترکیبی سے متصف نظر آتی ہین، ناظرین اور سامعین کے سامنے ماضی
وحال، اور مستقبل کے جامع اور معنی خیز نظارے پیش کیے جاتے ہین۔ دور تک پہونچنے والے
اثرات کا ورک دلایا جاتا ہے، اور "علت موجودہ" اور "معلول بعید" مین رشتہ قایم کیا جاتا ہے،

جس طرح کہ جذبات اور ذہن ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہین اور ایک سے دوسرے
کو مدد ملتی ہی، اسی طرح عنصر تخیل بھی ذہن اور جذبات پر اثر کرتا ہے اور تینون باہمدگر ہم آہنگی
سے اپنا عمل کرتے ہین،

تخیل کا ترغیب کے بقیہ دو عناصر (ترکیبی وجذبی) پر اثر،

تخیل اپنی صفت اختراعی کے ذریعہ سے جو اثر عنصر ذہنی (ورک، احضار، بیان) پر کرتا ہے اوسے ہم زید کی مثال مین دیکھ چکے ہین لیکن
اُسکا اثر عنصر جذبی پر بھی ہوتا ہے، اور جذبات مین بھی متخیلہ کی وساطت سے ایک تازہ رُوح پھونکی

جاتی ہے اور اون کو توی تر کر دیا جاتا ہے، مثلاً لارڈ بر وکھم کی تقریر کا آخری حصّہ "حضرات کیا یہ عالمگیر خوشحالی الخ......" ہمدردی انسانی اور اخوت کے جذبات کو شہ دیکر اون کی ترغیب کو زیادہ مؤثر بنا دیتا ہے، زید ایک ایسے خاندان کی خیالی تصویر کھینچکر جو بائیسکوپ کی بدولت تباہ ہوا ہے اپنے جذبات ترحم اور ہمدردی کو برانگیختہ کرتا اور پہلے سے بھی زیادہ ترک لہو ولعب کا مؤید بنجاتا ہے، مختصر یہ کہ تخیل کی وساطت سے جذبات کا حلقۂ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے، ہمارے جذبات کو جوش مین لانے کے لیئے کسی صورت حالات کی بالفعل موجودگی لازمی نہین رہ جاتی، اگر اصلاً اور واقعتہً بائیسکوپ کی وجہ سے کوئی خاندان تباہ نہ بھی ہوا ہو تو کیا ہرج ہے زید کا متخیلہ خیالی دنیا مین اس کا منظر اوس کو دکھا سکتا ہے، اور اوس کے اعتقاد کو زیادہ پختہ بنا سکتا ہے، ترغیب مین وجدان کی اہمیت سے بحث کرتے وقت جس مقرر کا ہم نے ذکر کیا تھا اوس کی مثال بھی اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے دشمن کو سون دور ہے مگر اوسکے شہر مین داخل ہونے کی خیالی تصویر سامعین کے جذبۂ دہشت کو برانگیختہ کر دیتی ہے، دشمن کی فتح امکانی حد سے گذر کر تیقن کے درجہ تک ابھی نہین پہونچی ہے مگر اس فتح کی خیالی تصویر سے ڈراکر لوگون پر وہی جذبات طاری کیئے جا سکتے ہین، جو اُس وقت ہوتے جبکہ دشمن کی فوجین شہر کے دروازے پر کھڑی ہوتین، سوراج خدا معلوم کب حاصل ہو، لیکن سامعین اپنی خوش آیند خیالی تصویر سے متاثر ہو کر آج ہی اسکے لیئے چندہ جمع کرتے ہین، اور موجودہ مصائب کی کالی گھٹا کو امید بعید کی کرن سے روشن کرتے ہین، باخدا بندے مکتی اور نجات اخروی کی دھن مین موجودہ صعوبتین خوشی خوشی برداشت کرتے ہین، غرضکہ ترغیب مین متخیلہ کی بدولت واقعات کی عدم موجودگی مین اون کی تصویر ہی سے مدد لیجاتی ہے،

جس طرح تخیل کی بدولت ہماری ترغیب واقعات کے وجود کی محتاج نہین ہتی،

اسی طرح یہ بھی لازم نہین رہ جاتا کہ جبتک ان واقعات کا اثر ہماری ذات پر نہ ہو ہم تخیل کامیاب ہی نہ ہو اگر ہماری ذات کسی واقعہ کے مضر اثرات سے بری بھی رہے تب بھی دوسرون کی ذات پر اس کے جو کچھ مُضر اثرات ہوئے ہین، انکی تصویر ہم مین جذبۂ رحم، غضب، انتقام وغیرہ کو برانگیختہ کرسکتی ہے اور ہم اپنے آپ کو اوس "واقعہ" کا مخالف بنا سکتے ہین، مثلاً لارڈ بروگھم کی تقریر ہی کو دیکھو، حالانکہ رسم غلامی کے قبیح نتائج سے اہل انگلستان بالکل محفوظ تھے، تب بھی افریقہ کے غلامون کی تکالیف کا خیالی نقشہ کھینچکر لارڈ موصوف نے اپنے ہموطنون مین جذبات ہمدردی ترحم اور اخوت کو بیدار کیا اور اون کو ایک معینہ طرزِ عمل (چندہ دینا یا انسداد غلامی کا رزولیوشن پاس کرنا) کی ترغیب دی، اگر ہمارے متخیلہ مین تاثیر نہ ہوتی تو اخوت کا وجود بھی نہ ہوتا، ہندوستان کے مسلمان سمرنا کے مظلوم مسلمانون کے خیال سے بےچین نہوتے، ہمدردی، دلسوزی، دستگیری اور ایسے دوسرے الفاظ کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوتے۔ اور سے

چیست ہمدردی، طپیدن از تپ ہمسایگان	از سموم نجد در باغِ عدن پژمان شدن
خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس	در شبستان تنگ دل از زحمتِ زندان شدن

کا کچھ مفہوم ہی نہ ہوتا،

یہ تو تخیل کا اثر جذبہ اور استدلال پر ہوا لیکن جذبات بھی تخیل پر اپنا اثر ڈالتے ہین، ایک خوف زدہ شخص (جس پر جذبۂ خوف طاری ہے) کسی خطرہ کو آتا دیکھکر یا آنیوالے خطرات کے خیال سے اوسکے رُوک اور اپنی حفاظت کے ذرائع کا تخیل کرتا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ شبہہ بدگمانی اور حسد کے جذبات سے متأثر ہوکر حضرت انسان کیا کچھ نئی ترکیبین سوچتے اور جودت طبع کا ثبوت دیتے ہین، جس شخص کے دل مین آتشِ انتقام مشتعل ہوتی ہے اپنے دشمن کو نقصان پہونچانے کے لیئے اوس کا متخیلہ کن کن نئی ترکیبون کو نہین سوچتا، زمانۂ جنگ مین

دشمن کو غارت کرنے کے لیئے جن حیرت انگیز اختراعات سے کام لیا جاتا ہے، وہ دراصل جذبۂ جون کا نتیجہ ہوتی ہین، جو تخیل اختراعی کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دوسرون کی تباہی کے عجیب و غریب طریقے سوچتا ہے، خلاصہ یہ کہ عمل ترغیب مین ہمارے جذبات تخیل سے کام لیکر نئے نئے راستے اور نئی نئی حکمتین اپنی تشفی کی ڈھونڈھ نکالتے ہین،

خلاصہ، **عمل ترغیب** کے عناصر ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تفصیل پیش کی گئی اوس کا اجمال یہ ہے کہ تینون عناصر **جذبی، ذہنی** اور **تخیلی** ساتھ ساتھ ترغیب مین کام کرتے ہین، ان تینون کے باہمی انضمام اور اون کے متحدہ اثر ہی سے ترغیب وجود مین آتی ہو اور ہر مکمل عمل ترغیب مین یہ تینون کام دیتے ہین۔ عنصر ذہنی کی بدولت درک واقعات یا کسی صورت حالات کا صحیح بیان ہوتا ہے، اصول قایم کیئے جاتے ہین اور منطق کے طریقون سے کام لیا جاتا ہے، عنصر تخیلی کی بدولت توضیحات اور خیالی تصویرین پیش کی جاتی ہین جو ترغیب کو کامیاب بنانے مین مدد دیتی ہین، عنصر جذبی کی وساطت سے افعال پر اثر ڈالا جاتا ہے اور یہی عنصر کسی مجوزہ طرز عمل کی پیروی کا سب سے زبردست محرک ہوسکتا ہے اس کی ترغیبی عمل مین وہی حیثیت ہے جو بھاپ کی انجن چلانے مین غرضکہ ایک دوسرے مین مخلوط ہوکر باہم گر ایک دوسرے پر اثر ڈالکر آخر مین یہ تینون عناصر ایک لباس مین نظر آتے ہین اور وہ ترغیب ہے،

ہمارے مذکورۂ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ترغیب کی ایک ہی قسم ہے غلط ہوگا ترغیب کے اجزائے ترکیبی تو یہی تین ہین لیکن جن اسالیب سے انکا امتزاج ہوسکتا ہے وہ بے شمار ہین اور اسی لحاظ سے ترغیب بھی متعدد اقسام کی ہوتی ہے، اِس کی مثال یون سمجھو کہ ہر عمارت کی اجزائے ترکیبی اینٹین ہوا کرتی ہین، لیکن مختلف ترتیب سے جب یہ اینٹین فراہم کیجاتی ہین تو مکان۔ مسجد۔ گرجا۔ مندر کہلاتی ہین، بعینہ یہی حال ترغیب کے اجزائے ترکیبی کا ہے،

وہ اتنی ہی بے شمار اقسام ترغیب ظاہر کر سکتی ہین جتنے کہ اقسام مرد و زن،

لیکن بہ نظر سہولت ہم نے ترغیب کی تین بڑی بڑی قسمین بلحاظ اون کے اہم اجزاے ترکیبی کے کی ہین اور اون مین کمی و بیشی ممکن ہے کبھی عنصر ذہنی کی زیادتی ہوتی ہے، مثلاً ایسے شخص کی ترغیب جس کی قوت استدلال بہت کچھ بڑھی ہوئی ہو، کبھی عنصر تخیلی کی کثرت ہوتی ہے اور کبھی عنصر جذبی کا پلہ بھاری ہوتا ہے، ان تینون عناصر مین سے کسی ایک یا دو کی زیادتی اور تیسرے کی کمی یا تیسرے کی زیادتی اور کسی دو کی کمی یا طریقۂ آمیزش کا اختلاف ترغیب کی اقسام مین بھی باہمدگر اختلاف پیدا کر دیتا ہے، اور یہ ہی وجہ مختلف قومون مین طریقۂ ترغیب کے مختلف ہونے کی ہے، اکھڑ اور جاہل گڑھوالیون سے ہم مسلسل دلائل کی توقع رکھ سکتے ہین، ایرانیون، عربون، بنگالیون کی ترغیب مین جذبی عنصر زیادہ پایا جاتا ہے صنف کے اختلاف سے بھی ترغیب مین اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ "عورتون کی منطق" بدنام ہی ہے، لیکن یہ اختلافات نظری اور سطحی ہین اور ان کو کلیتہً نہین مانا جا سکتا بہت سے گڑھوالی خاص خاص موقع پر اکثر بنگالیون سے زیادہ جذبات کے زیر اثر ہو سکتے ہین یا بہت سے بنگالیون مین اکثر گڑھوالیون سے زیادہ استدلال اور ارتباط خیالات کی صلاحیت ہوتی ہے بہت سی عورتین اکثر مردون سے زیادہ دلیل او منطق عقلی کی اہل ہوتی ہین غرضکہ ترغیب کو ان تین عناصر کے لحاظ سے مختلف اقسام مین تقسیم کرنا بہ نظر سہولت تو ضرور مستحسن ہے، لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان تینون مین سے ہر ایک کی ذیل مین متعدد اقسام آسکتی ہین اور ہر حالت مین ترغیب کی ماہیت، ترغیب دہندہ کی شخصیت اور اسکی حالت نفسی کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے،

اکثر اوقات ایک ہی فرد مین بلحاظ اختلاف زمان و مکان، ترغیب کے طریقون مین بھی اختلاف پایا جاتا ہے اوس کی کچھ ترغیبین مبہم اور غیر شعوری ہوتی ہین، خود اپنی ہی

حالت پر ہم غور کرین تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جب رات کے وقت ہم بستر پر لیٹے ہوئے نیند کی اُمید مین کروٹین بدلتے رہتے ہین تو ہماری ذاتی ترغیبات کیا کچھ عجیب و غریب اشکال نہین اختیار کرتین - ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم کِن کِن دہشت ناک خیالات مین گھرے ہوئے تھے، ہماری ترغیبات نے ہم کو افسردہ بنا دیا تھا، صُبح ہوئی تو سب خیالات کافور تھے، اور ہم خوش آیند اُمیدین کرنے لگے او اپنی خیالی دنیا کے ہیرو (بطل) بن گئے، تھوڑی دیر بعد شہر جانے کا اتفاق ہوا تو ترغیبات نے ایک اور ہی رُخ پلٹا، نہ رات کی دہشت ناک باتین تھین، نہ صبح کے خوش آیند خیالات - شہر مین کسی پُرانے بیوپاری سے ملاقات ہوگئی تو تمام تر کوششین اُسے سمجھانے، راہ راست پر لانے اور اپنے حسب منشاء ترغیب دینے مین صرف ہونا شروع ہوئین، اب ہماری ذات، ہمارا شعور واحد ہے، اور ترغیبات کی گوناگونی کا یہ عالم ہے باوجود اسقدر اختلاف کے بھی ترغیب کی ماہیت وہی رہی اور اوس کے عناصر ثلاثہ وہی رہے مختصر یہ کہ ہر ترغیب مین خواہ وہ کسی قسم کی ہو یا کسی خاص شخص سے متعلق ہو ہمیشہ کسی نہ کسی مقصد کا وجود پایا جاتا ہے جس کے حصول کی بالارادہ یا نادانستہ طور پر تدبیر کی جاتی ہے اور اوسکے ساتھ ہی ہر ترغیب مین ذہن متخیلہ جذبہ ان تینون کا مخلوط عمل لازماً ہوتا ہے، خواہ یہ اختلاط باہمی غیر مکمل اور غیر مؤثر ہو یا مکمل اور مؤثر -

بابُ دوم

خُود ترغیبی کی ابلہ فریبیان

جذبات کے زیر اثر ترغیبات ذاتی کی کایا پلٹ، تلوّن، باطل ترغیبات، تلبیس، حیلہ و مکائدِ نفس،

خود ترغیبی مین جذبات کا حصہ، **گزشتہ** باب مین ہم عمل ترغیب کی نفسیاتی تشریح کر چکے ہین اور یہ ثابت کر چکے ہین کہ ہر عمل ترغیبی کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہین، یعنی **جذبہ**، **ذہن** (استدلال) اور **تخیل** اس باب مین یہ بحث کی جائے گی کہ ترغیبات ذاتی مین اِن تینون کا کیا حصہ ہوتا ہے، اور تالیف قلب، خود فریبی، تشفی ضمیر وغیرہ مین اُن سے کیا کام لیا جاتا ہے، سب سے پہلے ہم جذبات سے بحث کرتے ہین،

جذبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تشفی چاہتے ہین، اِس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ ہمارے نفس پر اس حد تک حاوی ہوجاتے ہین کہ اوس مین اون کے خلاف استدلال پیش کرنے کی تاب نہین رہتی اور نہ یہ اختیار ہی باقی رہتا ہے کہ جذبات کے تائیدی خیالات و افکار کو اپنے سامنے سے ہٹا کر اونکے مخالف خیالات سامنے لائے، جذبہ کی اِس خصوصیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص کی ترغیب دو متضاد جذبات کے زیر اثر ہوتی ہے لیکن

وہ اِس تضاد کو نہین دیکھ سکتا، بالفاظ دیگر یون کہو کہ محال "اجتماع ضدین" جو منطق و معقولات کا ایک اہم اصول ہے جذبات و وجدانات کے لیے کوئی اہمیت نہین رکھتا یہ دونون اِس اہم منطقی اصول کی پابندی سے بالکل مستغنی رہتے ہین، اِس کی تشریح آگے آئے گی،

اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور لوگون کے جذبات کا بنظر غائر مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ جو فنون لطیفہ کی ایک خاص حِس رکھتے ہین، بعض اوقات ایسے ارذل اور ادنیٰ درجہ کے جذبات کے زیر اثر ہوتے ہین جو بالخاصہ حِس لطیف سے متضاد ہین، تاریخ شاہد ہے کہ عیسائی اقوام سے جو کل بنی نوع اِنسان کی محبت کے دعویدار ہین، بدترین مظالم سرزد ہوئے ہین انقلاب فرانس کے وقت جو قتل عام ماہ ستمبر مین ہوا اور جس سے تاریخ یورپ کے صفحات آجتک خونین ہین اوس مین انقلاب پسندون کے جذبات دو متضاد صورتون مین ظاہر ہوئے تھے، فاضل مصنف "تمدن عرب" موسیولی بان اپنی کتاب **نفسیات جماعات** (PSYCHALOGY OF THE CROWD) مین اوس کا یون بیان کرتے ہین:۔

"اگر ایک طرف جذبۂ انتقام اس قدر مشتعل تھا کہ قیدی بلاتفریق عمر و حیثیت تہ تیغ کیے جاتے تھے، تو دوسری طرف جذبۂ ہمدردی بھی کچھ کم نہ تھا، فوجی عدالتین قایم کی جاری تھین، مقدمات کی سماعت ہوتی تھی، اور اگر کوئی شخص بری الذمہ قرار دیا جاتا تو مجمع مین عجیب منظر ہوتا تھا، ہر شخص اوس سے بغلگیر ہوتا تھا، تالیان بجا کر اظہار مسرت کیا جاتا تھا، اور فرطِ انبساط سے بےخود ہو کر مجمع مبارکباد کے نعرے لگاتا تھا"،

اِس مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ ہمدردی اور انتقام کے جذبات جو بالاصل ایک دوسرے سے متضاد ہین ایک ہی وقت مین طاری ہو سکتے ہین، اِس طرح سے "انکسار" اور "عجب" کے جذبات بھی ایک ہی وقت مین لوگون کے دلون مین موجزن ہوتے ہین، لیکن وہ ان کے فرق کو نہین

سمجھ سکتے اس کی مثال عیسائی **راہبون** اور ہمارے ہندوستانی **سنیاسیون** مین اکثر ملتی ہے، ایک طرف تو یہ افراد سخت سے سخت ریاضت جسمانی کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکسار مجسم ہین، لیکن دوسری طرف اگر اُنکے قلوب کو ٹٹولو، تو اُس مین ایک خاص افتخار کا جذبہ پایا جاتا ہے، اپنی قوت باطنی اور تقدس کے متعلق خیالات پائے جاتے ہین اور تمام افراد انسانی اور اپنی ذات کے درمیان کسی خاص فرق کے وجود کا احساس موجود ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی کا متبائن جذبات کے زیر اثر ہونا، لیکن اس تبائن کو نہ دیکھنا، کم وبیش فطری ہے، "خلوت" اور "جلوت" کا فرق صرف طبقہ "زہاد" سے مخصوص نہین بلکہ عام طور پر حیات انسانی مین بھی دیکھنے مین آتا ہے، ایک شخص ایک ہی وقت مین قبائے رندی اور گلیم زہد اوڑھنے پہننے کا مجرم ہوسکتا ہے، طبقۂ اوسط سے قطع نظر خود طبقۂ اعلیٰ کے نیک اور نامور افراد مین بھی متضاد جذبات کے یہی کرشمے نظر نظر آتے ہین، یہ اور بات ہے کہ سوانح نگار کا حُسن ظن، یا جذبۂ حرص وآز، تصویر کے تاریک رُخ کو عمداً یا سہواً نظر انداز کردے، لیکن پھر بھی بعض منصفانہ تصانیف اور سوانح ایسے ہوتے ہین کہ جن مین مصنف کا فطری تجسس کبھی کبھی پردہ اُٹھاکر ہمارے سامنے واقعات کو اصلی رنگ مین مین پیش کردیتا ہے، اور ہم دیکھتے ہین کہ اکثر نامی گرامی لوگون کے قلوب کس قدر مختلف جذبات کے آماجگاہ رہ چکے ہین، یاد رہے کہ اس انکشاف حقیقت سے مشاہیر عالم کی شہرت پر داغ نہین آسکتا، متضاد جذبات کے زیر اثر رہ کر افعال کرنا اور اُن مین کوئی تضاد نہ محسوس کرنا کسی فرد کے لیے باعث شرم نہین ہوسکتا، یہ نفس انسانی کی جبلی بیچارگی ہے، اس سے کوئی بری نہین ہے،

انسان کی اِن دُورخی ترغیبات کی مثالین دیکھنے کے لیے قدیم صحائف اور سوانح کی ورق گردانی کی ضرورت نہین ہے، خود حال کے واقعات اس کے شاہد ہین، جن لوگون نے **قیصر جرمنی** کی زمانۂ جنگ سے قبل کی تقریرین پڑھی ہین اور پھر اُن کے افعال کا

بنظر غائر مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہین کہ اون کے اقوال و افعال کس قدر مختلف جذبات کے زیر اثر سرزد ہوتے تھے، کہین ایثار و ہمدردی کا دعویٰ تھا، تو کہین جبر و استبدادیت پر فخر کا اظہار۔ ایک موقع پر خود کو (نعوذ باللہ) "خدا کا قائم مقام" کہتے ہین، تو دوسرے موقع پر اوسی خدائے بزرگ و برتر، کے رُوبرو وہر فعل کی جوابدہی اپنے اوپر فرض خیال کرتے ہین، یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ قیصر کا مقصد اس سے دھوکہ دینا تھا یہ تو محض ایک مثال تھی، ورنہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت کم انسان ایسے ہین جن کے نفوس اِن مختلف المابہیت کیفیات کے مورد نہ رہ چکے ہون، ہم ابھی کہہ آئے ہین کہ اگر کوئی شخص متضاد جذبات سے مغلوب ہو کر متضاد افعال کرے تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ بالارادہ دھوکہ دینا چاہتا ہے، "خود فریبی" بے شک ہوتی ہی لیکن یہ فریب دہی کو مستلزم نہین ہی، ایسی صورتون مین نفس کی حالت غیر شعوری ہوتی ہی، اِس باب کے شروع مین ہم بتا آئے ہین کہ جذبات کا خاصہ یہ ہے کہ محض اپنی تشفی چاہتے ہین اور اون خیالات کو جو کسی طرح اِس تشفی مین مانع ہون سرے سے نفس کے سامنے آنے ہی نہین دیتے، پس جب نفس پر جذبات کا اِس قدر زبردست تسلّط ہو تو کسی شخص کا افعال قبیحہ کے ارتکاب کے باوجود اپنے آپ کو نیک تصور کرنا مقامِ تعجب نہین ہو سکتا، اگر جذبات پر انسان کو پوری قدرت حاصل ہوتی، تو کوئی شخص مغلوب الجذبات ہو کر ایسے افعال نہ کرتا جن کا مذموم ہونا ذرا سے استدلال سے ثابت ہو جاتا ہے اور کم از کم قتلِ عمد اور خود کُشی تو انسانی جرائم کی فہرست سے بالکل ہی خارج ہو جاتے،

متلون المزاجی، | **یہ حقیقت کہ** بعض اوقات ہم پر ایسے جذبات حاوی ہوتے ہین جن سے ہم ناواقف ہوتے ہین یا جن کی قوت کا اندازہ ہم صحیح طور پر نہین کر سکتے، ایک دوسری حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے یعنی اتنا سمجھ لینے کے بعد "متلون المزاجی" کی توجیہ آسانی سے کی جا سکتی ہے،

تلون، یا ترغیبات کی کایا پلٹ کیون ہوتی ہی، محض اس وجہ سے کہ ہم کسی خاص جذبہ سے متاثر ہوکر کوئی نیت کرتے ہین یا کوئی کام ہم سے سرزد ہوتا ہے، لیکن دوسرے موقع پر کسی دوسرے جذبہ کے زیراثر ہم اپنی نیت بدل ڈالتے ہین یا سابق طریق عمل کے خلاف جاتے ہین، جب ایک مُسرف شخص لوگون کے کہنے سُننے سے یا خود انجام پر نظر ڈالکر اسراف سے دست بردار ہوتا ہے، اور چند روز تک کفایت سے کام لیتا ہے تو اُسکا یہ فعل غالباً "شرم" "ندامت" یا پھر محبت خاندانی کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن دوسرے وقت جب یہی شخص اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرتا ہی اور ایک بیش قیمت لباس خریدتا ہی تو اوس صورت مین اوس کا یہ فعل جذبہ عیش پسندی، یا تفوق کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے، یہ تلون کی صریح مثال ہی اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ تلون کا باعث صرف مختلف جذبات کا تسلط ہے "تائب ہونا،، اور "توبہ کا توڑنا،، دونون صورتین ایک ہی ہیولی سے ظاہر ہوتی ہین، اور یہ ہیولی کیا ہے؟ یہی مختلف جذبات کی ہنگامہ آرائی،

نیت اور اعمال کے اِس فوری انقلاب کو اکثر ناول نویس اور ڈراما نویس دلچسپ پلاٹ (نفس قصہ) کی شکل مین ظاہر کرتے ہین، کبھی ناول کا ہیرو مان باپ کے تشدد سے عاجز آکر ترک وطن کا ارادہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، ضروری سامان فراہمی مہیا کر لیا جاتا ہے، لیکن عین وقت پر جب گھر سے باہر نکل کر وہ در و دیوار پر الوداعی نظر ڈالتا ہے تو یہ سب منصوبے ٹوٹ جاتے ہین اور وہ اپنا عزم فسخ کر دیتا ہے، ڈرامون مین بھی اکثر یہی کیفیت نظر آتی ہے، ہمارے سامنے قاتل اپنے جذبات تنفر، حقارت اور انتقام کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور خنجر بکف دشمن کی خوابگاہ مین داخل ہوتا ہے، تاکہ اُس کا کام تمام کردے جب پردہ اُٹھتا ہے تو ہم اُسے خوابگاہ مین موجود پاتے ہین، دشمن سو رہا ہے اور پوری طرح اِس شخص کے قابو مین ہے، لیکن عین موقع پر کسی دوسرے جذبہ سے متاثر ہوکر یہی قاتل اپنا خنجر پھینکدیتا ہے اور دشمن کے قدمون پر گر کر اوس کے احسانات کا اعادہ کرتا ہے اور شرمندگی کا

اظہار کرتا ہے اور خود کو سچا اور جان نثار خادم ثابت کرتا ہے ناولون اور ڈرامون سے تمثیلات تلاش کرنے کی ضرورت نہین، اگر تم اپنے قلوب کو ٹٹولو تو یہی کیفیت نظر آئیگی اکثر رات کے سناٹے مین تم کیا کیا منصوبے نہین باندھتے، کن کن باتون سے توبہ نہین کرتے؟ کن کن کامون کا عزم بالجزم نہین کرتے؟ ایسا کرتے وقت تمھاری نیت صادق اور تمھارا ارادہ پختہ ہوتا ہے، لیکن روز روشن مین جب واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو یہ سب منصوبے خواب فردا کی طرح تشریف لیجاتے ہین،

گفتی کہ چہ شد قاعدۂ مہر و محبت؟ — رسم کہنے بود، بعہدِ تو ور افتاد

جب لوگ اِس طرح کسی صریح ترغیب کے خلاف عمل کرین تو تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اون کے جذبات کو تحریک دینے والی قوت کوئی بہت زبردست قوت ہے جس سے وہ خود واقف نہین ہین، یہ تمام فعل تقریباً نفس کی لاعلمی، یا پھر یون کہو کہ غیر شعوری حالت مین ہوتا ہے یہ غیر شعوری تحریکات افعال انسانی پر بہت کچھ اثر ڈالتی ہین اِنھی کی وساطت سے اِنسان خیانۃً اور ممنوع افعال کرتا ہے اور پھر اون کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، تم کو یہ سُن کر شاید تعجب ہو کہ بغض و حسد کے جذبات سے متاثر ہو کر اکثر مائین اپنے بیٹون پر ظلم و تشدد کرتی ہین لیکن چونکہ یہ اندرونی غیر شعوری جذبات اون کے ادراک ذہنی سے بہت دُور ہوتے ہین اسلیئے وہ اپنی زیادتی اور ظلم کی توجیہ یون کرتی ہین کہ "ایسا کرنا آگے چلکر انہی کے کام آئے گا"،

خود ترغیبی مین استدلال کا حصہ، حیلہ و مکائد نفس،

ہم دیکھ چکے ہین کہ اکثر اوقات ہمارے قلوب پر غیر شخص اور ناقابل تشخیص جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، نیز یہ کہ ہمارے عمل کی محرک اکثر اوقات دو متضاد قوتین ہوتی ہین لیکن چونکہ یہ شعوری نہین ہوتین اِسلیئے ہم انکا تضاد نہین دیکھ سکتے اور نادیدہ و نادانستہ انہی کے حسب حال فعل کرنے لگتے ہین، ممکن ہے کہ تمھارے دِل مین یہ شک پیدا ہو کہ جب ہمارے اکثر افعال، بالخصوص قابل اعتراض افعال نفس کی لاعلمی مین ہوتے ہین تو پھر انسان کی

اوس کے انفعال بد کی مسئولیت عائد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ غالبًا یہی خیالات تھے جو **خیام** کے
دل مین پیدا ہوئے اور اس رُباعی کی شکل مین ظاہر ہوئے:۔

عشق ارچہ بلاست، آن بلا حکم خداست ‏ ‏ ‏ برحکم خدا ملامتِ خلق چراست!
چون نیک و بد خلق بتقدیر خداست ‏ ‏ ‏ پس روز پسِ حساب بر بندہ چراست

اِس مین شک نہین کہ اگر نفس انسانی کی حالت واقعی اوس بیچارگی اور بے بسی کی ہوتی جیسا کہ اکثر
لوگ فرض کرتے ہین تو یقیناً زمانہ مین خیر و شر کا موجودہ معیار قایم نہ رہتا اور اخلاقیات اور عذر بدتر از گناہ
ایتھکس کا منشا ہی سرے سے فوت ہو جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس کی حالت قطعاً لاعلمی کی نہین ہے
خودترغیبی کی جو مثالین ہم نے سطور بالا مین دین وہ خودفریبی کے ذیل مین بخوبی آتی ہین، لیکن یاد رہے
کہ اِس قسم کی نادانستہ خودفریبی بھی شاذ ہے اکثر صورتون مین جب اپنے آپ کو حالت غیر شعوری مین کسی فعل
کے کرنے پر مائل پاتے ہین تو ہمارا نفس اِس سے تھوڑا بہت واقف ضرور ہوتا ہے، باوجود فطرت انسانی
کی خامی اور نفس کی جبلّی بیچارگی ہم اس کو کامل طور پر کبھی دھوکہ نہین دے سکتے اور نہ ہمیشہ اِس کی آنکھون پر
پٹّی باندھ سکتے ہین، اگر تم اپنے آپ کو نیک خیال کرتے ہو اور پھر بھی کوئی بُرا فعل تم سے ہو جائے تو
خواہ اِس فعل کا محرک کیسا ہی قوی سے قوی جذبہ کیون نہو، تمہارے قلب مین آغاز فعل سے قبل دوران
فعل مین اور اتمام فعل پر ایک قسم کی "خلش" ضرور ہوتی ہے، نفس لوّامہ کی یہ چٹکیان محسوس تو ضرور ہوتی
ہین لیکن اِن کا علاج اور اِس "باطنی ناصح" کا مُنھ بند کرنے کی تدبیرین بھی فوراً سوچ لیجاتی ہین اور یہین سے
خودترغیبی یا خودفریبی مین اِستدلال کا حصہ شروع ہوتا ہے، مکائد نفس کے آغاز کی حد یہی ہے،

جب کبھی ایسا موقع پیش آتا ہے تو تم اپنے شکوک کو دفع کرنے اور عقائد و اعمال مین
جو تخالف پایا جاتا ہے اوس سے بری الذمہ ہونے کے لیے اپنے دل مین بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع
کر دیتے ہو صاف لفظون مین یون کہو کہ بہر نوع و بہر نہج اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دکھاتے ہو خواہ یہ

تصفیہ تمھارے ضمیر کے خلاف ہی کیون نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اسلیئے کہ فیصلہ کا عمل یکطرفہ ہے اور بجائے منصفانہ استدلال کے ایک معینہ نتیجہ نکالا جارہا ہے، اِس کی مثال بھی ہم کو اپنے قلوب سے مِل سکتی ہے، جب ہم خود غرضانہ جذبات سے اندھے ہوکر کِسی فعل کی نیت کرتے ہین اور اس کی مُخالفت ہمارا ضمیر کرتا ہے تو اوس وقت اُسے کِن کِن طریقون سے مطمئن نہین کیا جاتا؟ کیا کیا جھوٹی منطقین پیش نہین کیجاتین؟ "واقعی وہ اوسی کا مستحق تھا،، اگر اوسکو نقصان ہوا تو میرا کیا قصور؟" اگر وہ دانستہ میرا کہنا مان لیا، تو میری کیا خطا، یہ اور اِسی قِسم کے دوسرے جملے استعمال کرکے ہم اپنے "باغی،، ضمیر کو اطمینان دلاتے ہین اور بالآخر فرض کر لیتے ہین کہ اب اس کی تشفی ہوگئی،

جتنا زیادہ کسی شخص کا ضمیر پختہ ہوتا ہے، اوسی قدر زیادہ اوسے کسی منافی ضمیر فعل کرتے وقت اوسے سمجھانا پڑتا ہے "یہ سمجھانا،، استدلال کی وساطت سے ہوتا ہے، ایسے موقعون پر اپنے نفس کو سمجھانے کا ایک عام طریقہ یہ ہوتا ہے "کہ مقصد یا نتیجہ کی بھلائی،، کو "وسائل" کی خرابی کے لیئے بطور سند جواز کے پیش کیا جاتا ہے اِس سے آئندہ سطور مین بحث کیجائیگی اور اوسی موقع پر یہ دیکھنے کی کوشش کیجائیگی کہ لوگون کا یہ خیال کہ "نتیجہ خیر،، کے حاصل کرنے کے لیئے "وسائل شر" بھی جائز ہین کس حد تک درست ہے، دوسرا طریقہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کا یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ دوسرون کی نظیرین پیش کی جاتی ہین، غرضیکہ "مکائد نفس،، مین عجیب وغریب دلائل کا استعمال کیا جاتا ہے جو بسا اوقات متزلزل بنیاد پر قائم ہوتے ہین، اور اِس طرح اپنی نظرون مین اپنی وقعت کو برقرار رکھا جاتا ہے، ایک کُہنہ مشق جعلساز کا ضمیر دھوکہ دیتے دیتے کمزور ہوجاتا ہے، اور اسے سمجھانا آسان ہوتا ہے ایک متدّین شخص کا ضمیر پختہ ہوتا ہے، اور اوس کو بد دیانتی کی طرف راغب کرنے کے لیئے طرح طرح کی جھوٹی ترغیبات سے کام لیا جاتا ہی، یہی وجہ ہے کہ اوّل الذکر نڈر ہوکر بد دیانتی کرتا ہے

اور مؤخر الذکر پہلی بد دیانتی کے وقت بہت کچھ پس وپیش کرتا ہے، جب ہم ان بے شمار ترغیبات پر نظر ڈالتے ہین جو ضمیر کی تشفی اور اپنے افعال بد کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے اِنسان اپنے نفس کو دیتا ہے تو ہم اِس خیال سے باز نہین رہ سکتے کہ قدرت نے نیک کرداری کا نقش قلوب انسانی پر کتنا گہرا بٹھایا ہے کہ اوس کو مٹانے کے لیئے ہزار ترکیبین کرنا پڑتی ہین، ہزارہا جھوٹی دلیلین پیش کیجاتی ہین تب کہین جاکر ہم اپنے ضمیر کو افعال بد کی طرف راغب کر سکتے ہین، جرمنون نے دوران جنگ مین جو بے شمار ترغیبات اپنے قلوب کو دین اور جو متعدد طریقے اختیار کیئے اوس سے کم از کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی انکا ضمیر نہایت پختہ ہے کہ جس کو تشفی دینے کے لیئے اِس قدر طول عمل کی ضرورت ہوئی اگر جرمن قوم نطرۃً دغاباز ہوتی تو کم از کم اپنی نظرون مین اپنے افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے اوسے اِس قدر اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی،

افعال بد کے ارتکاب کے بعد اپنی اخلاقی کمزوریون کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرنا، اپنے ضمیر کو ترغیب دینا کہ کوئی فعل ہم نے قابل اعتراض نہین کیا ہے، زندگی مین جدھر دیکھو یہی نظر آتا ہے. حکمائے سوء اور علمائے حیل اپنے مطلب کے لیئے کلام الٰہی کی بھی غلط تاویلین کرنے لگتے ہین، سوداگر اپنی گران فروشیون کے متعلّق ضمیر کے اعتراض کو یہ کہکر رد کرتے ہین کہ ”ہم کو بھی تو مالک دوکان اور چنگی والے لوٹتے ہین،، بدچلن اشخاص اپنے ضمیر کی تشفی بدین الفاظ کرتے ہین کہ ”دنیا مین بہت سے لوگ ہم سے بھی خراب حالت مین ہین،، قزاق اپنے مال غنیمت کی حِلّت کا فتویٰ یون دیتا ہے کہ ”یہ مال اونہی سے لیا گیا ہے جنھین یہ خفیف نقصان گران نہ گذرے گا،،

مکائد نفس مین زیادہ تر اِس عقیدہ سے مدد لیجاتی ہی، **گذشتہ سطور مین** اشارۃً یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکثر کر انجام خیر،، کے حصول کے لیئے وسائل شر بھی جائز ہین،، باطل ترغیبات اور افعال بد کے جواز مین اِس خیال کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ ”انجام خیر،، کے لیئے ”وسائل شر“ بھی جائز ہین، مکائد نفس کی جتنی مثالین ہما ری

نظر کے سامنے آتی ہین اون مین غالب حصہ اِسی خیال کے معتقدین کا ہوتا ہے، جو بقول شاعر ؎

انجام مین ہو اگر بھلائی　　　　ہو پہلے بدی تو کیا برائی

پر ایمان لائے ہوئے ہین۔ ہم آئندہ سطور مین اسی عقیدہ کی صحت کو جانچین گے۔۔۔۔۔ اب غور کرو اور بتاؤ کہ کیا اکثر ایسا نہین ہوتا کہ لوگ دنیا کو دکھانے کیلئے کسی کارِ خیر کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہین اور اس پردہ مین دِل کھولکر بُرائیان کرتے ہین اور اگر کوئی اعتراض کرے تو جواب یہ دیتے ہین کہ "جن کو تم افعال بد کہتے ہو وہ ایک اعلیٰ نصب العین تک ہماری رہبری کرتے ہین اور چونکہ نصب العین اعلیٰ ہے لہذا یہ وسائل کیونکر برے ہو سکتے ہین"، انفرادی حیثیت سے قطع نظر، ہمارے ہندوستان کی سماجی زندگی مین اِس قسم کی مثالین کثرت سے ملتی ہین کیا کچھ برس قبل اَور ڈے (our day) کے موقع پر ہندوستانی طلبا اور طالبات کو یہ کہکر ناٹک کرنے کی ترغیب نہین دی گئی کہ اِس ذریعہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا وہ مجروحین جنگ کی آسایشون پر صرف ہوگا، اور چونکہ مصرف نہایت اچھا ہے، لہذا وسائلِ حصول زر سے بحث نہ کرنا چاہیئے"، کیا وطن کے شیدائیون نے یہ کہکر ہندوستانی خواتین کو ترک پردہ کے لیئے آمادہ نہین کیا کہ "یہ تمھاری آیندہ ترقی اور روشن خیالی کا ایک زینہ ہے اور چونکہ انجام نیک ہے لہذا یہ ذریعہ بھی مستحسن ہے"، کیا تمدن جدید کے ہوا خواہون نے "ترک روش قدیم" کے جواز کا فتویٰ یہ کہکر نہین دیا کہ "یہ ارتقاے قومی کا ایک زبردست آلہ ہے" ہم یہ نہین کہتے کہ نفس کو دھوکہ دینے کا طریقہ صرف ہندوستان تک محدود ہے خود یورپ کی اقوام متمدنہ بھی زمانہ جنگ مین دشمن کی لہلہاتی ہوئی کھیتیون کو تاراج کرتی ہین اون کی عورتون کے ناموس پر حملہ کرتی ہین، اور تشفی ضمیر کے لیئے اِس ناپاک خیال سے مدد لیتی ہین کہ "دشمن کو ہر طرح ذلیل کرنا شیوۂ حُبّ الوطنی ہے لہذا یہ افعال بھی قابلِ اعتراض نہین" کسی انگریز نے دورانِ جنگ مین جرمنون کی منطق اِن الفاظ مین بیان کی ہے، کہنے کو تو "جرمنون کی منطق" ہے لیکن ؎

خوشتر آن باشد کہ سِرّ دلبران		گفتہ آید در حدیث دیگران

کا اطلاق اِس مقولہ پر کماحقہ ہو سکتا ہے، بہرحال وہ منطق یہ ہے،

"تم کو ہر وقت اپنے وطن کی فکر رکھنی چاہیئے، اصل سعادت یہی ہے، قتل کرو، چوری کرو غرضکہ جو کچھ جی مین آئے کرو، اگر وطن کی خاطر ہے تو ہرگز قابل اعتراض نہین ہو سکتا، انجام کی بھلائی پر نظر رکھو وسائل کے شر و خیر سے بحث نہ کرو،"

ابتک ہم اِس عقیدہ کے طریق استعمال اور اِس کی مثالون سے بحث کرتے رہے، آؤ اب یہ دیکھین کہ خود اِس نام نہاد "عقیدہ" مین حقیقت اور صداقت کہان تک پائی جاتی ہے۔ اِس عقیدہ کو اپنے دماغ کے سامنے لاؤ، اور غور کرو کہ "انجام خیر کے لیئے وسائل شر بھی جائز ہین" اِن الفاظ سے کیا مفہوم نکلتا ہے، ذرا سے تفکر سے تمہاری سمجھ مین آجائیگا، کہ اِس عقیدہ کو تسلیم کرنا ایک دوسرے خیال کو بھی مستلزم ہے اور وہ یہ کہ "بُرائی سے بھلائی پیدا ہو سکتی ہے" خود یہ کہنا ہی کہ وسائل شر سے انجام خیر پیدا ہو سکتا ہے اِس دوسری حقیقت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اِسکے بعد دوسری بات جو ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر سب لوگ اِس خیال کے حامی بن جائین کہ "شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے" تو دنیا مین کوئی بدترین فعل ایسا نہ رہے کہ جسے اس کی روشنی مین حق بجانب ثابت نہ کیا جا سکے "ظلم و تشدد" اِس خیال کے مؤیدین کے نزدیک مذموم نہین ہو سکتے اسلئے کہ اِن سے اگر بجا ہین تو خطاوار کیفر کردار کو پہونچتے ہین اور اگر بیجا ہین تو "مظلوم" مین حرّیت اور بیداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بقول حشر ؎

تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشم ملّت کھل گئی

اِسی طرح چوری کو بھی افعال قبیحہ کی فہرست سے خارج کیا جا سکتا ہے، اِس مین دو فائدہ ہین ایک طرف تو چور کا جو شاید حاجتمند ہے کام نکلتا ہے، اور دوسری طرف لوگون کو اپنی چیزون کو

حفاظت سے رکھنے کا زیادہ خیال ہوتا ہے، غرض اِس نرالی منطق سے ہر بد سے بد تر فعل بھی اچھا ثابت کیا جا سکتا ہے حتّی کہ قِمار بازی اور میخواری کے جواز کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے، نعوذ باللہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا،

اب دیکھنا یہ ہی کہ یہ خیال کہ شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے کِس حد تک اور کِن معنون مین صحیح ہے مثال کے طور پر ظلم و تشدّد کو لو فرض کرو کہ ہمارے ایک دوست تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرتے ہین کہ "طاقتور اقوام کے ظلم و تشدّد نے چھوٹی اقوام مین بیداری کی رُوح پیدا کی ہے"، اِس حد تک ہم اُن کے ہمخیال ہین، لیکن آگے چلکر اِسی بنا پر وہ ہم سے یہ منوانا چاہتے ہین کہ ظلم و تشدّد ایک لحاظ سے باعث خیر ہین اِس لئے کہ اون کی وجہ سے چھوٹی اقوام کے خودداری کے جذبات بیدار ہوئے اِس کا صرف ایک جواب ہمارے پاس ہے اور وہ یہ کہ "ظلم و تشدّد" بجائے خود قطعاً مذموم اور قابل نفرت ہین، اگرچہ ان سے **اتفاقیہ طور پر** اچھے نتائج بھی ظاہر ہو سکتے ہین یاد رہے کہ ع

خدا شرّے بر انگیزد کہ خیرے ما دران باشد

کا کہ یہ مفہوم ہرگز نہین ہے کہ ہر شر مین بالاصل "خیر" موجود ہی، ہم مانتے ہین اور تجربہ بھی بتاتا ہی کہ برائیون کے سابقہ اور اون کی مقاومت سے اکثر لوگ اپنے عیوب درست کر لیا کرتے ہین، لیکن اِس خیال کا تجزیہ کرو تو یہ حقیقت کھُلتی ہے کہ "ظلم و تشدد" سے اوّل تو کِسی نتیجہ خیر کا ظاہر ہونا محض اتفاقی ہے، ممکن ہے کہ نہ بھی ہوا اور دوسرے یہ (اور یہ نسبتاً زیادہ اہم ہے) کہ اگر کبھی اچھا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو یہ ظلم و تشدد سے نہین بلکہ ان کے **مقابلہ اور مقاومت** کی بدولت ظاہر ہوتا ہے، پس ہمارے دوست کا یہ کہنا کہ "ظلم و تشدد" بالاصل مایۂ خیر ہے " غلط ہے اور خیر و شر کی درمیانی حد کو مِٹا دیتا ہے، ہر ظالمانہ فعل کی صِفت اصلی ظلم ہے اور ہمیشہ رہیگی الصّدق

حسَنٌ وَالکذبُ قبِیح کا کلیہ تمام خیر و شر پر یکسان طور سے حاوی ہے،

ظلم کے نتائج بلحاظ اوسکے حقیقی معنون کے" دوسرون کو جسمانی یا روحانی تکلیف دینا ہین"، مثلاً ایذائے بدنی، یا غصہ، قہر، غم، اور اسی قبیل کے جذبی ہیجانات پیدا کرنا۔ یہ سب باتین جیسی کچھ خراب ہین ظاہر ہی ہے، ظلم کی اِس حقیقت کے باوجود اگر اس سے اتفاقیہ طور پر کسی اچھے نتیجہ کا ظہور ہو تو ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ خیر کا مخرج کوئی ظالمانہ فعل ہے، بلکہ یون کہو کہ اس خیر کا ظاہر ہونا شخص مظلوم کی صفاتِ اخلاقی پر منحصر ہے، بے قصور افراد پر جو ظلم کیا جاتا ہے اوس سے ہرگز کسی نتیجہ خیر کے نکلنے کی اُمید نہین ہوسکتی، مجرمون پر جو ظلم و تشدد کیا جاتا ہے اوس سے البتہ اچھا نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے لیکن اِس فرقہ مین بھی ایسے افراد موجود ہوتے ہین، جن کو ظلم بجائے راہِ راست پر لانے کے اِس سے اور برگشتہ کردیتا ہے، اِن باتون کے علاوہ ایک اور بات بھی باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ ظلم کا اثر اگر مظلوم پر اچھا بھی ہو تب بھی ظالم پر اس کا اثر کسی طرح اچھا نہین ہوسکتا، کسی فعل کا اثر صرف مفعول کی ذات تک محدود نہین ہوتا، بلکہ فاعل بھی اخلاقی جسمانی یا ذہنی حیثیت سے اس سے متاثر ہوتا ہے

اِس بحث مین ظلم کو بطور مثال لیا گیا ہے ورنہ ہر شر پر انہی نتائج کا انطباق صحت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر حسب ذیل استنباط کیا جاسکتا ہے،

(۱) کسی شر سے خیر کا ظہور پذیر ہونا محض اتفاقی ہے،

(۲) یہ خیر (اگر ہو) شر کا نتیجہ نہین بلکہ اوس کی مقاومت کا نتیجہ ہوتا ہے،

(۳) اِس خیر کا ظاہر ہونا مشروط ہے یعنی جس ذات پر شر وارد ہو رہا ہے اوس کی صفات اخلاقی پر منحصر ہے،

(۴) شر اگر جس ذات پر کیا جائے اوس کے لیئے اچھا بھی ہو، تب بھی شر کرنیوالی ذات کے لیئے یہ ہرگز اچھا نہین ہوسکتا،

اِن باتون کو اگر تم سمجھ چکے ہو تو تمھین معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال کہ "شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے" اور اوس کے ساتھ ہی اوس کی یہ تفریع کہ "وسائل شر کا استعمال حصولِ خیر کے لیئے جائز ہے"، کس حد تک غلط ہین، چند خاص مثالون سے ایک عام نتیجہ اخذ کرنا ایک اہم منطقی غلطی ہے، دو چیزون مین علاقۂ سببیت اوس وقت تک ثابت نہین ہوسکتا ہے جب تک کہ اُن مین توالی و تواتر نہو یعنی عِلّت کا ظہور پذیر ہونا معلول کے ظہور کو مستلزم نہ ہو، شر اور خیر مین یہ بات نہین پائی جاتی

اِس عقیدہ کی ایک اہم منطقی غلطی تو ہم دیکھ چکے، لیکن اِس کا ایک اور نقص بھی ہے اور وہ "انجام" اور "وسائل"، کے معنون اور اون کی حقیقت کے متعلق ہے پس یہ ضروری ہوا کہ ہم اِن دونون الفاظ کا صحیح تصور اپنے ذہن مین قائم کرین، عرف عام مین کسی کام کے "انجام یا مقصد" سے وہ **خیال** مُراد ہوتا ہے، جو فاعل کے ذہن مین تو ہے، لیکن جس کی تکمیل ابھی باقی ہے" لفظ "وسائل سے عام معنون مین وہ **افعال** مراد لیئے جاتے ہین جو فاعل کے خیال (مقصد) کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لیئے کیئے جاتے ہین"، گویا کہ اِن تعریفات مین وسائل کو افعال، اور مقصد کو خیال یا فکر مانا گیا ہے لیکن یہ تعریفات ناقص ہین انجام محض خیال نہین ہے جو موجود فی الذہن فاعل ہو، انجام اور وسائل مین یہ تخالف قرار دینا غلطی ہی، حقیقت یہ ہے کہ انجام مین بھی وہی فعلیت پائی جاتی ہی جو وسائل مین موجود ہوتی ہے اور دونون صورتون مین فاعل کے ذہن مین اِن ہر دو کے متعلقہ افعال کا تصور قبل از قبل موجود رہتا ہے" یہ تجریدی بحث اگر سمجھ مین نہ آئے تو ذیل کی مثال سے اوس کی تشریح ہو سکتی ہے، فرض کرو کہ مین حُصولِ صحت کے لیئے حیدرآباد سے اوٹاکمنڈ جانا چاہتا ہون اس مین میرا انجام یا مقصد "اوٹاکمنڈ جانا ہے"، گھر سے نکل کر حیدرآباد کے اسٹیشن تک جانا اور ٹکٹ خریدنا، یہ وسائل ہین، اب دیکھو کہ اوٹاکمنڈ جانا اور ٹکٹ خریدنا دونون کے دونون افعال کے زمرہ مین داخل ہین اولاً دونون میرے ذہن مین بطور "خیال" کے پیدا ہوئے اور پھر تقدیم و تاخیر کے ساتھ بحیثیت افعال سرزد ہوئے،

ایک دوسری مثال لو فرض کرو کہ کسی بر سر پیکار قوم نے مفتوحہ قوم کے ملک پر قبضہ کرلیا ہے، فاتح افواج کا مقصد اپنی سلطنت کی تاسیس کے لیئے مفتوحین کو اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اِس مقصد کے حصول کے لیئے جو وسائل استعمال کیئے جلتے ہین وہ فوجی اور غیر فوجی باشندون کا قتلِ عام، غارتگری، مارشل لا، وغیرہ ہین مثال اول کی طرح اِس مثال مین بھی، وسائل اور مقصد دونون یکسان زمرۂ افعال مین داخل ہین، دونون مین لازماً فعلیت پائی جاتی ہی مختصر یہ کہ انجام اور وسائل کے متعلق جو تصورات عام دماغون مین قائم ہین وہ مغالطہ آمیز ہین، ہم یہ نہین کہتے اِن دونون مین فرق نہین ہے 'نہین' فرق ضرور ہے، لیکن وہ فرق نہین جو خیال اور فعل مین پایا جاتا ہے، بلکہ وہ فرق جو "جز" اور "کل" مین ہوتا ہے، جن کو وسائل کہا جاتا ہی وہ بالاصل افعال ہین جو بطور جز کے دوسرے فعل (کل) مین داخل ہین، یہ کل عُرف عام مین انجام یا مقصد کہلاتا ہے، اگر یہ بحث مسلّم ہے تو اِس سے کون انکار کریگا کہ "کل" کے متعلق جو کچھ رائے قائم کی جائے اوس مین اوس کے اجزا کا لحاظ بھی ضرور رکھنا چاہیئے، پس اگر "فعل جزوی" یعنی وسائل غیر منصفانہ اور شر آمیز ہو تو فعل کل (مقصد یا انجام) کب بے اِنصافی اور شر کی آمیزش سے پاک ہو سکتا ہے،

حاصل کلام یہ کہ اون وسائل بد کو جائز قرار دینا جنسے انجام 'خیر' حاصل ہوتا ہو سخت غلطی ہے، وسائل بد کی وساطت سے جو مقصد فراہم ہوگا' لامحالہ بد ہوگا، باطل ترغیبات کا ایک بڑا حصہ (بالخصوص خود ترغیبی، کید نفس وغیرہ) اِسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہی اور یہ امر نہایت ضروری ہی کہ ہر شخص اِس عقیدہ کی غلطی سے واقف ہو جائے تاکہ خود ترغیبی مین اِسکو بطور سندِ جواز کے نہ پیش کرے اور دوسرون کی ترغیبات کو جو اِس عقیدہ پر مبنی ہون قبول کرنے سے پرہیز کرے، شاید یہ خیال کیا جائے کہ ہم خیر اور شر کو اِس حد تک مستبعد سمجھتے ہین

کہ موخر الذکر کا اول الذکر مین تبدیل ہونا بھی تسلیم نہین کرتے یہ خیال صحیح نہین ہے، خیر ہمیشہ خیر ہے، اور شر ہمیشہ شر رہیگا، لیکن چونکہ دونونکا مورد اور محل یعنی نوع مشترک ہے یعنی حیات انسانی اسلیئے انکا باہمی انضمام بھی ممکن ہے، اور یہی اُمید کہ جد وجہد سے شر کو خیر مین تبدیل کیا جا سکتا ہے، تمام دنیا کے مصلحان قومی کی جانفشانیون اور ان تھک کوششون کا سہارا ہے،

خود ترغیبی، خود فریبی مین متخیلہ کا حصہ،

اس باب مین ابتک ہم اون تناقضات جذبی و ذہنی سے بحث کرتے رہے جو ہمارے نفس کو مغالطہ مین ڈالکر ہماری ترغیبات کو ایک خاص رُخ مین لیجاتے ہین، لیکن ہمارے تخیلات کی خود سرانہ پرواز بھی اکثر اوقات خود ترغیبی مین ہمین مدد دیتی ہے، اور اپنے اعتقادات وخواہشات کو ہم اوس کی وساطت سے حق بجانب ثابت کرتے ہین۔ جب کبھی کوئی اعتقاد تمھارے نفس پر مسلّط ہو کر عملِ ترغیب کے لیئے نقطۂ آغاز کا کام دیتا ہے تو اوس وقت جذبات اور دلائل سے جس طرح کام لیا جاتا ہے وہ تو تم کو معلوم ہی ہو چکا، لیکن قوتِ متخیلہ بھی اپنا عمل شروع کرتی ہی، تمھارے معتقدات کے حسب حال خیالی تصویرین پیش کر کے، ماضی اور حال سے مستقبل کی مُبالغہ آمیز تصویر کھینچکر، رائی کا پہاڑ بناتی ہے، اور نفس کو جبلّی خواہشات اور معتقدات کا ہم آہنگ بنا دیتی ہے،

جذبات کی طرح تخیلات کا یہ پُر فریب عمل کم وبیش غیر شعوری حالت مین ہوا کرتا ہے جب کبھی تمھارے تخیلات تمھاری ذات کے متعلق ہوتے ہین، تو اوس وقت یہ تمھارے دائرۂ شعور مین نہین ہوتے، لیکن جونہی کہ نفس ان سے واقف ہو جاتا ہے، ویسے ہی متخیلہ کا بنایا ہوا "قصر ہوائی" زمین پر آرہتا ہے، اکثر اوقات ہم خیالی دنیا مین کہان سے کہان پہونچ جاتے ہین، تفریح اور سلسلۂ خیالات مین اُلجھے ہوئے ہم اِس طرح بیٹھے رہتے ہین گویا کہ ہماری خیالی تصاویر فی الاصل حقیقی بھی ہین، کبھی ناخوشگوار خیالات کا تسلّط ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ فی الحقیقت

یہ سب کچھ ہمارے تجربہ مین آرہا ہے، لیکن یہ کل عمل نفس کی لاعلمی مین ہوتا ہے اور کسی شخص کے کمرہ مین داخل ہونے یا کسی آواز کے کان مین پڑنے سے ہم چونک پڑتے ہین اور "لاحول ولا قوۃ" کہتے ہوئے خیالی تصویرون سے دست بردار ہوکر حقیقت کے مقابلہ کے لیئے تیار ہوجاتے ہین، تم نے شاید بچپن مین اوس آدمی کی کہانی سنی ہو جو خیالی پلاؤ پکاتا ہوا گھی کا گھڑا رکھکر بازار مین جا رہا تھا، خیالی دنیا مین اس نے کیا کیا مرتبے حاصل نہین کئے اور انھین خیالات مین اس قدر منہمک ہوا کہ گھی کا گھڑا پھینک دیا، اس کے گرنے کی آواز سنکر اُسے ہوش آیا۔ یہ مثالین عمل تخیل کے نیم شعوری ہونیکی اچھی مثالین ہین،

جس طرح ہمارے ذاتی تخیلات نفس کی بیخبری مین ہم کو ترغیب دیتے ہین، اسی طرح سے ہمارے وہ تخیلات بھی جو دوسرون سے متعلق ہمارے سامنے آتے ہین نفس کی غیر شعوری حالت مین واقع ہوتے ہین اور ہوش اوس وقت آتا ہے جب ہمارے تخیلات حقیقت سے متصادم ہوتے ہین اوس وقت نفس چونک کر ہوشیار ہوجاتا ہے، اور

ع- خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

کہتا ہوا خیالی دنیا سے باہر آجاتا ہے، اس کی مثالین بھی کم وبیش ہر شخص کے تجربہ مین آتی ہین جب کسی شخص کی نسبت تمھین "حسن ظن" ہوجاتا ہے تو اوس کا خراب سے خراب فعل تم کو خراب نہین نظر آتا، جب ناقابلِ انکار واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو تمھاری خوش اعتقادی جاتی رہتی ہے، بالکل یہی حال سوءظن کا بھی ہے اس شعر مین

با سایہ ترا نمی پسندم　　　　عشق است و ہزار بدگمانی

"بدگمانی" کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ ہمارے نقطۂ نظر سے تخیل کے ترغیبی عمل کی بہت اچھی مثال ہی، "سایہ" کو رقیب سمجھکر معشوق سے بدگمان ہونا عاشق کی غیر شعوری نفسی حالت کو مستلزم ہے اگر وہ سایہ کو سایہ سمجھ لے، اور اس کی حقیقت سے واقف ہوجائے تو تخیل کی یہ فریب دہی بھی جاتی رہے،

ذیل کی مثالون سے کسی دوسرے کے متعلق ہمارے تخیلات کا یہ پُر فریب عمل اچھی طرح سمجھ مین آجائیگا،

(۱) ''ا-ب- ایک بالطینت نیک خاتون تھین، ان کے پاس کچھ عرصہ سے ایک ملازمہ نوکر تھی، یہ ملازمہ انتہا درجہ کی جلد باز اور بے سلیقہ تھی اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جب ایک یا دو چینی کے برتن اسکے ہاتھ سے نہ ٹوٹتے ہون، ا-ب اپنی ملازمہ کو جدا نہ کرنا چاہتی تھین، اوس کی طرف سے اونھین ایک خاص حُسن ظن تھا، جب کبھی عقلِ خردہ کار اونھین اپنی ملازمہ کی ناقابلِ اصلاح بدسلیقگی کا یقین دلاتی تو فوراً تخیل کا عمل اوسی ملازمہ کو آیندہ کی باسلیقہ اور محنتی کام کرنے والی عورت بناکر پیش کرتا، مالکہ انھی خوش آیند خیالات مین مصروف رہ کر اوس کے برطرف کرنے کا فیصلہ نہ کر سکتی تھین تاآنکہ ایک روز قیمتی ظروف کا پورا ٹوکرا ملازمہ نے گرا دیا اِس واقعہ سے ا-ب بیدار ہوئین، ملازمہ کی خیالی "سلیقہ شعار تصویر" غائب ہوگئی، اور وہ برطرف کر دی گئی،''

(۲) عین اوسی موقع پر س-ب نامی دوسری خاتون کو ایک ملازمہ کی ضرورت ہوئی اُدن کی پہلی ملازمہ سلیقہ شعار تھی، لیکن س-ب کا سوءظن اوس کی معمولی فروگذاشتونکو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتا تھا ایک دن اتفاقاً اوس ملازمہ کے ہاتھ سے کوئی برتن ٹوٹ گیا تو س-ب کے تخیل نے اِس واقعہ کو یہانتک بڑھایا کہ خیالی دنیا مین اون کو پورا اساس البیت اِس ملازمہ کے ہاتھون برباد ہوتا ہوا نظر آیا، دوسرے دن اتفاقاً خادمہ کا بھائی اوس سے ملنے آیا، س-ب کے تخیل نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اونکو یقین ہوگیا کہ اون کی خانہ داری کی چیزین اس "بھائی" کے ہاتھون فروخت کی جاتی ہین، اب انھون نے اپنی ملازمہ کو برطرف کر دیا اور اُسکی جگہ ا-ب صاحبہ کی ملازمہ کو رکھا، اِس ملازمہ نے حسب عادت آتے ہی نقصان کرنا شروع کیا اِس روح فرسا حقیقت نے س-ب کے تخیل کو دور کر دیا، اور اُنھین اپنی پہلی ملازمہ کو بیقصور برطرف کرنے پر سخت تاسف ہوا،

مذکورۂ بالا مثالین اس قدر عام ہین کہ اون کی صداقت مین کوئی شبہہ نہین ہوسکتا اکثر والدین اپنے بچون کو خراب عادتین اختیار کرتے ہوے دیکھتے ہین لیکن اون کی محبت (یا حُسن ظن) اونھین یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے، کہ "بچہ ہین، آگے چلکر سنبھل جائینگے،، اگر اساتذہ اپنے کسی شاگرد کی طرف سے بدگمان ہوتے ہین تو اس غریب شاگرد کی انتہائی مشقّت بھی انھین "لاپرواہی،، نظر آتی ہے، حتی کہ شاگرد کی ہمت بھی پست ہوجاتی ہے اور بالآخر وہ ناکامیاب ہوتا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ لوگ اس قسم کی پُرفریب ترغیبات کو قبول نہ کرین،

| خود ترغیبی یا ترغیبات ذاتی کی ابلہ فریبیان |

گذشتہ مثالون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تخیلات متعلق بہ دیگر افراد بھی اپنی ذات سے متعلق تخیلات کی طرح نفس کے علم سے باہر ہوتے ہین اور اونکی اصلیت اُس وقت معلوم ہوتی ہے، جب حقیقت اور واقعات کا سامنا ہوتا ہے، یہ سچ ہے، لیکن یاد رکھو کہ متخیلہ مین حقیقت اور اصلیت کے مقابلہ کی بھی اچھی خاصی صلاحیت ہوتی ہے، ایک مرتبہ دو مرتبہ تین مرتبہ بلکہ دس مرتبہ بھی اگر تمھاری ترغیبات کی لغویت تم پر منکشف ہوجائے تب بھی تم اونھین خیالات باطل کی طرف رجوع کروگے اور اپنے آپ کو مثل سابق ترغیب دوگے، ہمارے قوائے عقلیہ مین سب سے زیادہ متخیلہ کے قائم کردہ نقوش دیرپا ہوتے ہین اور مٹ کر دوبارہ قایم ہوجاتے ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ شکی مزاج آدمیون کی اصلاح کرنا اور بدگمان لوگون کی بدگمانی دور کرنا کتنا دشوار ہے، جن لوگون نے اتالیق بیوی (مسز کاڈل کے کرٹین لکچرز کا اُردو مین ترجمہ) کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کی کافی شہادت دے سکتے ہین بیوی کی شوہر کی طرف سے بدگمانیان ہر موقع پر غلط ثابت ہوتی ہین، جب کبھی واقعات کا انکشاف ہوتا ہے، تو اون کے شبہات کو مہمل اور بے سروپا ثابت کرتا ہے لیکن شوہر کی طرف سے اون کی بدگمانی کسی طرح کم نہین ہوتی، یہ تو خیر ایک مثال تھی، ورنہ زندگی مین تخیلات کے یہی کرشمے روزانہ نظر آتے ہین، جو خود فریبی کا ایک

زبردست آلہ ثابت ہوتے ہین کسی جذبہ یا مخفی خواہش سے مغلوب ہوکر شک وشبہہ وخوف ونفرت محبّت یا اِسی قسم کے جذبی اثرات کے زیرنگین ہوکر ہم خفیف ترین وحقیر ترین واقعات کی غلط تعبیرین کرتے ہین، اون مین مبالغہ سے کام لیتے ہین کبھی کبھی تصرف اور ردوبدل بھی کرڈالتے ہین اور اِن نتائج کی بنا پر عجیب وغریب نظرئے اور اُصول قائم کرتے ہین جو مضحکہ خیزی مین زعفران زار کشمیر سے کم نہین ہوتے۔

تخیل جس طرح خود فریبی کا ایک دوامی سرچشمہ ہے اِسی طرح اِس کا استعمال دوسرونکو دھوکہ دینے مین بھی کیا جاتا ہی، اِس قسم کے واقعات عدالتون کے سامنے برابر پیش ہوتے رہتے ہین پُرانے فریبئے اور جعلساز، بیوقوف لوگون کے تخیل اور اِس ذریعہ سے اون کے مال پر قبضہ کرکے چل دیتے ہین، مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی خیالی "**اکبری**" اور پر فطرت "**حجّن**"، محض خیالی نہین ہین، اکبری کی طرح بیوقوف مرد وزن اور حجّن کی طرح عیاری سے ترغیب دینے والے دنیا مین آج بھی موجود ہین تخیل پر قبضہ کرکے دھوکہ دینے کی مثالین اکثر اخبارون مین نظر آتی ہین دغاباز لوگ بڑی بڑی دُکانون مین جاتے ہین اور اپنے آپ کو رئیس ظاہر کرکے قرض مال وصول کرتے ہین قصبات کے مُلّا اور سیانے، دیہات کی کم سمجھ عورتون کے سامنے مستقبل کی دہشتناک تصویرین کھینچتے ہین اور صدقہ کے طور پر انکا زیور اور روپیہ لیکر چلدیتے ہین،

تحریری اور تقریری ترغیبات مین بھی قوت متخیلہ کی فریب دہی سے کام لیا جاتا ہے، ایسے مواقع پر غلط تشبیہات، ناقص تمثیلات اور بے بنیاد موازنون سے کام لیا جاتا ہے، اشتہاری دوا فروشون اور طماع مشنریون سے قطع نظر بعض متین اور سنجیدہ تحریرون اور تقریرون مین بھی اِس کی جھلک نظر آتی ہے کسِی صاحبِ ثروت کو مطعون قرار دینے کے لیئے اوسے شدّاد، یا فرعون سے تشبیہ دینا کسِی شاعر کی ہجو کرنے کے لیئے اوسے قصیدہ خوان کہنا کسی طریق عمل کو بدنام کرنے

کے لیئے اوسے مائل بہ استبداد یا غلامی کے نام سے یاد کرنا کسی جدید رائے کی مخالفت کرنے کے لیئے اسنے "مغربیت" کہنا، یہ سب اسی کی مثالین ہین، عمل ترغیب مین غلط تشبیہات و نظائر کا استعمال ہر ملک کے سیاسی مقررون او مصنفون مین پایا جاتا ہے، اس قسم کی ترغیبات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہو کہ سطحی یا لفظی مشابہت کو حقیقی اور معنوی بنا کر پیش کیا جاتا ہو مثالین جو پیش کی جاتی ہین ایسی ہوتی ہین جن مین جذبات کو برانگیختہ کرنے یا متخیلہ پر قابو پالینے کی صلاحیت تو ضرور ہوتی ہو لیکن اگر چاہو کہ ممثل اور ممثل لہ کے درمیان کوئی علاقہ پایا جائے یا ایک کا دوسرے پر صحیح انطباق کیا جاسکے تو یہ ممکن نہین، ان ہی بنیادون پر استنتاج کیا جاتا ہے جو ظاہر ہے کہ بعید از صداقت ہوگا لسّان وکلار، بازاری زعمار، اشتہاری دوا فروش، جاہل مبلّغ ان سب کی تقریرون مین استدلال کے خشک ٹکڑون کے بجائے مبالغہ آمیز تخیلات کی چاشنی ہوتی ہے، ناسمجھ افراد اس ہوکہ مین آجاتے ہین اور ترغیب دہندہ کی حسب خواہش فعل کرنے لگتے ہین،

فریب آمیز ترغیبات کی جو مثالین ہم نے اس باب مین بیان کی ہین اُن سے اس امر کی توضیح ہوجاتی ہو کہ اکثر اوقات ہماری ترغیبات پر خواہ ذاتی ہون یا صفاتی، متضاد جذبات، غلط استدلالات، اور بے سروپا تخیلات کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے، یہ تینون مؤثرات ایک دوسرے مین ضم ہوکر اور ایک دوسرے کی مدد سے ہماری ترغیبون کو غلط رخ پر لیجاتے ہین جس کا انجام خود فریبی یا فریب دہی ہوتا ہے،

ہماری توضیحات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ باطل ترغیبات، خفیہ طریقہ پر، بغیر ہمارے وقوف کے بھی عمل کرتی رہتی ہین، اکثر اوقات تو ہم اُن اندرونی محرکات سے بالکل ہی واقف نہین ہوتے جو اندر ہی اندر ہم کو تحریک دیتے رہتے ہین، لیکن اکثر جب اونکا تھوڑا بہت علم ہمارے نفس کو ہوجاتا ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ انکا اظہار دنیا کے سامنے ہمارے تہتک کا باعث ہوگا یا خود انکا خیال تک کرنا ہمارے ضمیر کے

منافی ہے تو اِس وقت اِستدلال اور متخیلہ کی ریشہ دوانیاں شروع ہوجاتی ہین، اِن دونون کی مدد
سے ہم اپنے ناگوار محرکات اور خیالات کی ہیئت کذائی کو تبدیل کرکے اون کو اپنے یا دوسرون کے ضمیر
کے لیئے قابل قبول بنادیتے ہین، کسی اِنسان مین اتنی جرأت نہین کہ وہ برملا اون خود غرضانہ اور متضاد
جذبات، بے ثمر یا تخیلات اور غلط دلائل کو برہنگی کے ساتھ دنیا کے روبرو پیش کرے، جو بیداری یا
خواب کی حالت مین اوس کے نفس کے سامنے آتے ہین اور اوس کی ترغیبات کے لیئے فریب آموز
ثابت ہوتے ہین،

چونکہ ترغیب کا عمل اِس طرح پردۂ خفا مین رہتا ہے، اِس وجہ سے جو افعال اوسکی بدولت
سرزد ہوتے ہین، اون پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ ایک بدیہی بات ہے، اِس لیئے
کہ جب تم ایسے محرکات کے زیر اثر ہو جنکا برملا اظہار تم نہین کرسکتے حتیٰ کہ خود اپنے نفس کے سامنے
اونکا اقبال کرتے ہوئے تم نادم ہوتے ہو تو ظاہر ہے کہ تمھارے افعال بھی (خصوصاً جب اون سے
دوسرے بھی متاثر ہوتے ہین) ضرور پردۂ راز مین رکھے جائین گے اکثر اوقات یہی مخفی عمل ترغیب بڑھتے
بڑھتے ایک سازش کی شکل اختیار کرلیتا ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی لڑکی کی شادی ایک
کم استطاعت شخص کے ساتھ ہوئی ہے، اب یہ لڑکی جذبۂ حسد کی تحریک سے اپنی چھوٹی بہن کے خلاف
سازش کرتی ہے، کیونکہ اِس کا آیندہ شوہر ایک ذی ثروت شخص ہے، جذبہ تو حسد کی شکل مین نمودار
ہُوا، اب اِس بڑی بہن کا متخیلہ چار سال بعد کا منظر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اِس خیالی دنیا
مین وہ اپنی چھوٹی بہن کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرتی ہوئی دیکھتی ہے اور خود اپنے آپ کو قلت آمدنی
کی مصیبتون مین گرفتار پاتی ہے، جذبہ کی اِس تحریک اور متخیلہ کی فریب دہی سے متاثر ہوکر وہ اپنی بہن کے
خلاف سازش شروع کرتی ہے، چھوٹی بہن کی موجودگی مین اِس کی آیندہ جدائی کے خیال سے مغموم
نظر آتی ہے، والدین کے سامنے اپنی حیثیت سے بڑھکر رشتہ کرنے کے نقصانات بتاتی ہے خفیہ طریقہ سے

اپنی چھوٹی بہن کی بُرائیاں فریق ثانی تک پہنچاتی ہے اور اون کو ترغیب دیتی ہے کہ اوس کے ساتھ رشتہ کا خیال ترک کردین،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ مذکورہ بالا مثال مین استدلال کا ترغیب پر کوئی اثر نہین پایا جاتا اور یہ کہ کوئی عقلمند بہن اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے ساتھ ایسا سلوک روا نہین رکھ سکتی، یہ اعتراض بالکل بجا ہے، بڑی بہن قوت استدلال سے عاجز نہین ہے لیکن وہ استدلال بجائے اس کے کہ اوس کی خواہشات کی مخالفت کرے اوس کے جذبات کا ہم آہنگ بنگیا ہے اور اوس کی حرکات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے "میرے کرنے سے کیا ہوگا؟" "اگر چھوٹی بہن کی قسمت اچھی ہے تو میری تدبیر کارگر ہی نہ ہوگی" "اگر میری تدبیر کارگر ہوگئی، تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ شادی اوس کی قسمت مین نہ تھی، بہرحال میرا کیا قصور" اس طرح کی خود فریبیون یا یون کہو کہ "تشفی ضمیر کے لیئے" وہ استدلال استعمال کیا جارہا ہے، ہم یہ دعویٰ نہین کرتے کہ مذکورہ بالا مثال سچ ہے، ممکن ہے کہ یہ راقم کے پُرفریب متخیلہ کا نتیجہ ہو اور کسی خواہش سے مجبور ہو کر یعنی دوسرون کو مسئلہ ترغیب کے متعلق اپنا ہمخیال بنانے کے لیئے وہ استدلال کر رہا ہو بہرحال کوئی صورت کیون نہ ہو، اتنی بات مسلمہ ہے کہ حضرت انسان کے گوناگون جذبات کو دیکھتے ہوئے ایک بہن کا دوسری بہن کے خلاف اس طرح سازش کرنا ناممکن نہین ہے،

مختصر یہ کہ جس طرح عمل ترغیب کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہین، یعنی جذبہ متخیلہ استدلال اوسی طرح سے خود ترغیبی، خود فریبی، اور باطل ترغیبات مین بھی یہی تینون علیحدہ علیحدہ عامل رہتے ہین، ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلّی خواہشات ہماری ترغیبون پر حادی رہتی ہین، اون کی تشفی کے لیئے کبھی ہم غلط استدلال کرتے ہین، اور کبھی فضول اور مبالغہ آمیز تخیلات سے کام لیتے ہین، ابتک ہماری بحث باطل ترغیبات اور اُن کے مُضر نتائج سے اُسی حد تک رہی جہان تک افراد کا تعلق ہے، لیکن افراد کی طرح جماعات کو بھی باطل ترغیبات دیجا سکتی ہین یا جماعات خود اپنے آپ کو اس قسم کی ترغیب

دے سکتی ہین، جب باطل ترغیبات کا اثر کسی ذی اقتدار ہیئت اجتماعیہ مین ہوتا ہے جس کے افراد
وحدتِ مساعی و مقاصد کے رشتہ مین منسلک ہوتے ہین، تو اوس صورت مین ان کے مضر اثرات تعداد
افراد کی مناسبت سے اور زیادہ ہوجاتے ہین اور اونکا دائرہ بھی وسیع ہوجاتا ہے، اون کی وساطت
سے طاقتور جماعتین اپنے افراد اور دوسری کمزور جماعتون کو اپنے قابو مین رکھنے کی کوشش کرتی
ہین، تہدید عدمیت [illegible] — [illegible]) نراج یا فوضویت ([illegible]
[illegible] — انتفاع ناجائز، اور بہت سے دوسرے مضر اثرات رونما ہوتے ہین اور حیات اجتماعیہ
کے ہر شعبہ پر اپنا مُضر اثر ڈالتے ہین پس اِس قسم کی ترغیبات کا تجزیہ قومی اور جماعتی اعتبار سے نہایت
مفید ہوسکتا ہے، اور آیندہ باب مین اسی سے بحث کیجائیگی،

بابِ سوم

جماعات کی ترغیب کے طریقون سے بحث، افرادِ جماعت پر اون کے مُضر اثرات، تہدید، وانتفاعِ ناجائز

عصرِ جدید کا جماعت بندی کی طرف رجحان، **زمانہ** حال مین فرقہ بندی کا جو عام رجحان دیکھنے مین آتا ہے اُسکی مثال گذشتہ تاریخ مین کہین نظر نہین آتی، ابھی زیادہ زمانہ نہین گذرا کہ جماعت، انجمن وغیرہ کا اتنا چرچا نہ تھا، ہر شخص بجائے خود سعی و کوشش کرتا تھا، لیکن آج صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے، ایک خیال، ایک پیشہ، اور ایک ہی اغراض و مقاصد رکھنے والے افراد ہر طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے مخصوص حلقے اور گروہ بنا رہے ہین، ریل، تار، لاسلکی پیغام رسانی، ہوائی جہاز اور دیگر وسائل آمد و رفت نے بُعد مکانی کو مٹا دیا ہے، اور مقام اور جگہ کی قیدین ترسیل و تبادلۂ خیالات مین حائل نہین ہوتین، اس مدنی رجحان کا نتیجہ ہم آج یہ دیکھ رہے ہین کہ مختلف جماعات اپنا اپنا حلقۂ اثر وسیع کرنے کی کوشش کر رہی ہین، اپنے مقاصد و اغراض کی تکمیل کے لیئے افراد کو عجیب و غریب طریقون سے ترغیب دیتی ہین، جن طریقون سے یہ ترغیب دیجاتی ہے، اور افراد پر اون کا جو کچھ اثر ہوتا ہے، وہ شاید موجودہ زمانہ سے زیادہ کبھی نہ ہوا ہوگا،

زندگی کے جس شعبہ کو لو، اُس مین تمھین جماعت بندی، شرکتِ عمل، مشترکہ جد و جہد کا

رجحان روز افزون نظر آئے گا، مذہب کے فرقے تو قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہین، لیکن انمین بھی جتنی تنظیم وتنسیق، اور باقاعدگی آج دیکھنے مین آتی ہے، زمانہ سابق مین اوس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، علمی جماعتین علیحدہ قائم ہین، ایک ہی خیال، یا ایک ہی نظریہ کے قائلین، یا کسی خاص مذہب کے معتقدین علیحدہ علیحدہ حلقون مین تقسیم ہوگئے ہین اور ہر حلقہ اپنے نقطۂ خیال کی حمایت مین کسی ممکن کوشش سے دریغ نہین کرتا، پیشہ ورون مین بھی اِسی حلقہ بندی کا زور و شور ہے، بار ایسوسیئیشن (Bar association) یعنی انجمن وکلاء، اساتذہ کی کانفرنس، ڈاکٹرون کے کلب، انجینیرون کی سوسائٹیان، یہ ہمارے ہندوستان مین بھی موجود ہین اور ابھی ابھی حال مین کارکنون اور مزدورون کی جماعتین، اور آل انڈیا نائی کانفرنس بھی وجود مین آچکی ہین، غرضکہ ہر پیشہ نے اپنا اپنا نظم ونسق مرتب کر لیا ہی، اپنی بقا وتحفظ کے لیئے ایک مشترکہ نظام عمل کی پابندی متعلقہ افراد پر لازمی قرار دیدی ہی، تجارت مین بھی بعینہٖ یہی کیفیت نظر آتی ہو، ایوانہائے تجارت، انجمن ساہوکاران، غرضکہ ایسی ہی اور جماعتین ملک کی تجارت کو اپنے ہاتھ مین لئے ہوئے ہین اور غریب دوکاندار جو انفرادی حیثیت سے کاروبار کرتے ہین رفتہ رفتہ جماعتون کے دباؤ سے متأثر ہو رہے ہین اور میدان عمل سے پیچھے ہٹتے چلے جا رہے ہین، سیاسیات مین دیکھو تو وہان بھی یہی زور و شور ہے، اخبارات ایک ہی حلقۂ اتحاد مین جمع ہوکر گورنمنٹ کی پالیسی کو اپنے اثر مین لانا چاہتے ہین، اور عام لوگون پر اپنا رسوخ جتاتے ہین، سیاسی فرقے کثرت سے ملک مین قایم ہین اور وقت اور حالت کے اقتضاء سے برابر مٹتے یا وجود مین آتے رہتے ہین، ماڈریٹ (اعتدال پسند) - لبرل، اکسٹیرمیسٹ (انتہا پسند) - کوآپریٹر (موالاتی) - نان کوآپریٹر (عدم موالاتی) - غرضکہ متعدد گروہ اِس کوشش مین مصروف ہین کہ گورنمنٹ کو اپنا ہمخیال بنا ئین، یا ملک مین اپنے شرکائے خیال وعمل کی تعداد مین اضافہ کرین

اِس سے

تو کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ کسی جماعت کے مختلف افراد کا تعاون وتعامل اون کے مقاصد فی الوقت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے، یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ مِل جُل کر کام

کرنے سے بہت سے عملی فوائد رونما ہوتے ہین، ہم یہ بھی نہین کہتے کہ جماعت بندی کے نتائج صرف مضر ہی ہوتے ہین اونکا مفید ہونا یا مُضر ہونا، ان جماعتون کے مقاصد اوران مقاصد کے حصول کے طریقون پر منحصر ہے، پھربھی اتنی بات ضرور ہے کہ جب دو گروہ اپنے اقتدار کے لیے کوشان ہون تو اوس صورت مین بعض خامیون کا وجود لازمی ہے اور یہ خامیان کیا ہین؟ یہی ترغیبات باطل (اپنے حلقہ کے افراد کو غلط ترغیبات دیکر اون سے منافی ضمیر افعال سرزد کرانا، یا دوسری جماعتون کے افراد کو ترغیب دے کر اپنے حلقہ مین لانا) انتفاع ناجائز (یعنی مدنی اور اجتماعی دباؤ ڈالکر افراد سے کام لینا) تہدید وغیرہ موجودہ باب مین انہی سے بحث کیجائے گی،

تشکیل جماعت مین نفس انسانی کی صفت، اثر پذیری کا حصّہ اور اُسکے اثرات،

اثر پذیری نفس اِنسانی کا فطری اور ذہنی خاصّہ ہے، یہ اِسی صفت کا نتیجہ ہے کہ ہم اکثر اوقات بعض معتقدات کو بلا تجسس ثبوت یا استدلال محض اِس وجہ سے قبول کر لیتے ہین، کہ دوسرون کے بھی یہی معتقدات ہین، اب خواہ تم اِسکو نفس انسانی کی کمزوری ہی کیون نہ قرار دو، تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اِس خاصّۂ نفس کا اثر حیات ملیّہ پر بہت کچھ ہوتا ہے، اگر دماغ انسانی اِس صفت سے متّصف نہ ہوتا، تو حیات مدنی کا وجود بھی نہوتا، مثال کا اثر، صحبت کا اثر، تقلید، ترغیب یہ سب سرے سے وجود ہی مین نہ آتے، کیونکہ اچھی یا بری مثال سے متأثر ہونا، کسی خاص رویّہ کی تقلید کرنا، یہ دونون کے دونون اِس صفت کے وجود کو مستلزم ہین، اِسی طرح سے عمل ترغیب مین بھی اِس کا وجود لازمی ہے کیونکہ اوّلاً تو جن اساسی اعتقادات سے عمل ترغیب شروع ہوتا ہے (ملاحظہ ہو باب اول) وہ اِسی خاصۂ اثر پذیری کی بدولت ہمارے نفس مین جاگزین ہوتے ہین، ثانیاً دوسرون کی ترغیب کا قبول کرنا، یا خود ہمارا دوسرون کو ترغیب دینا کل وجُز اِسی پر منحصر ہے، اگر یہ نہوتا تو کسی مقرر یا مصنّف کے لیے دوسرون کو اپنا ہمخیال بناکر اون سے اپنی حسب خواہش افعال سرزد کرانا قطعاً نا ممکن ہو جاتا،

اثر پذیری[1] کے نتائج اصلی رنگ مین، جماعتون مین نظر آتے ہین، جب متعدد افراد "انبوہ" کی شکل مین مجتمع ہوجاتے ہین اُس وقت اون کی انفرادی حیثیت باقی نہین رہتی، شخصیت ذاتی تشریف لیجاتی ہی، آزادیِ راے وخیال کی بجائے کورانہ تتبع وتقلید کا عمل ہوتا ہے، ایسے ہی مواقع پر زعمار عوام کی صفت اثر پذیری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہین، انبوہ واثردحام سے قطع نظر، انجمنون اور جماعتون کے افراد مین بھی اثر پذیری کا مادہ ہوتا ہے، جب ایسی صورت ہو تو افراد کا ہیئت اجتماعیہ کے دباؤ سے متاثر ہوکر اپنے نفوس کو غلط ترغیب دینا یا غلط ترغیبات کو قبول کرلینا مقام تعجب نہین ہی، سطحی دلائل اور جذبات، اور تخیلات کی متناقض اپیلین گو ہر مقصود کے حصول مین صرف کی جاتی ہین کسی اپیل کے مدلل اور مہمل ہونے سے بحث نہین کی جاتی، حصول مقصد کی صلاحیت اوسمین ہو تو اوسے آنکھ بند کر کے قبول کرلیا جاتا ہے، ہر جماعت کی تنظیم اور اوس کے ضوابط وقواعد اس بات کے متقاضی ہوتے ہین کہ اوس کے افراد مشترک اغراض کے حصول مین ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائین اور ذاتیات (حتی کہ بعض اوقات ضمیر کی مخالفت کو بھی) خارج از بحث قرار دین، ظاہر ہے کہ جب یہ حالت ہو تو ہر فرد کا قدرتی رُجحان اسکو اس امر پہ مجبور کرتا ہے کہ کسی چیز کو قبول یا رد کل جماعت کے لیے مفید یا مضر ہونے کے لحاظ سے کرے اور اِس قدرتی رجحان کو نفس انسانی کے خاصّہ اثر پذیری سے بہت تقویت پہونچتی ہے،

افراد جماعت کی ناجائز ترغیبات، بکانفس تلبیسات

اثر پذیری سے جو بحث ابتک کی گئی اوس سے یہ تو واضح ہوگیا ہوگا کہ عمل ترغیب مین اس کی موجودگی ضروری ہے نیز ایک حد تک اون نتائج قبیحہ کا بھی اندازہ ہوگیا ہوگا جو "اثر پذیری" کی بدولت مترتب ہوسکتے ہین، یہانتک تو خیر تمہیدی بحث تھی

[1] ممکن ہو تو ناظرین فلسفہ اجتماع (مصنفہ مولوی عبد الماجد صاحب) مین "اثر پذیری" کا باب بالاستیعاب ملاحظہ فرمائین، اِسکی مکمل بحث موجودہ حد نظر سے باہر ہے، مؤلف،

اب دیکھنا یہ ہے کہ جماعات کسے زیر اثر آکر افراد پر کیا کیا بندشین عائد ہو جاتی ہین یا وہ خود کسی فعل ناجائز کے جواز کی کس طرح کوشش کرتے ہین،

کسی جماعت کے افراد کے لیئے جو باہمی امداد کا عہد و پیمان کر چکے ہون، یہ ناممکن نہین تو ذرا دشوار ضرور ہی کہ وہ کس قسم کی آزادخیالی سے کام لے سکین یا فریق غالب کی رائے کی مخالفت کرین، اگر کوئی فرد ایسا کرے تو اوسے فوراً خارج کر دیا جاتا ہے، ہر طرح کی اخلاقی، معاشرتی بندشین عائد کی جاتی ہین، ہر قسم کی باہمی مراعات سے جو اس جماعت مین ہون دست بردار ہونا پڑتا ہے انگلستان مین اور کسی قدر ہندوستان مین بھی یہی کیفیت نظر آتی ہی، طبابت اور قانون ان دونون پیشون نے ایک قسم کا معیار عمل مقرر کر لیا ہے جو ان کے افراد کے لیئے قانون کا حکم رکھتا ہے، اس کو پروفیشنیل ایٹیکیٹ (Professional etiquette) (دستور حرفہ) کہتے ہین، اگر کوئی بدقسمت شخص اس مقررہ روش کے خلاف چلے تو اوسے فی الفور علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اور حق رکنیت کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات اس بیچارے کو پیشہ سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے، اس دباؤ کا اثر کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ اگر کسی فرد کو جماعت کی منظورہ قرارداد سے اتفاق نہ بھی ہو تب بھی اوسے اپنے ضمیر کا مُنھ مار کر اپنی رائے کو دوسرون کی رائے کے مُطابق کرنا پڑتا ہی، اور چار و ناچار فریق غالب کا شریک کار ہونا پڑتا ہے خود ہندوستان کے بعض قصبات مین "حقہ پانی بند کرنے کی" دھمکی جو کارگر اثر رکھتی ہی وہ اکثر اوقات ضمیر کی آواز کو اپنے اندر دبا لیتا ہے،

دوسرے باب مین جو کچھ ضمیر کی مُخالفت اور اس کی تردید کے متعلق کہا جا چکا ہے اُس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ہر شخص کا ضمیر لازماً اوس کے افعال بد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، لیکن اس کو فوراً ہی اطمینان دلا دیا جاتا ہے اور اس طرح صدائے مخالف کو خاموش

کر دیا جاتا ہی، بعینہٖ یہی حال جماعت کی ترغیبات کا ہی، اگر مین کسی جماعت کا رُکن ہون اور وہ جماعت ایسی جماعت ہی کہ جس سے میرے فوائد بڑی حد تک وابستہ ہین، تو مین اوس جماعت کی ہر تجویز کو منظور کرنے پر مجبور رہونگا، اب ایسی صورت مین فرض کرو کہ جماعت غلبہ آرا سے کوئی ایسی تحریک منظور کرتی ہی جو میرے ذاتی اعتقادات کی مخالف ہی، اگر میرا ضمیر پختہ ہے تو مین اوس کو ماننے سے انکار کر دونگا اور ہر طرح کا خمیازہ برداشت کرنے کے لیئے تیار رہونگا، لیکن دوسری صورت مین (یعنی جب مین اپنے فوائد پر ضمیر کو قربان کرنا چاہون) سہل سی دلیل یہ ہوگی "یہ تحریک اگر ناجائز ہو تو ہوا کرے مین اپنی جماعت اور اوس کے دیگر افراد کی بھلائی کو مدنظر رکھکر اس کے موافق رائے دیتا ہون" عام الفاظ مین یون سمجھو کہ جماعت کے اثر سے کبھی کبھی لوگ اِس پر مجبور ہوتے ہین کہ اپنے اعتقادات ترک کر دین یا اونکا برملا اظہار نہ کرین، یا پھر ضمیر کی مخالفت کو رد کرنے کے لیئے مذکورۂ بالا کیدِ نفس سے کام لین، اِس خیال کے معتقدین کی نگاہون مین اگر "نتائج کا حُسن"، وسائل کے شر کو زائل کر دیتا ہے تو مذکورۂ بالا دلیل یقیناً قابل قبول ہوگی، لیکن خود یہ عقیدہ جتنا فریب دہ اور باطل ہی، وہ ہم گذشتہ باب مین دیکھ چکے ہین، اِس پردہ کے پیچھے جذبۂ حکومت پسندی، ظلم یا انتقام کی تشفی کیجاتی ہے اور اس کو ظاہر مین "ایثار" کا خوشنما لباس پہنا دیا جاتا ہے،

اثر پذیری کے انتہائی کرشمے اکثر اُن جماعتون مین دیکھنے مین آتے ہین جو خوف کو کام مین لاتی ہین "اور سرکش"، افراد کی تہدید و سزا کے ذرائع استعمال کرتی ہین، جن اصحاب نے انجمن اتحاد ترقی ٹرکی یا انارکسٹ پارٹی بنگال، یا سوویٹ پارٹی روس کی کارروائیان پڑھی ہین وہ اچھی طرح جانتے ہین کہ یہ مجلسین خفیہ طور پر تہدید کے کیا کیا ذرائع کام مین لاتی تھین، جرمنون کا محکمۂ جاسوسی بھی اِسی قسم کا تھا، سلطنت جرمنی آغازِ جنگ سے قبل چالیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف اپنے جاسوسون پر صرف کیا کرتی تھی، اِس زرِ کثیر کے خرچ سے نظم و نسق کی جو آسانیان حاصل ہو سکتی ہین اوس کا اندازہ اِسی سے ہو جائے گا کہ ہر

جرمن جاسوس اِس پر مجبور تھا کہ شرکت عمل کرے اور آزادیِ عمل سے دست بردار ہو جائے، جرمن محکمۂ جاسوسی مین ایسے واقعات متعدد بار پیش آئے ہین کہ کسی سربرآوردہ جاسوس پر شبہہ کیا گیا ہو کہ وہ انگریزون سے مِلا ہوا ہے، اور اِسی شبہہ کی پاداش مین اوسے خفیہ طریقون پر قتل کر ڈالا گیا ہو،

بقائے جماعات کے زبردست ترین موید (۱) جذبۂ خوف اور (۲) حصول اقتدار کا جذبہ ہین،

ہم ابھی کہہ آئے ہین کہ جماعتون کو اپنے افراد کو قابو مین رکھنے اور اونھین اپنے حسب منشا ترغیب دینے کے لیئے خوف کے جذبہ سے کام لینا پڑتا ہے، اِس کی مثال مین جرمن محکمۂ جاسوسی کو پیش کیا جا چکا ہے جب ایسی صورت ہو تو کسی فرد کے لیئے یہ قریب قریب محال ہے کہ وہ اپنی جماعت کے خلاف جائے اس کی کوشش اکثر جان لیوا ثابت ہوتی ہی، نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ وہی فعل جو ایک شخص اپنی جگہ پر بہت کچھ پس و پیش کے بعد کرتا، جماعت کا رکن بنکر وہ آنکھ بند کر کے کر گزرتا ہی، اور اپنے دِل کو اِس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ "یہ کام برُا ضرور ہی لیکن چونکہ اِس سے بالآخر میری جماعت کا فائدہ ہی، لہٰذا دوسرون کے لیئے اسے کرنے مین کچھ ہرج نہین ہے"،

کسی فردِ جماعت کے نقطۂ خیال سے جذبۂ خوف کا یہ عمل ایک معروضی حیثیت رکھتا ہے، یعنی یہ کہ جماعت خوف دلا کر اوس کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کرتی ہی، اور اس طرح جماعت کے نظم و نسق مین فرق نہین آنے پاتا، یہ تو خیر ایک صورت ہے، لیکن اِسی مسئلہ کی دوسری حیثیت موضوعی ہی، یعنی ہر فرد کسی خوف سے نہین بلکہ اپنے جذبات کی آزادانہ تحریک سے کسی جماعت کے ساتھ ملکر کام کرتا ہی، ان جذبات مین جو اِس طرح افراد کو تحریک دیتے ہین سب سے زبردست جذبۂ خواہشِ اقتدار ہی جو مختلف اور متضاد خیال کے افراد کو ایک ہی رشتۂ اتحاد مین منسلک رکھتا ہی،

ہر گروہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہی کہ اوس مین کم و بیش حکومت یا اقتدار کا شوق ہوتا ہے، اور فی الحقیقت گروہون کے وجود کا بانی یہی جذبہ ہوتا ہی اور اسے "تحفظ حقوق" کا خوشنما نام دیا جاتا ہے

اگر تم انفرادی حیثیت سے کسی مجلس کے ارکان پر نظر ڈالو تو تمھین معلوم ہوگا کہ اون مین غالب تعداد ایسے افراد کی ہی جن کو کسی قسم کا اقتدار حاصل نہین ہی، سرمایہ دارون کی انجمن کو بطور مثال لو، کتنے فیصدی سرمایہ دار ایسے ہین جو بطور خود مزدورون یا خریدارون یا گورنمنٹ پر کسی قسم کا دباؤ ڈال سکین اور اون سے اپنے طرزِ عمل کا تتبع کرا سکین، لیکن جب یہی افراد کسی جماعت مین "بحیثیت اراکینِ انجمن سرمایہ داران یا "ممبرانِ ایوان تجارت" شریک ہوجاتے ہین، تو ہر فرد اپنی قوت اور حکومت کو بڑھا ہوا پاتا ہی، اور فی الحقیقت اوس پوری جماعت کے حصۂ حکومت و اقتدار مین سے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ حصہ (نشکل و ٹ) مِل ہی جاتا ہی، جذبۂ حکومت پسندی عالمگیر ہے، ہر شخص مین تھوڑا بہت موجود ہوتا ہی، بقول نطشے[1] (Nietzsche -) غلامون مین بھی آقا بننے کی خواہش موجود ہوتی ہی، ایک اور لطف یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ حکومت یا اقتدار کسی کو ملجاتا ہی تو پھر آسانی سے اسے چھوڑا نہین جاتا، بہت سے لوگ جو فرداً فرداً اتنی استعداد نہ رکھتے تھے کہ دوسرے لوگون کی رائے یا اون کی زندگی کو متأثر کردین وہی لوگ جب کسی جماعت کے اراکین بنجاتے ہین تو اون کو اقتدار کا لطف آتا ہی اور جتنا زیادہ جو شخص انفرادی طور پر نااہل ہوتا ہی اتنی ہی اوسے اقتدار مکتسب مین مسرت ہوتی ہی اور وہ اپنی جماعت کے طفیل مین حاصل کی ہوئی حکومت سے مخمور ہوجاتا ہی، اِس قسم کے کم ظرفون سے قطع نظر اکثر قابل افراد کو بھی اقتدار مین ایک خاص لطف آتا ہی اور وہ بھی اِس کا ناجائز استعمال کر گذرتے ہین، ایوانِ اقتدار کی جگمگاہٹ کچھ عجب تاثیر رکھتی ہی، تمام افراد کے چہرے ایک ہی غازے مین رنگے ہوئے نظر آتے ہین اور بڑے بڑے علما و فضلا بھی اپنی قبائے علمیت اور دستارِ فضیلت کو اُتار پھینکتے ہین اور

[1] (Nietzsche) ایک مشہور جرمن فلاسفر گذرا ہی جس نے سنہ ۱۹۰۰ء مین انتقال کیا ہی، اِس فلسفی کی خاص تلقین یہ تھی کہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا چاہیے، اُس کی اِس تلقین کو غلط معنی پہنا کر انگلستان کے فلاسفہ اور مدبرین نے گذشتہ جنگ جرمنی کی ذمہ داری اسی کے فلسفہ پر عائد کی ہی، اوسکے عام فلسفہ کا اندازہ ڈاکٹر اقبال کی نظم "شوپن ہار و نیٹشا" (پیام مشرق) سے ہوسکتا ہے۔

اور عوام کی طرح عمل کرنے لگتے ہین،

اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ "حکومت و اقتدار کو تم کیسا سمجھتے ہو؟" تو ہمارا جواب یہی ہو گا کہ فی نفسہ اقتدار کو نہ تو خیر کہا جا سکتا ہے اور نہ شر، اس کا خیر یا شر ہونا محض اضافی ہے، اور طریقۂ استعمال اور نقطۂ خیال پر بہت کچھ منحصر ہے "زر" کی طرح "زور" کو بھی ایک واسطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے، مال و دولت کے متعلق ہم دیکھتے ہین کہ شروع شروع ہین ان کے حصول کی خواہش محض اسلیئے ہوتی ہی کہ ان کو "ذریعہ" بنا کر ضروریاتِ زندگی پوری کی جائین، لیکن رفتہ رفتہ یہی خواہش "عشقِ زر" مین تبدیل ہو جاتی ہی اور انسان کو لئیم بنا چھوڑتی ہی، بعینہ یہی حال اقتدار کا بھی ہی، اگرچہ اوّل اوّل اس کا استعمال کسی مقصد کے حصول کے لیئے بطور ذریعہ یا واسطہ کے کیا جاتا ہی لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال جاتا رہتا ہی اور اقتدار کو بجائے خود نصب العین قرار دے لیا جاتا ہی جب ایسی صورت ہو تو اوس وقت اپنے نفس کو باطل ترغیب دینا زیادہ دشوار نہین رہ جاتا ہم آسانی سے اپنے آپ کو یہ ترغیب دے سکتے ہین کہ ہر وہ فعل جو اقتدار کے منافی ہو شر ہے اور ہر وہ کام جس سے حکومت کا حلقۂ اثر وسیع ہو جائے احسن ہی،

جماعتون کی باطل ترغیبات اور اونکے طریقے،

چونکہ تمام جماعتون کا مقصد اصلی کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا ہے، لہذا ترغیب کی خود فریبیان افراد کی طرح اون مین بھی نظر آتی ہین، اکثر جماعتین خود مختارانہ، ظالمانہ اور غیر منصفانہ افعال کرتی ہین اور پھر بھی ان افعال کا قبیح ہونا اونھین نظر نہین آتا بلکہ ان کے جواز کی کوشش کی جاتی ہی، اس کی وجہ وہی ہے، جو باطل ترغیبات کی ہم باب دوم مین بتا آئے ہین، یعنی "کسی اعتقاد (مثلاً حصول اقتدار) کو حق بجانب تسلیم کر کے اوس پر عمل پیرا ہونا اور اعتراض کی صورت مین تخیل کی ابلہ فریبی یا سوءِ استدلال سے مدد لیکر اوسے بجا ثابت کرنے کی کوشش کرنا" اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جماعت غیر منصفانہ یا ظالمانہ افعال کرنے کے بعد اونھین مفاد عامہ، اور خلوص نیت پر مبنی بتلاتی ہی، اسی طرح سے ہر جماعت تمام دوسری جماعتون کو (عام اس سے کہ وہ اوس کی مؤید ہین یا مخالف) اپنا قطعی دشمن خیال کرتی ہے

اور استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ دوسری جماعتین اون کے اقتدار کی مخالف یا علی الاعلان اوس کی موافق نہین - بقول لینڈر (Landor) اِس گروہ کی مثال بالکل اوس شخص کی سی ہو کہ جو کسی نابینا شخص کو دھول مارتا ہے، اِس وجہ سے نہین کہ وہ غلط راستہ پر جا رہا ہے بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ اِس کو اپنا رہبر کیون نہین بناتا،، ہمارے ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت مین بہت سی جماعتون کا یہی رنگ ہی، اعتدال پسند طبقہ دوسرے گروہون کا محض اِس وجہ سے مخالف ہو کہ وہ اُنکے بتائے ہوئے راستے پر کیون نہین چلتے، اِسی طرح اکثریت پسند طبقہ دوسرے تمام طبقونکا دشمن ہو اور "اندھے" کے سر پر محض اِس وجہ سے دھول مارتا ہے کہ وہ اسکی رہبری کیون نہین قبول کرتا، طاقتور جماعتون کو اپنے تعدادی یا مالی غلبہ کی بدولت کمزور جماعتون کی "تادیب و تنبیہ" کے بہانے دلی کدورت نکالنے کے خوب موقع ملتے ہین، ہر گروہ مین بجائے عمومیت کے تخصیص و استثنائیت کو بہت کچھ دخل ہوتا ہو مثلاً خاص افراد کو داخل کرنا یا خاص شرائط کے ماتحت رُکن بنانا - اِس استثنائیت کا نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہین کہ ہر گروہ اپنی محدود تعداد کے علاوہ بقیہ دیگر افراد سے برسرِ پیکار رہتا ہے یہ محض تنگ نظری اور تعصب ہی، خاندانون مین بھی اس کی مثالین دیکھنے مین آتی ہین، وسیع کنبون کی بڑی بوڑھیان اپنے "گلزار" کے سوا اور تمام دنیا کو ہیچ خیال کرتی ہین، اون کو تعجب ہوتا ہو کہ ان کے خاندان سے باہر رہ کر لوگ کِس طرح خوشی و خرمی سے زندگی بسر کرتے ہونگے، حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہی ؎

وہی اون کی دنیا وہی اون کا عالم ہین تالاب مین مچھلیان کچھ فراہم

ہم دیکھ چکے ہین کہ ہر گروہ کے وجود مین آنے کی محرک خواہشِ اقتدار ہوتی ہے اور دنیا کے سامنے اون کے اغراض و مقاصد کے کیسے ہی خوشنما جال کیون نہ پھیلائے جائین پھر بھی یہی چیز ہے جو اونکا مخفی نصب العین ہوا کرتی ہے، یہ تو ہوا لیکن بقائے اقتدار کے لیئے اِس کی بھی ضرورت ہو کہ ہر گروہ مین کچھ ضوابط و قواعد قرار دیئے جائین اور اوس مین تنظیم و تنسیق کا وجود ہو، جو لوگ حلقہ جماعت سے باہر ہین

اون کو مرعوب اور اندرون حلقہ، اپنے ارکان کو مخوف کرکے کاربرآری کا یہی آلہ ہے، ایک بات اور ہے کہ جتنے زیادہ ارکان کسی جماعت مین داخل ہونگے یا جتنا زیادہ اقتدار حاصل کرنا اس جماعت کا مطمحِ نظر ہوگا اوتنی زیادہ تنظیم و تنسیق اوس مین لازم آئیگی، ہندوستان مین قومی جماعتون کی تنظیم و تنسیق پر آجکل بہت زیادہ زور دیا جارہا ہے، تبلیغ و اشاعت کے پیچیدہ طریقے، مشترکہ طور پر کام کرنے کی تدبیرین، اشتہار بازی، رسالہ نگاری، جلوس، رضاکارون کی بھرتی یہ چیزین قریب قریب ہر جماعت مین پائی جاتی ہین اور صرف اِس پر اکتفا نہین کی جاتی بلکہ دوسرے ملکون کی جماعات اور اون کی باقاعدگی مثالاً پیش کی جاتی ہی، یہ سب کچھ ضروری ہی سہی لیکن پھر بھی تنظیم و تنسیق مین بہت کچھ خرابیان مضمر ہین، جس ترتیب و نظام کے ساتھ جرمنی کا ہر شعبہ کام کرتا تھا وہ ہر شخص پر ظاہر ہی، چوبیس گھنٹے پہلے اِطلاع مِلنے پر تمام ملک سے ساٹھ لاکھ سپاہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہوسکتی تھی، اور اون کی رسد وغیرہ کا بہترین انتظام ہوسکتا تھا، لیکن نتیجہ جرمنی کی کامیابی نہ ہوسکا، ہم نظم و نسق، باقاعدگی و ترتیب وغیرہ کے مخالف نہین ہین بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ان چیزون کے بغیر کامیابی محال نہین تو دشوار ضرور ہے، لیکن پھر بھی کیا کبھی تمہارے دل مین یہ خیال نہین گزرتا کہ اگر دنیا مین معصوم اور صاف دل آدمیون کی آبادی ہوتی تو اون کو تنظیم و تنسیق کی نہ تو کوئی ضرورت ہوتی اور نہ خواہش اور نہ اون کی زندگی، ذمہ داریون کے بار اور پابندیون کی کشاکش سے اتنی جکڑی ہوئی ہوتی جتنی کہ ہماری زندگی ہی، یہ سچ ہی کہ اِن چیزونکا بُرا یا بھلا ہونا ان کے استعمال پر منحصر ہے لیکن پھر بھی کم از کم اتنا تو وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جس جماعت کا نظم و نسق زیادہ پیچیدہ ہوگا اتنی ہی زیادہ اس مین تباہی و ناکامی کی صلاحیت مضمر ہوگی، جب کوئی جماعت اپنے قواعد و ضوابط کو اتنا سخت اور ناممکن التاویل بنالے کہ کسی فرد کو اوس سے سرمو تجاوز کرنے کی اجازت نہو تو بتلاؤ کہ اوس جماعت کے افراد کی حیثیت محض میکانکی رہ گئی یا نہین؟ نظم و نسق مین اِس قدر مُبالغہ، باقاعدگی کا مُرادِف نہین ہوسکتا، اور جو گروہ اپنے اقتدار کی بقاء

اور ترقی کے لیئے سخت ترین نظام مرتب کرتے ہین، وہان بے قاعدگی اور انتشار کا جلد از جلد ظہور لازمی

ہی، فطرت انسانی کے لیئے اٹل قوانین وضع کرنا دشوار رہا ہے،

اقتدار کا تیز اور با اثر استعمال صرف وہی ہستی (خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی) کر سکتی ہی

جس کو افراد کی ضروریات کا مطلق لحاظ نہ ہو، جو اپنی طاقت سے واقف اور دوسرون کی رضامندی

اور تعاون سے بے نیاز ہو کر افراد کو مشین کی طرح استعمال کرتی ہو، جب کوئی جماعت اسطرح اپنے اعلی نظم

ونسق کو حصول اقتدار کے لیئے استعمال کرے تو اوس کی کارروائیان زیادہ تر پیچیدہ اور پوشیدہ ہوتی

ہین، برسر اقتدار جماعتین اپنے اقتدار کو بالا رکھنے کے لیئے افراد سے ناجائز طور پر فائدہ حاصل کرتی ہین؛

لیکن انھین اس انتفاع ناجائز مین کامیابی اسی وقت نصیب ہوتی ہو جب سب کارروائیان پوشیدہ

طور سے کی جائین، کسی فعل کی پوشیدگی کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ فاعل انجام پر اور اپنی ذمہ داریون پر

نظر نہین ڈالتا، کسی فرد کی مثال لو اگر وہ پوشیدہ طور پر کوئی کام کر رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اوس کو

میری یا تمھاری طرح اپنی ذمہ داریون کا خیال اِس کام سے باز نہ رکھے گا، ذمہ داری کا احساس جب ہی

جبکہ مسئولیت اور جوابدہی کی نوبت آئے، لیکن جب کوئی کام پردۂ اخفا مین ہو رہا ہو تو اوسے جانے گا

کون اور اوس کی مسئولیت عائد کس پر ہو گی، باقی رہا یہ سوال کہ ایک اور ہستی ہم سب کے کامون کو بنظر

غائر دیکھ رہی ہے اور مَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ خَیرًا یَّرَہٗ وَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ واقعی سچ ہی؛

تو بدقسمتی سے ایسے افراد اپنے ضمیر کی اچھی طرح زبان بندی کر دیا کرتے ہین، جس گروہ کی تنظیم و تنسیق محض

حُبِ اقتدار کی وجہ سے ہو، وہان خفیہ کارروائیون کا بہی زور و شور ہو گا، کیونکہ اِس جماعت کے کارکن

بجز اپنے حلقہ کے اور کسی کے سامنے اپنے افعال کے جوابدہ نہین ہین، اسی خیال کو مدنظر رکھکر کام کیا جاتا

ہے اور دل کی تسلی کے لیئے یہ خیال کافی سمجھا جاتا ہے، کہ پوری جماعت کا فائدہ مدنظر ہے،، ع

درازدستی این کوتہ آستینان بین

مذہبی دنیا مین دیکھو تو وہان بھی فریب آمیز ترغیبات کی تحریک اکثر اوقات ایک مذہب کے معتقدین پر دوسرے مذہب کے پیروؤن سے ظلم و تشدّد کرا چھوڑتی ہی تاریخ مین مذہبی تشدد کی مثالین کثرت سے مِلتی ہین اور ہر صورت مین جبر و تشدّد کی وجہ یہی نظر آتی ہو کہ کوئی برسر اقتدار مذہبی فرقہ اپنے مخالف فرقون کو نیست و نابُود کرنا اور اسطرح اپنے اقتدار مین اضافہ کرنا چاہتا ہے،

کسی قدیم مذہبی فرقہ کو جب نئی روشنی کی تحریکات سے سابقہ پڑتا ہے اور اُسے فکر ہوتی ہے کہ اِس نئے دشمن کے مقابلے مین اپنے اقتدار کی حفاظت کرے تو اوس وقت عجیب و غریب ترغیبات سے کام لیا جاتا ہے اور یہ زیادہ تر وہین ہوتا ہے جہان کہ اِس مذہب کے پیرو اپنے معتقدات مین اِس نئے فتنہ کے مقابلہ کی صلاحیت نہین دیکھتے، جو مذاہب خالص صداقت پر مبنی ہوتے ہین اون کو بحمد اللہ اس کی ضرورت داعی نہین ہوتی، اِس قِسم کی ترغیبات کی مِثال فرانسیسی مصنّف برائیو Brieux کی کتاب موسومہ "باطل دیوتاؤن کا افسانہ" سے مِلتی ہے،

اِس کتاب کا ہیرو ستنی (Satni) نامی ایک نوجوان راہب ہی اِس کو کہین سے اِن خفیہ اور پُر فریب کارروائیون کا پتہ چل گیا ہے جن کے ذریعہ سے حکام سلطنت عوام الناس کو مجبور کر رہی ہین کہ وہ قدیم مصری دیوتاؤن کی پرستش کرین، لوگون کو مرعوب کرنے کی تدبیر یہ کی گئی ہے کہ کلون اور پرزون کی مدد سے بُت کا سر جھکا دیا جاتا ہی، یہ شعبدہ سال مین ایک مرتبہ کسی مشہور مذہبی تیوہار کے موقع پر دکھایا جاتا ہے اور وہ موقع اب آنے والا ہے، ستنی نے عہد کر لیا ہے کہ وہ اِس "کرامت" کو واقع نہ ہونے دے گا، اِسکے عہد نے دوسرے راہبون کے دل مین ہل چل ڈالدی ہی، اور اِس کو باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے، لیکن وہ اپنے عہد پر قائم ہے بالآخر اسقف اعظم ستنی کو اپنے حجرہ مین طلب کرتا ہے یکے بعد دیگرے وہ تمام دلائل استعمال کیئے جاتے ہین جو ہر مذہب کے پیشوا لوگون کو اپنے مذہب مین شریک کرنے کے لیئے استعمال کرتے ہین، پادری کی یہ

ہمت نہین ہوتی کہ ستنی کو جھوٹا ٹھہرائے لہٰذا وہ مانتا ہے کہ واقعی دھوکہ دیا جا رہا ہے" لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دھوکہ دہی حق بجانب اور قابل تعریف ہو" اس کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ "ذات باری کا تصور طبقۂ جہلا کی عقل سے باہر ہے، اسی لیئے دیوتا کو پرستش کے لیئے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ سمجھ سکین، لیکن یہ خیال بھی سامنے ہے کہ لوگ اس کو محض ایک پتھر کی مورت خیال کرینگے اس لیئے اون کے تخیل پر قبضہ جمانے کے لیئے اس کا سر متحرک کرنے کی تجویز ہے، اب تم خود خیال کر سکتے ہو کہ یہ فریب دہی مستحسن ہو یا نہین، ادنی طبقہ کے افراد بغیر مذہب کے خوش نہین رہ سکتے، اگر تم اونکا مذہب چھین لو تو نیکی کیطرف راغب کرنے والی کوئی چیز اون کے پاس باقی نہین رہتی، مذہب اونکا سہارا ہو جو شخص اس مذہبی احساس کو ٹھیس لگاتا ہو، وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تم خود ہی دیکھو کہ دبت پرستی کے خلاف، تمھاری تلقین نے ان لوگون پر کیا اثر کیا ہے ابھی سے بدنظمی کے آثار ظاہر ہین،

ستنی خاموشی سے اِن ترغیبانہ کلمات کو سُن رہا ہے، لیکن اوس کے دل پر ذرا بھی اثر نہین ہوا پادری نے اوس کو تاڑ لیا ہو وہ سنبھل کر ستنی سے مخاطب ہوتا ہو اس مرتبہ اوس کا وار ستنی کے جذبات پر ہے" تم کو اپنی اِس حرکت سے فائدہ ہی کیا ہوگا؟ مین سچ کہتا ہون کہ اگر تم اپنے ارادہ سے باز رہو تو مین تم کو رہبانیت کا اعلیٰ ترین عہدہ عطا کرنے کو تیار رہون، ستنی اب بھی خاموش ہے، پادری کی تقریر کارگر نہین ہوئی نام و نمود، شہرت و عزت کے جذبات ستنی کے قلب مین نہین ہین پادری نے اوس کے چہرہ کی طرف دیکھا، اب کے اوس کا وار پہلے سے بھی زیادہ گہرا ہے" اچھا مین اس سے بھی زیادہ احسان تمھارے ساتھ کرنے کو تیار ہون، مین جانتا ہون کہ تم نے آیندہ تیوہار کو ملتوی کرنے کا بیڑا کیون اُٹھایا ہے، تمھاری محبوبہ یورما کا انتخاب اوس دن دیوتا کی قربانی کے لیئے ہوا ہے جسے تم مذہبی جوش ظاہر کر رہے ہو فی الحقیقت اوس کو بچانے کی ایک ترکیب ہی، اچھا مین اسکو

معاف کر دون گا، یورما قربان گاہ پر نذر نہ چڑھائی جائیگی، کسی دوسرے کا انتخاب کر لیا جائے گا، ابتو یورما کی حفاظت کی سبیل بھی ہو گئی، اب مجھے اُمید ہے کہ تمھارے پاس افشائے راز کی کوئی وجہ باقی نہین ہے بتاؤ! کیا کہتے ہو..............................

اِن دلائل پر غور کرو، پادری کی نیت یہی ہے کہ اپنے مذہب کے اقتدار کو برقرار رکھا جائے، سستنی کی مخالفانہ کارروائیون کے بارے مین اوس نے کوئی بھی صحیح استدلال پیش نہ کیا اور نہ اس سے بحث کی کہ اوس کی تلقین صحیح ہی یا غلط، غرضکہ اپنی جماعت کی متحدہ قوت سے سستنی کو مرعوب کر کے، اوس کے جذبات پر اثر ڈال کر پادری اوسکے مجوزہ طرزِ عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہی،

حلقہ سیاست مین جن فریب آمیز ترغیبات سے کام لیا جا سکتا ہے اور ایک یا دو شخص نہین بلکہ ہزارون افراد کو ایک ہی شکنجہ مین جکڑا جا سکتا ہی، اُس کی روشن ترین مثال گذشتہ جنگ مین جرمنی کا رویہ ہے، تمام ملکون کو جاسوسون سے بھر دینا، خفیہ انجمنین اِس مقصد کے لیے قائم کرنا کہ ”غیر ضروری“ افراد کو دنیا سے رخصت کر دین، مدارس کا نصاب ایسا معیّن کرنا کہ بچون مین ابتدا ہی سے بعض ملکون کے خلاف انتہائی عداوت کے خیالات پیدا ہو جائین، یہ سب باتین بہت اچھی طرح ظاہر کرتی ہین کہ اجتماعی تہدید اور دباؤ کا اثر ڈال کر افراد سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے اور پھر اوس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، ایک اور دلچسپ نتیجہ بھی اِن تجربات کی بنا پر اخذ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہی کہ ہر اوس جماعت مین جو اقتدار پسند ہو اور جس کے افراد خفیہ ذرائعِ تہدید استعمال کرتے ہون لازماً دو فریق ہوتے ہین ایک حصہ مین وہ لوگ ہین جو ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہین، اور دوسرے حصہ مین وہ لوگ ہوتے ہین جنسے یہ ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہی، پہلے حصہ کے افراد ہر موقع پر جماعت کی روح رواں بنتے ہین اور دوسرے حصہ مین معمولی لوگ ہوتے ہین جن کا استعمال اول الذکر اصحاب اپنے فائدہ کے لیئے بطور آلہ کے کرتے ہین اور ایسی قیود عائد کر دیتے ہین کہ جنسے نکلنا ان بیچارون کے

لیئے ناممکن ہوجاتا ہی، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ طبقۂ ثانی کے افراد سمجھ سے کام کیون نہین لیتے اور دیدہٗ و دانستہ اپنے آپ کو طبقۂ اول کے بس مین کیون دیتے ہین، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، جب تک کہ یہ لوگ اِس بات کا یقین رکھتے ہین کہ جو طریقے اِستعمال کیئے جا رہے ہین وہ اون کی جماعت کے لیئے مفید ہون گے اور اون سے آگے چلکر بحیثیت فرد جماعت تھوڑا بہت اخلاقی، مالی یا کسی اور قسم کا فائدہ اون کو بھی ہوگا اوس وقت تک یہ لوگ بخوشی اپنے آپ کو سرغناؤن کے حوالہ کر دیتے ہین لیکن جونہی کہ جماعت مین ناکامی کے آثار ظاہر ہوتے ہین ویسے ہی باہمی مناقشات اور عداوتون کا ظہور ہونا شروع ہوتا ہے گذشتہ صفحات مین جب ہم نے نظم و نسق کی پیچیدگی کو کسی جماعت کے انتشار کا باعث قرار دیا تو اوس وقت اُسی کی طرف اشارہ تھا، ہندوستان ہی مین دیکھو کہ گذشتہ دس سال کے عرصہ مین کتنی تحریکات پیش کی گیئن، مختلف طبقون نے جس زور شور سے ان تحریکات کی تائید کی، وہ بھی ظاہر ہے لیکن جب نام نہاد لیڈرون کی خود غرضی مثلاً طلب اعزاز یا اور کوئی ذاتی منفعت عوام پر ظاہر ہوئی تو لوگ اوس سے کنارہ کش اور اپنے قدیم قائدون سے متنفر ہوگئے،

ہم نے جماعتون کی ترغیبات سے بحث کرتے وقت متعدد مواقع پر جرمن سلطنت کے خفیہ ذرائع تہدید وغیرہ کا ذکر کیا ہے آج اخباری دنیا اِن باتون کو جرمنیت (Prussianism) کے نام سے یاد کرتی ہے اور اِس لفظ کو اون تمام عیوب کا مظہر سمجھا جاتا ہی جو شخصی سلطنتون کے دباؤ اور جماعتون کے پیچیدہ نظم و نسق کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہین، بہرحال ہماری مثالون سے یہ قیاس کرنا کہ ہم جرمنی کے خلاف ہین ناانصافی ہوگی، اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور اپنی قومی جماعتون کی منصفانہ طور پر تحقیق کرو، اون کے ظاہری اور حقیقی مطمح نظر کا مقابلہ کرو تو غالب تعداد مین تم کو باطل ترغیبات کے مذکورہٗ بالا طریقے اون مین بھی نظر آئین گے، اصلیت یہ ہے کہ جسکو آج "جرمنیت" کہا جاتا ہے، وہ جرمنی کے ساتھ مخصوص نہین ہے بلکہ ہر قوم، اور ہر ملک مین یکسان

طور پر اس کے مُضر نتائج دیکھنے مین آتے ہین فرق جو کچھ ہے وہ کم کا ہوتا ہے نہ کہ کیف کا جہان کہین بھی تم کو چند افراد کسی خاص جماعت کے فائدہ اور اقتدار کے لیئے متحدہ طور پر کوشان نظر آئین تو خواہ اوس جماعت کے مقاصد سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی کچھ ہی کیون نہون تم کو وہان جرمنیت (یا یون کہو کہ باطل ترغیبات اجتماعی) کے کرشمے کم وبیش ضرور نظر آئینگے، خود ہمارے ہندوستان کے سیاسی اور معاشی واقعات سے اِس کی توضیح ہو جاتی ہی،

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب سے ہندوستان مغربی ممالک کے تجارتی انقلاب سے متأثر ہوا ہے، یہان کی اقتصادیات کی کل، اور اس کا نظم ونسق سرمایہ دارون کی انجمن کے ہاتھون مین رہا ہے، بدقسمتی سے جن لوگون کے ہاتھون مین ملک کی تجارت کی باگ رہی ہے اون کا اصلی مقصد فراہمیِ دولت اور اپنے تجارتی اختیارات کا اپنے ہاتھون مین محفوظ رکھنا تھا، اِس نصب العین کا لازمی نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہین کہ مزدورون کی حیثیت محض میکانکی رہ گئی ہے اور اون کی انفرادی حیثیت اور حقوق کا کوئی لحاظ نہین کیا جاتا، دوسرا نتیجہ اس نصب العین کا یہ ہوا کہ صنعت وحرفت کے ادنٰی سے ادنٰی شعبہ کا نظم ونسق بہت کچھ پیچیدہ ہو گیا، اضافۂ پیداوار کی غرض سے تقاسیمِ عمل کا ظہور ہوا، گویا کہ ایک اعتبار سے مزدورن کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے مفوضہ کام کے سوا کسی شئے کی تکمیل مین کوئی دلچسپی نہ لین، جب سے مشینونکا استعمال شروع کیا گیا اوس وقت سے مزدورون کی حیثیت اور زیادہ میکانی ہو گئی ہے، کارخانون کے مالکون اور سرمایہ دارون کے پاس افرادِ انسانی کے اِس ناجائز استعمال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے سہل ترین طریقۂ استدلال یہ ہے "ہمارا مقصد اصلی، یعنی اضافۂ اقتدار اوس وقت تک نہین حاصل ہو سکتا جب تک کہ پیداوار مین اضافہ نہو لہذا افزایشِ پیداوار کے جو طریقے بھی استعمال کیئے جائین وہ مستحسن ہین، علاوہ برین مزدورون کی تنخواہ مین معتد بہ اضافہ کیا جاتا ہی"

اِس استدلال کی شق اول وہی ہے جس سے ہم دوسرے باب مین بحث کر چکے ہین، باقی رہی

شق دُوم تو اوس کے متعلق صرف اِسی قدر کہنا کافی ہی کہ مشاہرہ اور معاوضہ مین بیش قرار بیش قرار
اضافہ بھی افراد انسانی کے اِس ناجائز استعمال کی کماحقہ تلافی نہین کر سکتا اور پھر اضافہ
بھی کن صورتون مین کیا گیا؟ ایسا تو بہت کم ہوا ہی کہ کارخانون کے مالکون نے خود اپنے احساس
سے مزدورون کی تنخواہ مین اضافہ کیا ہو برخلاف اِس کے جبتک مزدورن کی طرف سے
قرار واقعی دباؤ ان لوگون پر نہین ڈالا گیا اوس وقت تک اضافہ کیا ہی نہین گیا، یہ حالت تو خیر
ابتک تھی لیکن زمانہ کی موجودہ رفتار بتا رہی ہے کہ مزدور پیشہ طبقہ بھی اپنا دباؤ محسوس کرا کے
کامیابی حاصل کر سکتا ہی، ابتک سرمایہ دارون کا دور دورہ رہا، اب مزدورون کی باری آئی ہے،
ہڑتالون کی کثرت، اضافہ تنخواہ کے لیئے جد وجہد، اور ہنگامے، برملا کہہ رہے ہین کہ واقعات نے رُخ
بدلا ہی، جو طریقے طبقۂ سرمایہ داران نے اپنے بقائے اقتدار و افزایشِ دولت کے لیئے استعمال کیئے تھے
اوس کے جواب کے حربے مزدوری پیشہ طبقہ بھی اپنے حقوق کے تحفظ اور اضافہ تنخواہ کے لیئے
استعمال کر رہا ہے،

سب سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہی کہ مزدوری پیشہ طبقہ سرمایہ دارون کے
خلاف وہی ذرائع استعمال کر رہا ہے جو مؤخر الذکر اوس کے خلاف کام مین لاتے تھے، باطل ترغیبات
اجتماعی کے تمام خصائص اور اوس کے مُضر اثرات جو انجمن سرمایہ داران مین موجود تھے مزدور پیشہ
جماعت مین بھی موجود ہین، وہی نظم و نسق کی پیچیدگی، وہی تنگ نظری اور خود غرضانہ تحریکات،
بقائے اقتدار کے لیئے افراد کا وہی ناجائز استعمال سب کچھ اب مزدورون کی مشترکہ جد وجہد مین بھی
پایا جاتا ہے، یہ حقیقت قابل افسوس ضرور ہے لیکن ایک معنی مین ناگزیر بھی ہے، شر مرض متعدی
کی طرح کسی خاص شخص یا خاص حلقہ سے شروع ہو کر دوسرون مین سرایت کرتا ہے اور اِس کا
حلقۂ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے، کسی ایسے شخص کی موجودگی مین جس کو تم خفیہ کارروائیون کا عادی خیال کرو

تمھارا نفس اِس کی اجازت تم کو نہین دیتا کہ تم صاف دِل سے اپنے کُل خیالات اوس کے سامنے پیش کرو بلکہ اپنی جگہ پر تم بھی اخفائے واقعات پر مجبور ہوتے ہو، بعینہٖ جب مزدور پیشہ جماعت کو انجمن سرمایہ داران کے خفیہ طریقون سے دوچار ہونا پڑا تو اون کو بھی مجبوراً وہی طریقے اختیار کرنے پڑے، اب موجودہ حالت یہ ہو کہ اون کی مختلف انجمنین، عام مقاصد کے لیئے نہین بلکہ اپنے ذاتی اغراض کے لیئے کام کرتی ہین، اقتصادی اقتدار کا حاصِل کرنا اونکا بھی نصب العین ہوگیا ہے، انفرادی طور پر شخصیت سے یہ لوگ بھی بحث نہین کرتے بلکہ حصولِ مقصد کے ہر ممکن وسیلہ سے کام لیا جاتا ہے، فوجی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیئے جو کام جبریہ فوجی خدمت سے لیا جاتا ہے، وہ اِن انجمنون مین لازمی رُکنیت سے لیا جاتا ہے جس کی غرض محض یہ ہے کہ تمام افرادِ جماعت چیدہ چیدہ اشخاص کی قیادت مین بلا لحاظ ذاتیات، مشترکہ طور پر عمل کرین اور سرکشون کی تنبیہ و تادیب کی جائے، اِن واقعات کی صداقت مین کوئی شبہہ نہین کیا جاسکتا، اگر ۱۹۲۲ء کی ایسٹ انڈیا ریلوے کے مزدورون کی ہڑتال کے حالات پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جو کچھ اوپر کہا گیا وہ تقریبًا سب صحیح ہے مختصر طور پر یون سمجھنا چاہیئے کہ جبتک کہ صورتِ حالات مین کوئی تبدیلی رُونما نہو افراد کو فی الوقت نفع کے لیئے انعالِ بد کے ارتکاب اور پھر اون کے جواز سے کوئی چیز نہین رُوک سکتی، اگر مخالف قوت زبردست ہے تو یہ اوس کے مجوزہ قاعدون کو مان لیتے ہین لیکن جون ہی کہ موقع ہاتھ آتا ہے، اُن کو اپنے مواثیق توڑنے مین کوئی باک نہین ہوتا اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس وقت فریق مخالف کے دباؤ سے متاثر ہوکر ہمکو بہ جبر اون کی شرائط قبول کرنا پڑی تھین، اب جب ہم دباؤ ڈال سکتے ہین تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے شرائط اون سے نہ منوائین؟

سیاسیات مین جماعات کی ترغیبون کی بدترین صورت وہ ہوتی ہے جب کوئی خاص حلقہ یا خود حکومت زر اور زور کی وساطت سے افراد پر ناجائز دباؤ ڈالتی ہے، انگلستان مین

ایسے واقعات نئے نہین ہین، جارج سوم کے متعلق کہا جاتا ہو کہ پارلیمینٹ کے انتخابات کے وقت وہ سرکاری خزانہ سے اون لوگون کو انعام تقسیم کرتا تھا جو اوس کے حسب منشا ر اپنا ووٹ صرف کرتے تھے سرکاری اعزاز وغیرہ سے حکومت کے طرفدارون کے حوصلہ بڑھائے جاتے تھے انگلستان سے قطع نظر خود ہندوستان مین یہی ہوتا ہے، خطابات اور اعزازات کا مصرف یہی ہوتا ہے کہ ایک خاص نقطۂ خیال رکھنے والے افراد کی ہمت افزائی کی جائے، ہر ملک و قوم مین عطائے خطاب و اعزاز کا حربہ حکومت کے ہاتھ مین ہے، یہ مقصد کے حصول کے لیئے بہت کارگر ثابت ہوتا ہی، انتخابات مین اجتماعی دباؤ کے کیا کچھ نتائج ظاہر نہین ہوتے؟ میونسپل انتخابات مین مختلف جماعتون کی طرف سے دباؤ کے کیا کیا ذرائع استعمال نہین کئے جاتے، اور ابھی وہ دن آنے والا ہے کہ انگلستان کی طرح یہان بھی طاقتور جماعتین اخبارون کو اپنے قبضہ مین لاکر دوسرے فرقون کو نیچا دکھانے کی کوشش کرین گی، اور پارٹی سسٹم (فرقہ بندی) کا اب سے بھی زیادہ زور و شور ہوگا، روس مین بالشویک جماعت کی سرگذشت، ہندوستان مین انارکسٹ (فوضویت پسند) فرقہ کا طریق تہدید، آئرلینڈ مین سن فینیون کے ہنگامے یہ سب باتین سیاسیات مین قوت مشترکہ کے ناجائز استعمال اور اوسکی ناجائز ترغیبات کا پتہ دیتی ہین،

ذیل کے اقتباس سے جو ہمدم مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۲۳ء سے لیا گیا ہے اندازہ ہوجائے گا کہ اِس قسم کی جماعتون کا عام طور پر طریق کار کیا ہوا کرتا ہے، یہ مصری سازش سے متعلق ہی،

"نہایت دلچسپ اطلاع پبلک کے گوشگذار کی گئی ہی اور اوس کی نمایان طور پر وضاحت بھی ہوئی ہی، یہ ایک خفیہ انجمن ہی، اور "سیاہ ریوالور" کے نام سے مشہور ہی، تمام ملزمین اور مذکورہ بالا شاہد کا اِسی انجمن سے تعلق ہی،

یہ مشہور انجمن انتقام ہی سے تعلق رکھتی ہے جو ترقی کرکے اِس صورت مین ظاہر ہوئی ہو

تین سال ہوئے جب "انجمن انتقام" کے ممبران پر مقدمہ چلایا گیا تھا، اور سزائین ہوئی تھین یہ انجمن مکمل صورت مین منتظم تھی، اور اس کا اصلی مقصد انگریز افسرون سپاہیون اور اعلیٰ عہدہ دارون کو قتل کرنا تھا، اس کی تین بڑی شاخین تھین جن مین سے ایک قاہرہ مین تھی اِس کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی شاخین بھی تھین،

"انجمن کی ہر شاخ اور شاخ در شاخ کا ایک صدر ہوتا تھا جس کو اور اوس کے ساتھی صرف دو ممبرون کو معلوم ہوتا تھا کہ اِس وقت ہماری انجمن کس کام مین مصروف ہے، ہر ممبر کے پاس ممبری کے بہت سے یا ایک کارڈ ہوتا تھا، جو لوگ بغاوت، ہنگامہ و فساد مین حصّہ لیچکے تھے اونکے پاس سیاہ کارڈ ہوتا تھا، اور جنھون نے بس کام مین حصہ نہین لیا تھا انکے پاس سرخ کارڈ رہتے تھے، ریوالور اور گولہ بارود کا سامان وغیرہ ایک ہی نہ کسی ایک پریسیڈنٹ کے یہان، اور دوسرے روزات کو دوسرے پریسیڈنٹ کے یہان بھیجدیا جاتا تھا،

شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاہرہ کے بڑے بڑے لوگ انجمن کے پشت و پناہ تھے اور اوسکی مالی اعانت کرتے تھے، کسی قسم کے ارتکاب کی کوشش سے قبل انجمن کی اس برانچ کا صدر اون لوگون مین سے کسی ایک شخص کو جسے مناسب سمجھا جاتا تھا، معاملہ کی پوری تفصیل لکھ دیتا تھا اور اشاعت کے مرتکب ہونے کے بعد پریسیڈنٹ مذکور اوس شخص کے پاس آتا اور وہ ایک سو پچاس پونڈ لاتا تھا جس مین سے سو پونڈ تو خود اوس کے حصہ کے ہوتے تھے اور باقی اون لوگون مین تقسیم کرنے کو جو اِس کام مین حصہ لیتے تھے،،

انجمن کے ممبر خط و کتابت مین تشبیہ و استعارات سے کام لیتے تھے، مثلاً جب اونھین کسی بدعتی کام کے متعلق حوالہ دینا ہوتا تو وہ اس کو اس طرح لکھتے کہ "ایک عظیم الشان ڈرامہ" "فسانہ المناک" ہونے والا ہے، اور اگرچہ لارڈ ایلنبائی (Allenby) کی جان لینے کی کوئی سازش یا کوشش نہین کی گئی تاہم جب خطوط مین انکا ذکر ہوتا تو اون کو "دنیا کا سب سے بڑا ایکٹر"،

کہکر یاد کیا جاتا،،

مذکورۂ بالا جماعت مین وہ جملہ خصائص نظر آتے ہین جو تہدید افراد، انتفاع ناجائز اور ترغیب باطل مین کام آتے ہین، ہم اِس جماعت کی سرگذشت کو اپنے بیان کی تصدیق مین پیش کر سکتے ہین،

دوران جنگ مین انگلستان کے بعض مدبرین پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اونھون نے اپنے مقاصد کی اشاعت وتائید کی غرض سے مُلک کے سربر آوردہ اخبارات کو رشوت دی (مذکورہ بالا جماعت نے بھی یہی کیا ہے)، اِس واقعہ نے جب شہرت پکڑی تو عوام الناس کی طرف سے سخت برہمی کا اظہار کیا گیا، چنانچہ رائے عامہ سے مجبور ہوکر، ار فروری کو مسٹر چیمبرلین نے دار العوام مین فرمایا کہ ہفتہ مختتمہ مین جو پریشان کن اور افسوسناک واقعات رونما ہوئے ہین اونکا اصلی سبب یہی ہی کہ پریس اور گورنمنٹ کے فرائض اکثر حضرات کی ذات مین ساتھ ساتھ جمع ہوگئے ہین، تین اخبار و ن کے مالک بحیثیت اراکین دار العوام، نظم ونسق سلطنت مین دخیل کار ہوگئے ہین، پبلک کا اِعتماد اراکین سلطنت اور وزیر اعظم پر سے اُٹھ جانے کی وجہ یہی ہوئی کہ اِن حضرات نے بھی اِن ''مالکانِ اخبارات'' کی تائید کی جب تک کہ اراکینِ حکومت پریس سے اپنے تعلقات منقطع نہ کرلین اور ملک کی رائے پر اِس طریقہ سے ناجائز دباؤ ڈالنا نہ چھوڑین، اوس وقت تک پبلک اون پر اعتماد نہین کر سکتی''،

اسی باب مین ہم کسی موقع پر جماعتون کی خفیہ کارروائیون کا ذکر کر چکے ہین اور اون کے مضر نتائج پر کسی قدر روشنی ڈال چکے ہین اِسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جس زمانہ کا ہم نے ابھی ذکر کیا، اوسی زمانہ مین انگلستان کی پبلک وزیر اُمور خارجیہ کی خود مختارانہ کارروائیون کی طرف سے بدظن ہوگئی تھی، ہمیشہ سے انگلستان کے وزیر خارجیہ کو دول خارجیہ کے جملہ معاملات مین سیاہ وسفید کا اختیار رہا ہے، خود دار العوام بھی اون کے فیصلون مین دست

اندازی نہ کر سکتا تھا، اِس خود سرانہ کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر ممالک کے لیے سفرا اور نمایندون کا انتخاب ایک خاص حلقہ سے کیا جانے لگا۔ اور اِس طبقہ کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح یہ اقتدار ہاتھ سے نہ جانے پائے، غرضکہ دوسرے ملکون سے انگلستان کے تعلقات ہمیشہ پردۂ خفا مین رہے، حال مین یہ احساس روزانہ ترقی پذیر ہے کہ امور خارجیہ پر بھی پارلیمنٹ کے روبرو مباحثہ ہوا کرے اور پبلک کو اون کے متعلق کامل واقفیت بہم پہونچائی جائے، قدیم پالیسی (اخفائے اُمور خارجیہ) کے مؤیدین یہ دلیل پیش کرتے ہین کہ امور خارجیہ کے تصفیہ مین بہت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے یہی دلیل ہندوستان مین بھی پیش کی جاتی ہے، اور اکثر اوقات کمیشنون کی رپورٹین یا اور خاص خاص واقعات کی تفصیلین، اعداد و شمار، گوشوارہ وغیرہ پبلک کے سامنے پیش نہین کیے جاتے مسٹر بالفور (Mr. Balfour) نے جو اُمور سلطنت مین اخفار کی پالیسی کے مؤید ہین، ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"آپ حضرات کا شاید یہ خیال ہے کہ ہر اخفار کی تہ مین برائیون کا وجود لازمی ہے اور شاید آپ یہ کہین کہ اگر ایسا نہین ہے تو اخفائے واقعات کی ضرورت ہی کیون داعی ہوتی ہے اس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ جس طرح روزانہ زندگی مین بغیر حزم و خاموشی سے کام لئے ہوئے خانہ داری کا انتظام مشکل ہے، اسی طرح سلطنتون کے انتظام مین بھی بغیر حزم و سکوت کے کام نہین چل سکتا،،

ممکن ہے کہ خاص خاص حالتون مین یہ بیان صحیح ہو لیکن پھر بھی جس کارروائی کی ابتدا اخفار اور راز سے ہوتی ہے اکثر اوس کا خاتمہ مناقشات اور عداوت پر ہوتا ہے، امور خانہ داری کی طرح امور سیاست مین بھی بلکہ ہر شعبہ مین قلوب کو مطمئن کرنے اور تمام افراد کا تعاون حاصل کرنے کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ عام دلچسپی کے مسائل پر صاف دلی سے بحث کیجائے اور اُسے اخفار کا ناگوار جامہ نہ پہنایا جائے،

آجکل جس طرف دیکھو اصلاح و تعمیر کی پکار ہے ہمارا کوئی سیاسی، سماجی، معاشی مسئلہ

ایسا نہین ہوتا جس مین اِس پر زور نہ دیا جاتا ہو عام طور سے لوگ ایک دَورِ نو کی آس لگائے بیٹھے ہین
جس مین ہماری گذشتہ اغلاط کی کافی تلافی کردی جائے گی اور بجائے جماعتی دباؤ اور ترغیب کے ناجائز
طریقون کے، انصاف اور آزاد خیالی کا دور دورہ ہوگا، اِصلاح و تعمیر کے اِس خواب شیرین کی تعبیر
ہماری اُمیدون کے مُوافق جب ہی ہوسکتی ہو جب مختلف جماعتون کی اِس طرح اصلاح کیجائے کہ ترغیبات
باطل کا استعمال نہ ہوسکے اور نہ تہدید و انتفاع ناجائز کے خفیہ طریقون سے لوگون کی رائے پر اثر ڈالا جاسکے
بلکہ ہر جماعت کو کچھ ایسے اسلوب پر چلایا جائے کہ خاص خاص افراد یا جماعات کے اقتدار کی بقا و تحفظ کی
بجائے قوم کی ترقی اور اوس کا مفاد من حیث العام نصب العین قرار پائے، اِس مقصد کے حصُول کے لئے
جو اِصلاح سب سے زیادہ ضروری ہو وہ ہمارے طریقۂ خیال کی اِصلاح ہی، سب سے پہلا فرض ہمارا یہ
ہے کہ اس کی اِصلاح کرین اور اپنی ترغیبات کو صحیح نہج پر لے آئین، آیندہ باب مین ترغیب کے صحیح استعمال
سے بحث کر کے ہم یہ دیکھین گے کہ باطل اور صحیح ترغیبات مین فرق کیا ہے؟ صحیح ترغیبات کا معیار کیا ہے؟ اور
اوّل الذکر کے مضر اثرات سے لوگون کو کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے؟

بابِ چہارُم

ترغیب کا صحیح استعمال

صحیح و باطِل ترغیبات کا فرق، اِخلاقی عقلی اور منطقی نقطۂ نگاہ سے ترغیبات اجتماعی و انفرادی کی صحت کا معیار، ترغیبات کے رد یا قبول کے متعلِق مفید عملی ہدایات

عمل ترغیب کے متعلق ایک بدظنی کا امکان،

گذشتہ صفحات مین ہم ترغیبات انسانی کا جو کچھ بیان کرچکے ہین اوس سے ان کے مختلف طریقون پر بخوبی روشنی پڑتی ہے عملی مثالون کے ذریعہ سے ہم نے اپنے ناظرین کو یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ باطِل ترغیبات کے پھندے مین آجانا کِس قدر آسان ہے، موجودہ باب مین ترغیبات کے صحیح استعمال سے بحث کرکے ہم اون معیارون کو واضح کرینگے جن پر عمل کرکے ترغیب کا جائز اور باقاعدہ استعمال ممکن ہوسکتا ہے،

جن حضرات نے عمل ترغیب کے عناصر ثلاثہ جذبہ تخیل اور ذہن پر غور کیا ہے ترغیبات انسانی کی بے سروپا رفتار کو ملاحظہ کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اِس کل عمل کو بداہتہً ایک

فریب وہ عمل خیال کرین اور اس کے صحیح استعمال کی طرف سے نا امید ہو جائین عمل ترغیب کی نفسیاتی تشریح سے ہم جس نتیجہ پر پہونچے، وہ یہ تھا کہ ہر ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی اعتقاد یا خواہش سے ہوتا ہے جو ترغیب دہندہ کے ذہن مین پہلے سے موجود ہوتی ہے اور وہ خود اپنی ذات کو یا دوسرون کو اوس کے حسب حال عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اِس بیان ہی سے عمل ترغیب کا غیر استدلالی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اِس کے اساسی اعتقادات وخواہشات ہی ایسی ہوتی ہین کہ جن کے رد یا قبول کا انحصار منطق اور استدلال پر نہین بلکہ تشفی جذبات کی صلاحیت پر ہوتا ہے، ہمارے اعتقادات اور خواہشات دلیل کے بعد قائم نہین ہوتے بلکہ جماعات کے اثر سے وجود مین آتے ہین جو اعتقادات ہم اپنے گرد وپیش کے لوگون کو رکھتے ہوئے دیکھتے ہین وہ ہماری نظرون مین بھی صحیح معلوم ہوتے ہین اور جن کو ہمارے ہمسایہ غلط خیال کرتے ہین، وہ ہم کو بھی غلط معلوم ہوتے ہین۔ ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہو کہ ہمارے معتقدات اور اساسی خواہشات کی تشکیل مین حصہ لینے والی اور اون کے رد یا قبول کا فتویٰ دینے والی مذکورہ ذیل مؤثرات ہین:۔ ہمارے الہامات فطری قومیت، تعلیم، کتب واخبارات کا اثر ہمارے گرد وپیش رہنے والے افراد مثلاً دوستون یا ہمسایون کی صحبت کے اثرات وغیرہ یہی قوتین ہین جو ہمارے دماغ مین کسی عقیدہ کے جاگزین ہونے کی محرک ہوتی ہین لیکن ہم ان کے اثر سے ناواقف ہوتے ہین اور یہی فرض کر لیتے ہین کہ اِس کی بنیاد کسی نہ کسی عقلی منطق پر ہے کسی عقیدہ کے دماغ مین قایم ہو جانے کے بعد اوس کے حسب حال جو کچھ عمل ترغیب ہوتا ہے وہ بھی کم وبیش غیر عقلی وغیر استدلالی ہوتا ہے، اِس جذبی عمل سے مجبور ہو کر قطعاً لاعلمی کی حالت مین ہم فیصلہ قایم کرتے ہین جو اگر معینہ نتائج تک ہم کو لیجائین تو فبہا ورنہ ترک کر دیئے جاتے ہین، اِس طرح من مانے فیصلے صادر کر کے اور اون کو صحیح تسلیم کر کے ہم بالآخر اپنے قبل از قبل مقررہ نتیجہ پر پہونچ جاتے ہین ظاہر ہے کہ اِن سب فیصلون کی بنیاد بجائے استدلال و

منطق کے ہمارے الہامات فطری۔ جذبات جبلی، رجحانات اور وجدانات پر ہوتی ہے،

مذکورۂ بالا حقیقت سمجھنے کے بعد مقام تعجب ہوگا اگر اکثر افراد سرے سے عمل ترغیب ہی کی طرف سے بدظن ہوجائیں اور دعویٰ کریں کہ جب عمل ترغیب اِن حالات کے ماتحت ہوتا ہے تو پھر اوس کا صحیح استعمال خارج از امکان ہے کم ازکم وہ حضرات جو ہر فعل میں منطق اور استدلال کی جستجو کرتے ہیں اور اپنے کسی گفتار و کردار میں جذبات کا شائبہ تک نہیں آنے دیتے ضرور خیال کرینگے کہ ترغیب سرے ہی سے نادرست ہے اسلیے کہ اس کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اِس کا جواب یہ ہے کہ کہ الفاظ "غیر عقلی" اور "غیر استدلالی" عدم عقل اور عدم استدلال کے مرادف نہیں ہیں جب تم کسی عمل کے لیئے غیر عقلی کا لفظ استعمال کرو تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل عقل کا ضد ہو، یاد رہے کہ ہمارے اکثر غیر عقلی افعال جس انجام تک ہم کو پہونچاتے ہیں وہ بہ نسبت جہالت کے عقل کے زیادہ قرین ہوتے ہیں، مثالوں سے اِس بحث کو یوں سمجھو کہ زمانۂ سلف کے اعتقادات و مسلمات کو ذاتی تجسس و تفحص کے بغیر صحیح فرض کرلینا ایک غیر عقلی فعل ہے لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معتقدات خواہ مخواہ جہالت اور بے وقوفی پر مبنی ہوں، اسی طرح جب اثر پذیری کی بدولت بغیر ذاتی استدلال و ثبوت کے ہم دوسروں کے نقطۂ خیال کے حامی ہوجاتے ہیں تو اوس صورت میں ہمارا ایسا کرنا غیر عقلی عمل ضرور ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نقطۂ خیال لازماً منافی عقل بھی ہے، دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کسی عمل کا جذبی ہونا بھی اوس کے خلاف عقل ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیا ہمارے الہامات فطری اور جبلی رجحانات ہم کو بسا اوقات جادۂ عقل پر نہیں لیجاتے، اور صیانت حیات انفرادی و ملّی میں ہمارے معاون نہیں ہوتے معاملات انسانی سے بحث کرتے وقت فطری الہامات اور رجحانات کو نظر انداز کردینا خلاف عقل ہے حیات انسانی کے کسی شعبہ کو لو تم کو معلوم ہوجائے گا کہ اوس منطقی شخص کی ترغیبات جو جذبات اور وجدانات کو بالکل نظر انداز کردیتا ہے،

یقیناً بیکار ہونگی ایسے ہی لوگون کی شان مین یہ شعر صادق آتا ہی؛

پائے استدلالیان چوبین بود　　　پائے چوبین سخت بے تمکین بود

آجکل فلسفہ جس رُخ پر ہم کو لیے جارہا ہے وہ یہ ہے کہ صرف افلاطون اور بیل کے قائم کردہ اُصول منطق پر دنیا کے کاروبار نہین چلائے جاسکتے صرف عقل و استدلال ہی سے دنیا مین کوئی عقلمندی کا کام نہین ہوا کرتا مسٹر بنجمن کڈ مشہور مصنف علم الاقتدار (Science of Power) لکھتے ہین دورِ نو کی سب سے بڑی تحقیقات یہ ہے کہ "تہذیب و تمدن کا دارومدار جذبات پر ہے نہ کہ عقل و استدلال پر، روزانہ یہی دیکھنے مین آتا ہے کہ عوام الناس کو کسی رائے کا مؤید بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اون کے مشترکہ جذبات سے اپیل کی جائے اور اِن جذبات کو استدلال کی وساطت سے اوس رائے کے موافق کردیا جائے آپ دیکھین گے کہ عنقریب تمام سلطنتین اسی طریقہ سے اپنے منشار کے موافق تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دینگی جن دلائل کی بنا پر افعال انسانی مین عقل و استدلال کی غیر معمولی اہمیت ثابت کیجاتی تھی اون کی آج کافی طور پر تغلیط ہوچکی ہے، ہر تمدن کا آغاز جذبہ ہی سے ہوتا ہے، جذبہ ہی کی بدولت اوس تمدن کی بقا رہے اور جذبات ہی اوس کے ارتقا کا باعث ہوتے ہین،، اسی مفہوم کو اقبال اس انداز سے پیش کرتا ہی؛

اچھا ہے دِل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل　　　لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے

عمل ترغیب | صحیح ترغیب کیلئے جذبات کا صحیح استعمال پہلی شرط ہی

کے متعلق جو غلط فہمی عام طور پر پائی جاتی ہی اوس کا تو ایک حد تک ازالہ ہوچکا، اور ہم نے دیکھ لیا کہ جذبات پر اس کا انحصار یا اس کا غیر عقلی ہونا ہمین ترغیب کے طریقون مین صحت کی طرف سے ناامید نہین کرسکتا، چونکہ ترغیب تمام و کمال جذبات ہی پر منحصر ہے لہذا اس کے صحیح استعمال کی شرط اولین یہ ہے کہ ہم اپنے جذبات مین تمیز کرنا سیکھین اور وقتاً فوقتاً ان کا جائزہ لیتے رہین، یہی ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے کہ ہم ایک بڑی

حدتک باطل ترغیبات سے محفوظ رہ سکتے ہین اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے جذبات اور الہامات فطری ہماری ترغیبات پر حادی ہوجائینگے اور ہم بآسانی غلط استنباطات، ناقص فیصلات، اور فریب دہ تخیلات کے پھندے مین گرفتار ہوجائینگے، کیونکہ ان سب کی اصلی محرک جذبی تحریک ہی ہوا کرتی ہی، افعال انسانی مین جذبات کی جوکچھ اہمیت ہی وہ اظہر من الشمس ہی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب جذبات قابل تعریف اور مستحسن نہین ہین انا کے متعلق جتنے جذبات ہین اون مین کوئی نہ کوئی پہلو قابل اعتراض ضرور پایا جاتا ہی، لیکن اون مین بھی کچھ جذبات ایسے ہوتے ہین جن کی بالواسطہ یا براہ راست تحریک اعلیٰ درجہ کے افعال کا سرچشمہ ہوتی ہے، اسی طرح سے دوسرون کے متعلق جتنے جذبات ہوتے ہین اور جنھین مدنی جذبات کہا جاسکتا ہے وہ بھی بڑی حدتک مستحسن ہوتے ہین مگر اون سے بھی بر قبیح اور قابل اعتراض نتائج ظہور پذیر ہوسکتے ہین، قابل تعریف جذبات صرف وہی ہوسکتے ہین جو کسی خاص وصف سے متّصف، ہمارے نفس کے قابو مین ہون اور صحیح طور پر مستعمل ہون، ان مستحسن جذبات کی صف اولین مین جن جذبات کو جگہ دی جاسکتی ہے وہ وہی ہین جنھین ہم اوپر عمرانی یا مدنی جذبات کہہ چکے ہین اور جن کا انحصار کم وبیش دیگر افراد انسانی کے ساتھ تعلقات اور شرکت عمل پر ہے،

نفسیات جدیدہ مین جہان وظائف نفسی کے متعلق اور بہت سے انکشافات ہوئے ہین وہان ایک سب سے ضروری تحقیق یہ ہے کہ شعور کی تین حالتین تسلیم کی گئی ہین، سب سے پہلی حالت کو نفس کی شعوری حالت کہا جاسکتا ہے جو معمولاً وطبعاً ہر صحیح دماغ والے شخص مین اس کے اوقات بیداری مین پائی جاتی ہے، مثلاً سامنے والی میز کا ورک آنے جانے والون کی طرف میری توجہ کا منعطف ہوجانا یہ سب میرے نفس کی شعوری حالت کو مستلزم ہین، دوسری حالت وہ ہوتی ہی جبکہ کوئی چیز براہ راست میرے شعور مین نہین ہوتی لیکن حافظہ تلازم خیالات تخیل وغیرہ کی وساطت سے

وہ بھی شعور مین آسکتی ہے، مثلاً مین تحریر مین بہت منہمک ہون لیکن جب کوئی شخص مدرسہ کا نام لیتا ہے تو میرے دماغ مین مدرسہ سے متعلق کچھ خیالات گذرنے لگتے ہین اور کچھ واقعات یاد آجاتے ہین، نفس کی اِس حالت کو عام طور پر نیم شعوری حالت کہا جاتا ہے، اِس کے علاوہ کچھ باتین ایسی بھی ہوتی ہین جو ہمارے دماغ کی سب سے نیچی تہون مین مخفی رہتی ہین اور اون کو شعور کی سطح پر لانے کے لیئے بہت کچھ جد وجہد کرنا پڑتی ہے، اِن واقعات کے متعلق ہمارے نفس کی حالت کو غیر شعوری یا لاشعوری حالت کہا جاسکتا ہے،

اِس قدر تمہیدی بحث کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ اون جذبات سے قطع نظر کرکے جو نفس کی شعوری حالت سے تعلق رکھتے ہین، ہماری جذبی زندگی کے دیگر عناصر زیادہ تر نفس کی لاشعوری حالتمین موجود ہوتے ہین یا یون کہو کہ ہماری معمولی اور طبعی زندگی کی تہ مین چھپے رہتے ہین، ظاہری حُسنِ اخلاق، ہمدردی، اور محبت کے خوشنما پردہ کے پیچھے ہر انسان کے نفس مین محبت و عداوت، حُبِ اقتدار، خوف وشک، غصہ وانتقام، کے جذبات بھی ابتدائی مدارج مین پائے جاتے ہین، ان کے علاوہ اور بہت سی بسیط تحریکات اور دبی ہوئی خواہشات بھی موجود ہوتی ہین، جو ارتقائے انسانی کے مختلف مدارج مین بجنسہ موجود رہی ہین اور ہم مین بطور گذشتہ نسلون کی یادگار کے باقی ہین، یہ سب کی سب ناقابلِ ادراک طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہین، فِطرت انسانی کی اِس پوشیدہ زندگی کے وجود کو ماننا اور نفس کی لاشعوری حالت کا جو اثر ہماری ادنیٰ سی ادنیٰ ترغیبات پر پڑتا ہے اوسے تسلیم کرنا ہمارے لیئے بہت ضروری ہی، باطل ترغیبات کی مختلف اشکال، تہدید افراد، و ترغیبات اجتماعی کے مُضر اثرات جن سے گذشتہ صفحات مین بحث کی جاچکی ہے، اِن سب کا اصلی مخرج یہی تحت الشعور تحریکات وجذبات ہین،

ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ باطل ترغیبات (اجتماعی وانفرادی)، خود فریبی، مکائدِ نفس وغیرہ کا

اصلی ماخذ ہماری غیرشعوری خواہشات اور جذبات ہوتے ہین، اِس کی وجہ اِن تحریکات کے چند خصائص ہین مثلاً سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حُبِّ اقتدار اوس کا زبردست ترین خاصہ ہے جو کسی نہ کسی صورت مین اِنسان کو اپنے اقتدار کے اظہار اور ادعا پر اُبھارتا ہے، اگر ایک طرف بڑی بڑی جماعتون مین یہی خاصہ بقائے اقتدار کے بہت کچھ سامان کرتا ہے اور بعض اوقات بڑی بڑی خونریزیان اس کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہین تو دوسری صورت مین یہ بالکل معصوم طور پر جملون حرکات وسکنات، اشارون مین ظاہر ہوتا ہے، مقصود بہرحال وہی ہوتا ہے یعنی اپنے اقتدار کا دوسرون پر اظہار، تمہارا بے تکلف دوست جب تمہارے کندھے پر ہاتھ مار کر نہایت صاف دلی سے تم سے سوال کرتا ہے کہ "کہو جی! اچھے تو ہو!" تو خود اس کو اور تم کو یہ اندازہ نہین ہوتا کہ اِن پانچ الفاظ مین اقتدار وتفوق کی جھلک نظر آتی ہے لیکن ایک تجربہ کار نفسیات کا ماہر تمھین بتائیگا کہ اِن الفاظ مین اوس کی غیرشعوری خواہشِ فوقیت واقتدار اپنا اظہار کر رہی ہے،

دوسری خصوصیت اِن غیرشعوری تحریکات کی یہ ہوتی ہے کہ اونکا رجحان زیادہ تر غیرمعاشرتی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری باطل ترغیبات جو زیادہ تر ہماری غیرشعوری، دبی ہوئی خواہشات کا نتیجہ ہوتی ہین خفیہ طور پر کام کرتی رہتی ہین اور اپنی تشفی کے لیے خفیہ ذرائع تہدید وحصولِ انتفاع ناجائز کو کام مین لاتی ہین، جب کبھی حالتِ بیداری یا خواب مین ہمارے متخیلہ کی خودسرانہ پروازِ نفس کی لاشعوری حالت مین ہم کو عرشِ بالا پر پہونچا دیتی ہے، ہم اِس خیالی دنیا کے بطلِ اعظم اور دوسرے ہمارے محکوم ہوتے ہین تو اوس وقت غیرشعوری تحریکات کا یہ رُجحان غیرمدنی اور غیرمعاشرتی نہین تو اور کیا ہے! اس کے غیرمدنی ہونے کا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا کہ ہم کبھی اِن خیالات کا دوسرون کی موجودگی مین اظہار نہین کرتے، اِسی طرح جب ہم اِن مخفی خواہشات کی تحریک سے مجبور ہو کر اپنے خودغرضانہ جذبات مثلاً عیش پسندی، حصولِ مراعاتِ خصوصی، اقتدار یا ثروت

کی تشفی کی کوشش کرتے ہین تو ہم فطرۃً ایسے وسائل سے کام لیتے ہین جو ہماری اصلی خواہشات کو دوسرون پر اور خود ہمارے شعور کے سامنے ظاہر نہ ہونے دین، غیر شعوری تحریکات کے مخالف تمدن و معاشرت ہونے کا یہ دوسرا ثبوت ہے،

جن حضرات کو نفسیات جدیدہ کی ایک اہم شاخ نفسی مرضیات (Psycho Pathology) کے متعلق زیادہ واقفیت نہین ہے اون کو شاید یہ سنکر تعجب ہو کہ اِن غیر شعوری رجحانات کی اِصلاح اور اِن کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بھی تدبیرین ہو سکتی ہین زمانۂ حال مین اختلال نفسی کا جو علاج بذریعۂ نفسی تحلیل (Psycho-Analysis) کیا جاتا ہے اوس سے پتہ چلتا ہے کہ اختلال نفسی کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ مریض خارجی یا ذہنی اثرات کی وجہ سے اِس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے پُرزور مگر ناقابل تشفی جذبات و خواہشات کو بجز اپنے شعور سے ہٹا کر شعور خفی مین لے آئے، تم نے اکثر ایسے پاگلون کو دیکھا ہو گا جو سر پر سرکنڈے کا تاج پہنے ہاتھ مین لکڑی لیئے بڑے رُعب و داب کے ساتھ بازارون مین پھرتے ہین اور اپنے آپ کو بادشاہِ وقت سمجھتے ہین تحلیل نفسی کے ذریعہ سے اگر تم اس شخص کی کیفیات نفسی کا مطالعہ کرو تو شاید تم کو معلوم ہو کہ اِس شخص کے جذبات حکومت پسندی، حُب ثروت وغیرہ بہت کچھ پُرزور تھے مگر خارجی حالات مثلاً نامساعدتِ روزگار یا ذہنی اثرات مثلاً ذاتی ناقابلیت کے احساس نے اِن جذبات کے بحرِ ذخار کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی گویا کہ یہ جذبات اِس شخص مین شعوری نہ رہے لیکن قطعاً فنا بھی نہین ہوئے اور غیر شعوری بن گئے، اس جبریہ انسداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان جذبات کا اثر پہلے سے بھی زیادہ پُرزور ہو گیا، خود یہ جذبات مسدود ہوئے تھے لیکن اپنی رَو مین اس کی شخصیت و شعور کو بھی فنا کرتے گئے اور یہ آدمی پاگل ہو گیا، ایسا ہونا اس کے جذبات کی تشفی کے لیئے زیادہ مُفید ہے، کیونکہ یہ شخص خیالی دنیا مین بادشاہ بنا بیٹھا ہے،

اور اچھی طرح اپنے مخفی جذبات کی تشفی کرتا ہے،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ دنیا مین ہر فرد اِس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنی خواہشات کا منھ مارے اور نفس کُشی کرے پھر ہر شخص پاگل کیون نہین ہوجاتا؟ بات یہ ہے کہ کسی ناخوشگوار سلسلۂ خیالات کو شعور سے دور کرنا تو معمولاً اور طبعاً ہوتا ہی رہتا ہے، مثلاً غم غلط کرنا لیکن بعض صورتون مین یہ ہوتا ہے کہ صرف یہ ناخوشگوار سلسلۂ خیالات ہی کل وجز مفقود نہین ہوجاتا بلکہ اپنے ساتھ مریض کے شعور سے دیگر تجربات کو بھی حذف کردیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت جو ابتک ایک منتظم اور مرکب حالت مین تھی منتشر ہوجاتی ہے" شدّت غم سے پاگل ہوجانا" اسی کی مثال ہے، دوران جنگ مین شیل شاک (گولون سے پھٹنے کا دھاکہ) سے یہی کیفیت رونما ہوتی تھی، لیکن اِن سب باتون کے باوجود یہ کبھی نہین ہوتا کہ شخصیت تمام وکمال منتشر و فنا ہوجائے تجربات نفسی کا بیشتر حصہ غیر شعوری حالت مین موجود رہتا ہے اور مناسب ذرائع سے اِس کا احیا ہوسکتا ہے، علاج کا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے اوس کی تکالیف و شکایات کا بیان کرایا جاتا ہے تاکہ حذف شدہ تجربات نفسی (جو اصل باعثِ اختلال ہین) زندہ ہوسکین، جن تلازمات سے اوس کے جنون کو شہ ہوتی ہو اون کو بغور دریافت کیا جاتا ہے، جب مسدود خیالات اور حذف شدہ تجربات نفسی (جو مریض مین ہیجان پیدا کرتے تھے) اوس پر ظاہر کردیئے جائینگے اور وہ اون سے واقف ہوکر اپنے خلل دماغ اور اون کے درمیان کوئی رشتہ علّت ومعلول دریافت کرسکے گا تو فوراً اوس کی حالت درست ہوجائے گی،

غیر شعوری تحریکات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا بہت کچھ تشنہ ہے[1] اِس سے زیادہ مکمل

---

[1] اُردو مین آجتک کوئی کتاب نفسیات جدیدہ کے اِس شعبہ تجزیہ نفسی کے متعلق نہین لکھی گئی، انگریزی دان حضرات جن کو اُن امور مین دلچسپی ہو کتب ذیل کو بہت کچھ مفید و مکمل اور دلچسپ پائینگے، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بحث موجود کتاب کی حد نظر سے باہر ہے اِس موقع پر اِس کے بیان کرنے کی ضرورت یون محسوس
ہوئی کہ اِس طریقۂ علاج کی اہمیت باطل ترغیبات کی صحت اور اون کے علاج مین دریافت ہوجائے
نفسیات جدیدہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہو کہ اختلال نفسی کا سہل علاج یہ ہے کہ غیر شعوری باتونکو
شعور مین لے آیا جائے اِسی طرح سے عمل ترغیب مین باطل ترغیبات، خود فریبی وغیرہ سے بچنے کا بہترین
ذریعہ یہ ہو کہ ہم بلا خوف و شرم اپنے اندرونی تحریکات کا اچھی طرح جائزہ لین، اون کی بخوبی تحلیل
کرین اور بالآخر اون کے حسن یا قبح کو شعور کے سامنے بلاکم وکاست پیش کردین، اگر ہم نے ایسا کیا تو
ہم کو معلوم ہوگا کہ ہماری ترغیب کی محرک بہت سی غیر شعوری خواہشات تھین جو اپنی خود غرضی اقتدار
پسندی اور دیگر عیوب کی وجہ سے دوسرون کے سامنے تو کیا خود ہمارے نفس کے سامنے بھی ظاہر نہین ہوسکتی
تھین اور ہم ان کو قبول کرتے ہوئے شرماتے تھے، مخفی خواہشات کو اپنے نفس کے سامنے لے آنا یہ معنی رکھتا ہے
کہ ہم اون کو دنیا اور اِس کے دیگر تعلقات کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہین اور اس طرح اون کی ایک
بڑی خصوصیت (یعنی اون کا خلاف معاشرت اور خود غرضانہ ہونا) جاتی رہتی ہو، اعمال صحیحہ اور
صحت نفس برقرار رکھنے کی ایک بڑی ترکیب یہ ہے کہ اپنی ہر بات کو کل دنیا کے متحدہ نقطۂ خیال سے
دیکھا جائے، کِس قدر مقام شکر ہے کہ ضروریاتِ زندگی ہمین کسب معاش پر مجبور کرتی رہتی ہین اور اِس
طرح سے جو تعلقات دوسرے افراد کے ساتھ ہوجاتے ہین اور خود اپنی زندگی مین اون کے وجود کی جو کچھ
اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہ ہم کو دوسرون کے حقوق سے بھی اطلاع کردیتی ہے اور ہم بہت سی غیر شعوری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) 1 Green Phychunalysis in the Class room 2. Freud: Interpretation of Dreams. 3 - Freud: Psychopathology of every day life. 4 - Jung Psychoanalytic method

اور خود غرضانہ تحریکات کی کورانہ تقلید سے باز رہتے ہین لیکن پھر بھی غیر شعوری تحریکات کبھی کبھی ہم سے اپنے حسب حال عمل کرا چھوڑتی ہین خود غرضانہ جذبات کی تشفی اور مخفی خواہشات کی تکمیل کے لیئے ہم ایک ترکیب سوچتے ہین اور اسی پر عمل کرتے ہین، اپنے ضمیر کی مخالف آواز کو بند کرنے یا دوسرون کی نظرون مین اپنے افعال کو بجا ثابت کرنے کے لیئے ہم جھوٹی دلیلون کی ایک عمارت کھڑی کر تے ہین اور دنیا پر یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہمارے افعال خود غرضانہ نہین ہین بلکہ نیک نیتی، ایثار، اور مفاد عامہ پر مبنی ہین، نفس انسانی کی یہ کارروائیان عام ہین ان کو مستثنیات مین داخل نہین کیا جا سکتا اِس عالمگیر مرض کا علاج یہی ہے کہ نفس کی جملہ ابلہ فریبیون، مخفی خواہشات وغیرہ کو نفس کے سامنے لے آیا جائے اور اس طرح انکا اظہار کر دیا جائے،

حاصل کلام یہ کہ ترغیب کی ابلہ فریبیون سے بچنے کے لیئے وقتاً فوقتاً اپنے غیر شعوری جذبات کا جائزہ لیتے رہو اور پردۂ اخفا سے نکالکر اون کو شعور کے سامنے لے آؤ تاکہ اون کو اصلی رنگ مین دیکھکر تمھاری آنکھین کُھلین اور تم اون کے فریب مین نہ آجاؤ، اگر ایسا کیا جائے تو تمھارا جادۂ حق سے منحرف ہونا ناممکن ہوگا، مختلف جذبات مین تمیز کرنا اون کے حُسن و قبح کو دیکھنا، نفسانی و بہیمانہ خواہشات اور معاشرتی اور مدنی تاثرات مین حد فاصل قایم کرنا، یہ صحیح ترغیب کی شرط اولین ہے اِسی کو بالفاظ دیگر یون سمجھو کہ ترغیب کا صحیح استعمال ہمارے ترجیحی اور اخلاقی فیصلون پر منحصر ہے، یعنی پہلے کسی شے کی اصلی اہمیت کا اندازہ لگانا اور پھر اخلاقی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ صادر کرنا، جسطرح غیر شعوری تحریکات زیادہ تر اعمال اسفل کی محرک ہوتی ہین اوس طرح سے جذبی رجحانات کو اپنے قابو مین رکھنا، اون کی کورانہ تقلید نہ کرنا اور قوت تمیزی سے کام لیکر اچھے اور برے مین تمیز کرنا اعمالِ صالح کا باعث ہوتا ہے، فطری تحریکات پر قابو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دماغ مین اَنا یا ذات کے متعلق صحیح اور صاف تصورات موجود ہون ہر اخلاقی فعل کے لیئے شعور ذات لازم ہے،

اور اخلاقی فیصلون کا وجود بھی ضروری ہے،

ترغیب کی صحت کا اخلاقی معیار

یہ تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ اخلاقی فیصلون کی اساس وجدانات ہین
جب کبھی کوئی شخص کوئی اعلیٰ درجہ کا اخلاقی کام کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ اِس فعل کی تحریک
کرنے والا کوئی نہ کوئی وجدان اوس مین اپنا عمل کر رہا ہو حُبّ الوطنی، محبت، ہمدردی، اِن وجدانات پر
جن اخلاقی فیصلون کی بنیاد رکھی جاتی ہو انھین ہر شخص جانتا ہے، اب بحث طلب امر یہ ہو کہ وہ کون سے وجدانات
ہین جن سے ہمارے اخلاقی فیصلے وجود مین آتے ہین اِس کا جواب دینے سے قبل ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے
کہ وجدانات کی دو قسمین ہوتی ہین، وجدانات عینی اور وجدانات مجرّد، وجدانات عینی وہ ہین جنکی
محرک کوئی شے یا اشیاء موجودہ ماحول ہوتی ہین، مثلاً خوشنما پھولون سے محبت، چھوٹے بچون سے
من حیث العام یا کسی خاص شخص سے محبّت وغیرہ، برخلاف اس کے وجدانات مجرد وہ ہوتے ہین
جن کی تحریک دینے والی اشیاء نہین بلکہ کوئی صفت یا تجریدی کیفیت ہوتی ہو، مثلاً حق پسندی،
عدل پروری، حُسن پرستی (بحیثیت مجموعی) وغیرہ، اخلاقیات مین اِن اضافی اقسام کی اہمیّت
سے بحث کرتے وقت پروفیسر میکڈوگال اپنی کتاب نفسیاتِ معاشرت مین لکھتے ہین "ایسے اخلاقی
فیصلون کا صادر ہونا جو تعمیم رکھتے ہون صرف مجرد وجدانات ہی پر منحصر ہے ورنہ وجدانات عینی
جن اخلاقی فیصلون کے محرک ہوتے ہین وہ صرف فیصلہ کنندہ کی ذات تک محدود ہوتے ہین ان مین
تعمیم کا وجود نہین ہوتا اور دوسرون پر صحت کے ساتھ اون پر منطبق نہین کیا جا سکتا، اس قسم
کے وجدانات قوت فیصلہ کو ناکارہ کر دیتے ہین........"

وجدانات کی ہر دو اقسام کے متعلق جو کچھ لکھا گیا اوس سے یہ معلوم ہوگا کہ عینی وجدانات
صحیح فیصلون کے صدور مین مانع آتے ہین، چونکہ ان کی حیثیت ایک معنی مین انفرادی اور خودغرضانہ
ہوتی ہے اسلیئے یہ بھی باطل ترغیبات کے محرک ہو سکتے ہین، دوسرے باب مین جو مثالین

ترغیب کی ابلہ فریبیون کی دی گئی ہین اون پر غور کرو تو خود غرضانہ وجدانات کا لگاؤ پاؤ گے،

اجتماعی ترغیبات کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اور اون کے جو مُضر اثرات بتائے گئے، اوس کا باعث بھی یہی یعنی خود غرضانہ وجدانات ہین! ادی النظرین تم کو شاید اجتماعی کے ساتھ خود غرضانہ کا استعمال اجتماع ضدین نظر آئے اور تم سوال کرو کہ اجتماعی ترغیب مین خود غرضانہ وجدانات کو کیا دخل ؟ اگر تم نے تہدید افراد کے طریقون اور ہماری دی ہوئی مثالون پر غور کیا ہے تو تمھین یہ غلط فہمی باقی نہ رہیگی، ہم یہ نہین کہتے کہ جماعات کے اغراض لازمًا خود غرضانہ ہوتے ہین ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر دس افراد ایک جماعت بنائین جس کا مقصد شخصی یا ذاتی منفعت کے بجائے عام مفاد ہو تو یقینًا جو نتائج مفیدہ اِس جماعت سے مترتب ہو سکتے ہین، انکو اگر بیش افراد بھی انفرادی طور پر بے غرضی اور خلوص سے کام کرین تب بھی نہین پیدا کر سکتے مگر یہ کس صورت مین ؟ جب جماعت کا مقصد نفع ذاتی یا شخصی نہین بلکہ مفاد عام ہو؛ اس شرط کا ہونا لازمی ہے، شرکت عمل، تعاون، مشترکہ جدوجہد اِن سب کا اقتضا دیہ ہونا چاہیئے کہ ہمین زندگی کے اعلیٰ مدارج تک لیجائین، گذشتہ باب مین جو اعتراضات جماعتون کے رویہ اور اون کے طرز ترغیب پر کئے گئے تھے انکا اطلاق محض اُن جماعات پر ہوتا تھا جو شرکتِ عمل، کی آڑ مین ذاتی اغراض کی تکمیل کرتی ہین اور اِس طرح ؎

بابا شراب خورد و بزاہد نماز کرد

کی مصداق بنتی ہین، اون جماعات کو کوئی بھی برا نہین کہہ سکتا جو خلوص، صدق اور بیغرضی پر قائم ہوتی ہین، لوگ کہتے ہین کہ "اچھے جب بگڑتے ہین تو بُری طرح بگڑتے ہین" اپنے گردوپیش نظر ڈالو تو تم کو اِس جملہ کی صداقت مین شبہہ نہ رہیگا، ایک ذہین لڑکا جب کسی بُری صحبت مین داخل ہو جائے تو بڑا زبردست بدمعاش یا بڑا مشہور چور بن سکتا ہے، اِسی طرح سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرةً حلیم الطبع اشخاص کو جب غصّہ آتا ہی تو انتہا درجہ کا ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا یہی قانون

جماعت کے مفید و مُضر ہونے پر حاوی ہے، اگر کسی جماعت کی اُفتاد اچھی پڑی ہے، اوس کے
مقاصد فی الحقیقت اعلیٰ وارفع ہین تو اوس کے منبعِ فلاح وبہبود ہونے مین کسکو کلام ہوسکتا ہے؛
لیکن اتنے ہی افراد کی جماعت جب بدقسمتی سے خود غرضانہ مقاصد کی حامی ہوجاتی ہی تو اوس کا حلقۂ
شر بھی اتنا ہی وسیع ہوجاتا ہے،

جماعات کی ترغیب سے بحث کرتے وقت ہم نے کہا تھا کہ جب لوگ کسی غرض کی
تکمیل کے لیے ہمخیال ہوجاتے ہین تو اثر پذیری کا نتیجہ فنائے شخصیت ہوتا ہے، ذاتی اصابت رائے
تفکر و تدبر سب کچھ رخصت ہوجاتا ہی ہم یہ بھی کہہ چکے ہین کہ جب مختلف جماعتین ایک دوسرے
کے مقابلہ مین حُبِ اقتدار کے لیے صف آرا ہوتی ہین تو اون مین باہمی منافقتات رُونما ہوتے ہین
اور ایک جماعت کا فرد دوسری جماعت کے افراد یا اپنے سے مختلف خیال والے افراد کو اپنا
دشمن خیال کرنے لگتا ہے، جس جماعت مین یہ سب باتین پائی جائین وہان اگرچہ سب ساتھ مِلکر
کام کرتے ہین لیکن پھر بھی حقیقی معنون مین شرکتِ عمل کا فقدان ہی، اوس جماعت کا شیرازہ
اس وجہ سے بندھا رہتا ہے کہ ہر شخص کے ذاتی منافع، مراعات، حقوق وغیرہ کا خیال اُسکو
جماعت کی شرکت پر مجبور کرتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ایسی جماعت کو جماعت کہنا ہی نہین چاہیے،
ہان ایسے افراد کا مجموعہ البتہ کہہ سکتے ہو جن مین سے ہر ایک ذاتی منفعت کے لیے جد وجہد کر رہا ہی
افراد کا یہ مجموعہ جماعت سے وہی نسبت رکھتا ہے جو اینٹون اور لکڑیون کا انبار مکان سے یا ہجوم
اشجار باغ سے یعنی ماہیت وہی ہے، لیکن ترتیب نیک نیتی، خلوص (جو جماعت کے حقیقی مفہوم
مین داخل ہین) سرے سے غائب ہوتے ہین، اور اصلی تعاون کی بجائے بڑے پیمانے پر انفرادیت
نظر آتی ہے،

شرکتِ عمل اور اتحادِ باہمی کا تصور جس طرح ہمارے دماغ مین خوش آیند خیالات پیدا

کر سکتا ہے اوسی طرح ہیبت ناک تصویرین بھی پیش کرتا ہے، کبھی اِس لفظ کو سنکر ہم کو ایک ایسی جماعت کا خیال آتا ہی جس کے افراد ایثار کا نمونہ ہین اور کبھی ایک ایسے جتھے کا تصور بندھتا ہے جس کے افراد آپس مین محض اِس وجہ سے متحد ہوئے ہین کہ پہلے سے زیادہ ذاتی نفع حاصل کرین اور افراد کو مجبور کرین، غرضکہ اِس اتحاد عمل کو اچھا یا برا جامہ پہنانا ہمارے نقطۂ خیال پر منحصر ہے، آجکل ہم دیکھتے ہین کہ جماعت یا جماعت بندی کا ذکر استحسان اور تعریف کے الفاظ سے کیا جاتا ہے اور حُسنِ ظن کی شدت جماعت کو ایک خیر کل بنا کر پیش کرتی ہے، موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ ابتک جماعت بندی کا نتیجہ بحیثیت مجموعی کسی طرح قوم کے لیئے مفید نہین کہا جا سکتا، چند خاص جماعتون کو چھوڑ کر بقیہ سب جماعتین ہمارے بتائے ہوئے مُضر اثرات سے پاک ہونے کا دعوی نہین کر سکتین،

اگر کوئی جماعت یہ چاہے کہ اوس کو "انفرادیت بر پیمانہ کثیر کا" ملزم نہ ٹھرایا جائے اور حُبِ منفعت ذاتی کا جرم اُس پر نہ عائد کیا جائے تو اوسے اِس امر کی ضرورت ہو کہ وسیع النظری اور ایثار کو اپنا معیار بنائے، زمانہ کی روش کا اقتضا یہی ہو، مسٹر ایچ۔ جی ویلس جو ایک مشہور مورخ ہونے کے علاوہ ایک زبردست اشتراکی بھی ہین، اپنی تصنیف "جنگ کا اثر مستقبل پر" مین لکھتے ہین کہ "باہم مِل جُلکر خدمت کرنے کا جو زبردست اور روز افزون رُجحان آجکل پایا جاتا ہی اوسکی مثال پہلے کبھی نظر نہین آتی، لیکن خدمت کِسکی، اور کیسی؟ میرا خیال ہے کہ مِل جُلکر خدمت کرنے کا عقیدہ اوسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم اِس اُصول کو اپنا ہادی بنائین کہ کل افراد انسانی ایک بڑی سلطنت کے رعایا ہین جس کا بادشاہ خدائے بزرگ و برتر ہے اور خدمت خلق ہی خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے، ہم کو اپنے اعمال و افعال کا ایک عام معیار مقرر کرنا چاہیئے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام دنیا پر یکسان حاوی ہو، امیر فقیر سے، شاہ گدا سے، افریقہ کا حبشی انگریز سے

یہ سوال کر سکے کہ مین اور تم دونون اِس معیار پر کہانتک پورے اُترے ہین، لیکن یہ معیار کیا ہو؟

دُنیا کو ملکِ خدا سمجھکر افراد کو اوس کی رعایا خیال کر کے کام کرنا۔

ہماری اکثر ترقیبات باطل کیون ہوتی ہین؟ اکثر بیکار کیون ہوتی ہین؟ اِس کا جواب ایک لفظ مین ادا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "تنگ نظری" کی وجہ سے۔ چہارم ارل گرے آنجہانی نے اپنی کتاب "**معیارِ عمل**" مین ایک چٹکلہ بتایا ہے، جس کو اگر ہم سمجھ لین تو یقیناً اپنی ترقیبات مین ہم کو ناکامی نہ اُٹھانی پڑے اور نہ باعل ترغیبات ہمارے لیئے پُر فریب ہو سکین۔ کہتے ہین "ہر کام کے کرتے وقت خواہ اُس کا تعلق خاندان سے ہو یا کُل ملک سے اپنے دل سے سوال کرو کہ جو کام مین کرنے والا ہون اوس کام کو اگر دنیا کا ہر فرد کرے، اور دنیا کے ہر فرد پر اوس کا اثر بھی ہو تو بحیثیت مجموعی یہ کام بنی نوع انسان کو فائدہ بخشے گا یا نقصان پہونچائے گا، اگر تمہارا ضمیر تم سے کہے کہ اِس کام کا نتیجہ عام طور پر مُضر ہوگا، تو اِس کام سے باز رہو اس کے پاس تک نہ پھٹکو، خواہ ایسا کرنے سے تمہارے خاندان یا ملک کو فی الوقت کسی فائدہ سے محروم کیون نہ رہنا پڑے"۔

ترغیب کا صحیح استعمال اِسی صورت مین ممکن ہو سکتا ہے جب ترغیب دہندہ کے ذہن مین فطرتِ اِنسانی کی عظمت اور بنی نوع انسان کی محبت جاگزین ہو، اگر ایسا ہو تو دنیا سے ناجائز انتفاع، کاربرآری اور اسی قسم کے دوسرے غیر معاشری افعال یک لخت جاتے رہین، ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ حتی الوسع ایسی تدبیرین سُوچین جن سے انسانیت کے متعلق مذکورۂ بالا اعلیٰ خیالات افراد کے دماغ مین قایم ہو سکین، سب سے پہلی بات جو اس کے متعلق ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کل افرادِ انسانی اپنے آپ کو ایک ہی زنجیر کی کڑیان ایک ہی گلدستہ کے پھول خیال کرنے لگین تو پھر دنیا سے خراب افعال بہت ہی کم ہو جائین، جنگون کے اسباب پر غور کرو، اگر انسانیت کی عظمت ہر شخص کے دِل مین موجود ہوتی تو کیا وہ اور اوس کے مُضر اثرات دنیا پر اپنا منحوس

سایہ ڈال سکتے ہ؛ زمانہ سلف سے لیکر ابتک اگر کوئی قوت، افراد انسانی کی ترغیبات کو غلط راستے پر لگئی ہے تو وہ یہی "ما" "و شما" کا سوال ہے، "ہر شخص اپنے قدح کی خیر مناتا ہے" ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو ہر قوم دوسری قوم کو غیر خیال کرتی ہے، اور یہی شے باعث اختلاف ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ترغیبات اچھے نتائج پیدا کرین، اور جائز ہون، تو سب سے پہلے تمہارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ دوسرون کی زندگی مین دلچسپی لو، کسی فرد کو غیر نہ خیال کرو، اور دوسرون کی ضروریات اور احساسات کا پاس کرو، بقول میر ؎

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یان — یہ کارگاہ ساری دوکان شیشہ گر ہے

کیا اچھا ہو کہ ہماری موانست و محبت کا حلقۂ اثر وسیع ہوتے ہوتے مذکورۂ بالا شعر کا مصداق ہو جائے،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ ہم حقیقت سے گذر کر "تصوریت" مین گرفتار ہو گئے ہین اور شاید مختلف اقوام کے اِس عالمگیر اتحاد کو محض ایک خوش آیند خواب خیال کر دیا، بالاصل اگر ایسا ہونا آسان نہین ہے تو ناممکن بھی نہین ہے، کیا تم نے برسات کے موسم مین کسی قصبہ یا شہر کی طغیانی کی کیفیت کو دیکھا ہے، ہندو، مسلمان، شیعہ، سُنی، برہمن، شُودر، امیر، فقیر، اِن سب کا ایسی صورتوں مین کیا رویہ ہوتا ہے؟ کیا ایک دوسرے کا شریک حال نہ تھا؟ انفلوئنزا کی وست بُرد کے زمانہ مین باہمی ہمدردی کی کیسی لہر دوڑ گئی تھی، میدان جنگ مین ہندی انگریز، فرانسیسی، افریقی، امریکن، سب کس طرح ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی بھی تکلفات دنیوی رسم و رواج، اور حفظ مراتب کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور انسان کو زندگی کے بسیط اور دشوار گذار مراحل طے کرنا پڑتے ہین، اُس وقت ہمدردی، اخوت اور اسی قِسم کے مدنی جذبات کا جوش عالمگیر ہوتا ہے، میدان کارزار مین جب دنیا کے بنائے ہوئے اختلافات پیچھے چھوٹ جاتے ہین اور موت ایک عُریان حقیقت بن کر نظرون کے سامنے آتی ہے اوس وقت سب برابر ہو جاتے ہین،

کاندرین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

دنیا مین کسی چیز کا حاصل کرنا اتنا دشوار نہین ہی جتنا وحدتِ مساعی و مقاصد کا، لاکھ کوشش کرو یہ ممکن ہی نہین کہ مختلف افراد انسانی کسی مقصد کے حصول کے لیئے واحد ذریعہ استعمال کرین، اِس بارے مین تمھاری ترغیب کامیاب ہو ہی نہین سکتی، وجہ یہ ہے کہ ہر شخص فطرۃً دوسرے سے مختلف ہوتا ہی، یہ اختلافات تو غیر فطری و ذہنی ہین، لیکن خود انسان نے گروہ، قوم، مذہب بنا کر اختلافات مین اور اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ عالمگیر اخوت اور رشتۂ اتحاد دراصل منشار قدرت ہے، جب کبھی ہم تکلفات دنیوی اور تعصبات ذاتی کی بنا پر اس منشار کی طرف سے غافل ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہین، تو قدرت کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا کرتی ہے کہ اِس منشار کی یاد لوگون کے دلون مین تازہ ہو جائے اور وہ خواہ عارضی طور پر ہی کیون نہ سہی،

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لین،

ذہنی اور عقلی اعتبار سے صحیح ترغیبات کا معیار

مذکورۂ بالا بحث سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ چونکہ ترغیبات مین اخلاقی فیصلون کا وجود ہوتا ہے لہٰذا اون کے صحیح یا ناجائز ہونے کا معیار بھی اخلاقی ہونا چاہیئے، مطلب یہ کہ جو ترغیبین اخلاقی نقطۂ نگاہ سے پسندیدہ ہون وہ اچھی، اور جو اس معیار سے گری ہوئی ہون وہ بُری خیال کی جائین، یہ تو خیر بحث کا ایک رُخ ہوا مگر مصیبت یہ ہے کہ ہماری ترغیبات مین فیصلے صرف اخلاقی اعتبار ہی سے گرے ہوئے نہین ہوتے بلکہ اون مین ذہنی، منطقی اور عقلی عیوب و اسقام بھی پائے جاتے ہین، باطل ترغیبات مین سوء استدلال کا جو کچھ حصہ ہو اوسے ہم مکائدِ نفس سے بحث کرتے وقت دیکھ چکے ہین، اخلاقی پہلو سے اگر پُر فریب ترغیبات کو دیکھو تو اون مین یہ عیب نظر آتا ہے کہ یہ خود غرضانہ اور غیر معاشرتی ہوتی ہین، اب اگر ذہنی نقطۂ نگاہ سے دیکھو تو اون کے معائب کچھ اور ہی نظر آتے ہین، مثلاً فطرتِ انسانی کا غلط اندازہ لگانا

اور قیاسات مین تعصب سے کام لینا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانے کی مثال تم کو انتفاع ناجائز اور تہدید کے طریقون مین نظر آئے گی، جو لوگ انسان کو اپنے حصول مقصد کے لیئے آلہ بناتے ہین وہ یہ نہین سوچتے کہ انسان جذبات و تاثرات رکھتا ہے مشین کی طرح بےحس نہین ہے، اپنے مطلب کے لیئے اس طرح افراد انسانی کا میکانی استعمال فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا نہین تو اور کیا ہے، ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بیجان اشیا کی طرح انسان پر تجربات کرنا اور اس سے مشینون کی طرح ہمہ وقت اپنے حسب خواہش افعال سرزد کرانا ناممکن ہے، بیجان اشیا کی تحقیق و تفتیش مین ہر تجربہ کا امکان ہے اور ان تجربات کی بنا پر عام کلیہ کا استقرا کیا جا سکتا ہے، مگر انسان کے طرز عمل کے متعلق اول تو تجربات ہی بہت دشوار ہین، کیونکہ تجربات خاص خاص شرائط کی موجودگی چاہتے ہین مگر انسان کے خیالات، جذبات، خواہشات، افعال یہ ہر لحظہ بدلتے رہتے ہین اگر بفرض محال تجربات ممکن بھی ہون تو اون کی بنا پر جو اصول قایم کیئے جاتے ہین وہ مخصوص و محدود لااطلاق ہوتے ہین، اون مین تعمیم نہین ہوتی، فطرت انسانی کی تہ مین ہر وقت کوئی ایسا ناقابل تشخیص جوہر عمل کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے قطعیت کے ساتھ انسانی افعال کے متعلق حکم نہین لگایا جا سکتا، پانی پر متعدد تجربات کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ کا استقصا کر سکتے ہین کہ جب کبھی دو مقدار ہائیڈروجن ایک مقدار آکسیجن سے ملے گی، تو دو مقدار پانی بنے گا، لیکن کسی بچہ کو پریون کی کہانیون مین منہمک دیکھکر تم قطعی طور پر یہ حکم نہین لگا سکتے کہ جب کبھی پریون کی کہانیان بیان کیجائینگی بچہ منہمک رہیگا، اپنے اس کلیہ کے متعدد استثنا تم کو نظر آئینگے۔ پس ترغیبات باطل کی بدولت دوسرون سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرانیکی کوشش کرنا اونکا آلہ کے طور پر استعمال کرنا یہ بہت بڑی غلطی ہے، اور ترغیب کا بہت بڑا نقص ہے،

غرضکہ ذہنی اعتبار سے دیکھو یا اخلاقی اعتبار سے باطل ترغیبات سے بچنے اور صحیح طور پر اوسے استعمال کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ انسانی شخصیت کا صحیح اندازہ لگایا جائے انفرادی اعتبار سے

جو فرق مختلف انسانون مین ہے اوس کا لحاظ رکھا جائے، اور اِس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ مختلف انسان ایک ہی قسم کے مؤثرات سے مختلف طور پر متاثر ہوتے ہین، اسی کو دوسرے الفاظ مین یون کہو کہ ہماری جملہ ترغیبات کی بنا مدنی اور معاشرتی، جذبات اور وجدانات پر ہونا چاہیئے، نہ کہ ذاتی اور خود غرضانہ تاثرات پر، ہماری اجتماعی مساعی کی رُوح و رُوان یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ "قومی مفاد کے لئے شرکتِ عمل اور تعاون ناگزیر ہے" لیکن کن معنون مین؟ زمانہ موجودہ مین قومی خدمت کی ضرورت پر اِس قدر زور دیا جا رہا ہے اور اہل اور نااہل افراد اِس قدر شد و مد سے اِس پر اظہار خیال کر رہے ہین کہ "اندیشہ ہے کہ کہین قومی خدمت کا مفہوم ہی سرے سے غلط نہ سمجھا جائے" تنگ خیال مبلغین اور متعصب قائدین کی تلقین کا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ لوگون نے قومی خدمت سے یہ مراد لینا شروع کر دیا ہے کہ "ہمارا فرض ہے کہ ہر شخص کے معاملات سے متعارض ہون خواہ وہ غلط راستے پر ہو یا صحیح طریقہ پر، ہماری نصیحت کا محتاج ہو یا اوس سے بے نیاز" افسوس ہے کہ ہندوستان مین اکثر قومی یا سیاسی جماعتون کے رضاکار اسی طریقہ پر کاربند ہین، اِس مین شک نہین کہ اون کا یہ طرز عمل اون کے ایثار قومی کا ثبوت ہے، لیکن اخلاقیات نے ایثار کی بھی کچھ حدود مقرر کر دی ہین، اگر ہم غور و خوض سے کام لین تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم مین کا ہر ایک فرد اپنی علیحدہ دنیائے خیالات مین رہتا ہے اور یہ کہ دوسرون کے حالات اور صورتِ واقعات سے کما حقہٗ واقف ہونا تو درکنار ہم خود اپنے خیالات کا اندازہ غلط لگا جاتے ہین، اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم غیر ضروری تعارض سے باز رہینگے، قومی خدمت کی حدود لامتناہی نہین ہین، اِس مین ہر شخص کا حصہ مقرر ہے، اصلی معنون مین قومی خدمت وہی ہو سکتی ہے جب بلا کسی تجسس و تفتیش کے ہمارے سامنے خدمت کے مواقع آئین، اپنی شاہراہِ عمل سے منحرف ہو کر دوسرون کی راہ کی تاک لگانا قومی خدمت کا حقیقی مفہوم ادا نہین کرتا،

اخلاقی اور عقلی ترغیب کا صحیح استعمال منطقی نقطۂ نگاہ سے، اعتبار سے صحیح ترغیب کا معیار تو ہم دیکھ چکے

اب منطقی نظر سے اوسے دیکھنا باقی ہے یاد ہوگا کہ دوسرے باب مین ہم یہ ثابت کر چکے ہین کہ باطل ترغیبات
مین استدلال یا کم از کم استدلال نما بحث پائی جاتی ہے، جب ہم کسی صورتِ حالات کو اپنے ذاتی تاثرات
اور مفاد کی روشنی مین دیکھتے ہین یا اوس کا اندازہ کم وبیش ذاتیات سے کرتے ہین تو اُس صورت مین اپنے
اِس عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیئے ہم کسی نہ کسی استدلال سے ضرور مدد لیتے ہین اِس کی کئی صورتین ممکن
ہین، اپنے کسی ناجائز فعل کے جواز کے لیئے کبھی تم اون لوگون کی مثال ڈھونڈھتے ہو جو تمھارا جیسا فعل کر چکے
ہین اور اِس طرح نظائر بتا کر اپنے گناہ کی شدت کم کرنا چاہتے ہو، کبھی اُن لوگون کے نام گنواتے ہو جنھون نے
بالکل یہی کام کیا لیکن دنیا اون کو صالح ہی فرض کرتی رہی، کبھی اپنے دوست زید کی مثال پیش کرتے ہو
کہ وہ مجھ سے بھی بدتر افعال کرتا ہے، کبھی اپنے فعل کا باعث واقعات کی پیچیدگی کو قرار دیتے ہو اور کبھی یہ کہتے ہو کہ
"نیت تو صادق ہے" پھر افعال کے حسن و قبح کی تحقیق سے کیا حاصل، وغیرہ وغیرہ،

جس طرح ترغیبات باطل مین جذبات کی نیرنگیان کم وبیش غیر شعوری اور ہمارے نفس
و ادراک سے باہر ہوتی ہین، اس طرح سے سوءِ استدلال اور غلط طریقون سے اپنے افعال کا جواز یہ چیزین
بھی ہمارے قبضۂ اختیار سے باہر اور غیر ارادی ہوتی ہین، اونکا مخرج بھی یہی غیر شعوری تحریکات ہین، بادی النظر
مین تو اس قسم کے غیر ارادی استدلال اور شعوری استدلال مین کچھ فرق نہین معلوم ہوتا کیونکہ دونون
مین یکسان طور پر تمثیلات اور تشبیہات کا وجود ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت اول الذکر ناکارہ و خام ہے،
انسانی زندگی مین تعقل و استدلال کا کام یہ ہے کہ تجربات ماضی کو ترتیب کے ساتھ منتظم حیثیت مین محفوظ
رکھے تا کہ اون کی روشنی مین ہم اپنے مستقبل کو درست کر سکین اور اپنے آیندہ طرزِ عمل کو اپنے سابقہ
تجربات پر منطبق کر کے اوس کی صحت یا غلطی سے واقف ہو جائین، گویا اِس اعتبار سے استدلال کا
مدعائے اصلی، ہدایت، اور مستقبل کے لیئے شاہراہِ عمل کی فراہمی ہے، لیکن غیر شعوری اور غیر ارادی
استدلال مین ہدایت کی یہ صلاحیت نہین پائی جاتی، اِسی لیئے جن تشبیہات سے اوس مین کام لیا

جاتا ہے وہ ناقص اور قوت تمیز سے مُبَرّا ہوتی ہین، چونکہ ان کی اساس غیر شعوری خواہشات وجذبات ہوتے ہین، اس لیئے وہ حقیقت سے دُور اور بعض وقت انتہا درجہ کی مضحکہ خیز ہوتی ہین،

جس کسی کو ہمارے مذکورہ بالا بیان کی صداقت مین شبہہ ہو وہ خواب مین اِن بے ڈھنگی تشبیہون کے کرشمے اچھی طرح دیکھ سکتا ہے، نفسیّات جدیدہ مین خواب کے متعلق جو عظیم الشان لٹریچر فراہم ہو گیا ہے اوس کا ماحصل یہ ہے کہ "خواب مین انسان اپنی اِن آرزوٗن کو پورا کرتا ہے جو کسی وجہ سے زندگی مین پوری نہ ہو سکین" حالتِ خواب مین ہمارا شعورِ خفی، تشبیہات ونظائر باطل سے کام لیکر ہماری زندگی کی ناخوشگوار خواہشات کو کچھ عجیب جامہ پہناتا ہے، جن چیزون کو خواب کے آثار وعلامات کہا جاتا ہے وہ انھی تلبیسات کا نام ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی شخص **الف** کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ ایک شخص **ب** کو نقصان پہونچائے، لیکن **الف** کا ضمیر ہمہ وقت اوسے رُوکتا رہتا ہے، اب **الف** خواب دیکھتا ہے کہ ایک شخص نے اوس پر حملہ کیا اور اُس نے اوس شخص کو مار ڈالا ہے، اس خواب کی تحلیل نفسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خواب والا دشمن وہی شخص **ب** ہی، دشمن کا لباس اس وجہ سے پہنا دیا گیا کہ اِس صورت مین اوسے مارنا **الف** کے ضمیر کے منافی نہین رہ جاتا گویا اِس طرح زندگی کی ایک ناتمام خواہش خواب مین پوری کی گئی، اِس مثال سے ہمارے شعور خفی کی باطل تشبیہ اور تمثیل کے طریقے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہین،

غیر شعوری تشبیہات کے یہ کرشمے صرف عالم خواب تک ہی محدود نہین ہین، بلکہ ہماری معمولی باطل اور پُر فریب ترغیبات مین بھی انکا عمل ہوتا رہتا ہے، خیالی پلاؤ پکانا بھی اِس قسم کی بے تکی ترغیب ہے، غیر شعوری تحریکات کے جو خواص ہم کچھ صفحات ادھر بیان کر آئے ہین وہ اِس مین بھی پائے جاتے ہین، پہلی بات تو یہ کہ اس کی حیثیت خود غرضانہ اور غیر معاشری ہوتی ہی، جو شخص خیالی دنیا کی سیر مین مصروف رہتا ہے، وہ اپنی ذات کے سوا تمام دنیا سے تھوڑی دیر کے لیئے بے خبر ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہی

کہ خیالی پُلاؤ" جیسا کہ خود اُس کے نام سے ظاہر ہے اکثر مہمل ہوتے ہین اور ظاہر ہے کہ جب تم نے اپنے آپ کو حقیقت اور واقعیت سے علیحدہ کر لیا تو پھر تمھارے خیالات مہمل نہ ہون تو اور کیا ہون؟ غیر شعوری تحریکات کا دوسرا خاصہ جو اس خیالی پلاؤ مین پایا جاتا ہی وہ یہ ہی کہ یا تو ناگوار خیالات پر رنگ آمیزی کر کے اون کی ہیئت کذائی کو چھپا لیا جاتا ہے، یا پھر سرے سے اونکا گذر ہی نہین ہونے دیا جاتا ہے، تیسرا خاصہ یعنی حُب اقتدار اور فوقیت کا میلان بھی خیالی پلاؤ مین بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے، ہم کبھی اپنے آپ کو حقیر تو دیکھتے ہی نہین، باطل ترغیبات مین بھی غیر شعوری تحریکات کے متذکرہ بالا خواص نظر آتے ہین غاصب اپنے غصب کو ہلکا کرنے کے لیئے بڑی بڑی سلطنتون کے غصب کی مثال پیش کرتا ہے کہ کسی معصوم شخص کو مجرم ثابت کر کے اور اوسکو سزا دلا کر ایک وکیل اپنے زعم مین خود کو سوسائٹی کا نجات دہندہ فرض کرتا ہے، اپنی رعایا مین حب الوطنی کا جوش اور دوسری قومون کی جانب سے اون کے جذباتِ نفرت کو برانگیختہ کرنے کے لیئے قیصر جرمنی اپنے ملک کی تکالیف کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تکالیف سے مشابہت دیتے ہین، شیعہ وسُنّی مسلمانون کے ہنگامہ کے بعد شیعہ حضرات اپنی مظلومیت اور دوسرے فرقہ کی طرف سے لوگون کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے اس ہنگامہ کی تمثیل "کربلائے معلٰی کے واقعہ فاجعہ" سے کرتے ہین، مذکورہ بالا اصلی اور فرضی مثالون مین سے کسی ایک کو لو، تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ غلطی کی اصل وجہ قوت تمیز کی کمی اور غور و خوض، صحیح معائنہ و مقابلہ واقعات کی ناقابلیت ہے، پس معلوم ہوا کہ ترغیبات کو صحیح نہج پر لانے اور انکا جائز استعمال کرنے کے لیۓ صرف مختلف جذبات مین تمیز کرنا اور غیر شعوری خود غرضانہ تحریکات اور معاشرتی وجدانات کا فرق جاننا ہی ضروری نہین ہے، بلکہ تصورات اور تخیلات مین تمیز کرنا بھی ہمارا فرض ہے،

ہر قسم کے استدلال عقلی کی بنیاد اصول تشبیہ و تمثیل پر ہے ہمارا ہر استدلال اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اوس کی اصطلاحات اور قضیون مین لازمی اور بیّن تشابہ ہو، اگر مشابہت غیر تام اتفاقی اور ناقص ہو تو اوس کی بنا پر جو استدلال کیا جائے گا وہ بھی غلط ہی ہوگا،

غور کرو، مثلاً تمھارا استدلال ہے کہ "چونکہ تمام مادی اشیا مین وزن ہوتا ہے اور ہوا بھی ایک مادّی شے ہے اسلئے ہوا مین بھی وزن ہونا ضروری ہے" اب اسی مین دیکھو کہ استدلال کی غلطی یا صحت اوس مشابہت پر منحصر ہے جو ہوا مین اور دیگر مادی اشیا مین باعتبار مادیت پائی جائے، اگر ہوا مین اُسی قسم کی مادیت ہو جیسی کہ دیگر اشیا مین تو تمھارا استدلال صحیح ہو ورنہ نہین، کیونکہ اس صورت مین مقدمہ صغریٰ ہی ناقص ہوا جاتا ہے، سو استدلال کی کسی قسم کو لو، تم دیکھوگے کہ اس مین غلطی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تمھاری قوت تمیز نے غلطی کی یا یہ کہ تم نے تبویب اصطفاف (Classification) مین غلطی کی یعنی کسی مجموعہ حالات کو ایسے عنوان کے تحت مین رکھا جس مین وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے شامل نہین ہو سکتا تھا، ہر غلطی مین یہی ہوتا ہے جب مین غلط استدلال کرتا ہون یا غلط نتیجہ اخذ کرتا ہون تو اوسکا باعث یہی ہے کہ مین اپنے خیال مین صورت حالات کو کچھ اور سمجھتا ہون اور فی الحقیقت یہ اوس سے مختلف ہے، پس منطقی نقطۂ نگاہ سے ترغیب کے جائز استعمال کی شرط یہ ہے کہ ہم واقعات و حالات کو صحیح روشنی مین دیکھین تبویب مین غلطی نہ کرین اور غلط تشبیہات کے دھوکہ مین نہ آئین،

خلاصہ، **مختصر یہ کہ** جسے ہم حقیقی اور جائز معنون مین ترغیب کہہ سکتے ہین وہ ایک خود شعوری عمل ہے جس مین ذہن تخیل اور جذبات باہم مخلوط ہوتے ہین اور یہ اختلاط غیر شعوری تحریکات کا نتیجہ نہین ہوتا بلکہ اس کی بنا صورت حالات کے صحیح ذہنی درک پر ہوتی ہے صحیح اور جائز ترغیب مین صرف انہی استنباطات، تخیلات، اور تشبیہات سے کام لیا جاتا ہے، اور صرف وہی جذبات برانگیختہ کیے جاتے ہین جو بالاصل صورت زیر بحث کی تحت آئین، برخلاف اسکے ترغیبات باطل مین تخیلہ، ذہن اور استدلال کا عمل مصنوعی اور غیر ارادی ہوتا ہے اور صورت حالات سے تطابق لازمی نہین خیال کیا جاتا، اپنا منشاء مافی الضمیر حاصل کرنے کے لیئے یا کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے ہم غلط منطق سے کام لیتے ہین، اپنے تخیل کو ناجائز طور پر اُکساتے ہین اور جلد از جلد اپنا مقصد حاصل کرنے کی نیت سے

ایسے جذبات کو اشتعال دیتے ہین جو اگرچہ حصول مقصد مین ہمارے معین تو ضرور ہوتے ہین لیکن نصاف سے دیکھو تو اون مین اور صورت زیر بحث مین کوئی رشتہ نہین ہوتا، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص ترغیب مین زیادہ خامیان عنصر ذہنی کی وجہ سے ہون اور تخیلی اور جذبی نقطۂ نگاہ سے وہ غلط نہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کہ ایک قسم کی غلطی دوسری غلطیون کو بھی مستلزم ہے، جذبات، تخیل، اور ذہن ایک دوسرے کو مدد دیتے رہتے ہین، ایک دوسرے کی ہدایت اور ایک دوسرے کے ساتھ شرکت عمل بھی کرتے ہین، جائز ترغیبات مین یہ تینون شعور وارادہ کے اختیار مین رہکر ہم آہنگی سے کام کرتے ہین، ترغیبات باطل مین بھی یہی تینون عمل پیرا ہوتے ہین لیکن اِس صورت مین انکا عمل خارج از اختیار وارادہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد محض ایک مقررہ حد تک ہم کو لیجانا ہوتا ہے، صحیح اور باطل ترغیبات مین مابہ الامتیاز یہی ہے، ورنہ بلحاظ عناصر ترکیبیہ یہ دونون ایک ہی ہین،

بابِ پنجم

ترغیبِ خاموش

ترغیبات غیر لفظی اور اون کے اقسام، اِشارات، سطوت، شخصیت، موسیقی، نقاشی، بائسکوپ وغیرہ کے ذریعہ سے ترغیب، انکے صحیح یا فریب دہ اثرات سے بحث،

ترغیب خاموش اور اوسکے طریقے،

ابتک ہم نے عملِ ترغیب کی نفسیاتی تشریح کی ہی، باطل ترغیبات کے طریقے، خود فریبیان، اجتماعی ترغیبات کے نقصائص، ترغیبات کو صحیح نہج پر استعمال کرنے کے وسائل، یہ سب ہماری بحث کا مرکز رہے ہین، اب ترغیب کے اقسام سے بحث کر کے ہم یہ دیکھینگے کہ وہ کون سے مختلف ذرائع ہین جن کے ذریعہ آدمی خود اپنے نفوس کو یا دوسرون کو ترغیب دیتا ہے،

عرف عام مین ترغیب سے مراد تحریری یا تقریری ترغیب لی جاتی ہے، یعنی یا تو کوئی مقرر زبانی دلائل کی رُو سے دوسرون کو کسی فعل کرنے پر راغب کرے یا بھر واسطۂ تحریر سے یہ مقصد حاصل کیا جائے لیکن ان کے علاوہ ایک اور طریقۂ ترغیب بھی ہے جس مین الفاظ سے خواہ زبانی ہون یا معرضِ تحریر مین لائے جائین، ترغیب کا کام نہین لیا جاتا بلکہ خاموش طریقہ پر لوگون کو متأثر

کیا جاتا ہے، اِس باب مین اسی سے بحث کی جائیگی،

بادی النظر مین لوگون کو ترغیب خاموش کا تصور قائم کرنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑے ہی غور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فی الحقیقت خاموش رہ کر بھی انسانون کے قلوب کو متأثر کیا جاسکتا ہے، اور ان کو کسی خاص فعل کے کرنے کی ترغیب دیجا سکتی ہے، آنکھون کے اشارون سے جو کام لیا جاسکتا ہے، وہ بعض اوقات فصیح و بلیغ تقریرون سے بھی نہین ہوتا، خاموشی مین جو گویائی ہوتی ہوتی ہے اوس سے شاعر برابر بحث کرتے رہے ہین، فطرت کے خاموش مناظر دلون کو جس طرح متأثر کرتے ہین، وہ ہر فطرت پسند شخص جانتا ہے، سعدیؔ آج سے بہت پہلے اِسی خاموش ترغیب کی طرف اشارہ کر گئے ہین ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اگر تم نے کِسی جادو بیانِ مقرر کو تقریر کرتے سُنا ہے، تو تمھین معلوم ہوا ہوگا کہ الفاظ تو جس طرح تیر و نشتر بنکر دل مین اُترتے ہین، وہ تو خیر ہے ہی لیکن اسکی آواز، حرکات و سکنات، اشارات، شکل و صورت، سطوت، شخصیت کا بھی عجیب اثر ہوتا ہے، اگر تم کبھی بائسکوپ گئے ہو، اور وہان سے کِسی خیال کو دل مین لئے ہوئے باہر آئے ہو تو تمھین اندازہ ہوا ہوگا کہ بغیر الفاظ کی وساطت کے صرف تصاویر کے ذریعہ سے بھی لوگون کے خیالات پر قابو پانا ممکن ہے، اور فی الحقیقت موجودہ زمانہ مین بائیسکوپ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بہت بڑے پیمانہ پر اور کامیابی کے ساتھ لیا جاسکتا ہے، یہ سب ترغیبِ خاموش کے اثر کا پتہ دیتے ہین اور جن ذرائع سے بغیر الفاظ کے ترغیب دی جاسکتی ہے وہ یہ ہین، اشارات، سطوت، شخصیت، موسیقی، نقاشی، بائسکوپ وغیرہ،

اشارات، | **اشارات** تقریبًا ہر تقریر مین پائے جاتے ہین، تفہیم کے لیئے ہاتھون سے اشارہ کرنا، لوگون کو متوجہ کرنے کے لئے جسم کا اون کی طرف جھکانا، جوش کے مواقع پر مٹھیان بند کرکے

زور سے ہاتھون کو ہلانا، سر کی جنبش، قہقہہ یا تبسم، اِن سب کا وجود تقریرون مین برابر ہوتا ہے، مولوی وحید الدین صاحب سلیم نے اپنی نادر تصنیف "وضع اصطلاحات" مین الفاظ کی ابتدا سے بحث کرتے وقت ضمناً اشارون کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ الفاظ کی کمی کو پورا کرتے ہین، اِس مین شک نہین کہ ادائے مطلب سے قاصر رہ کر لوگ اشارون کا استعمال کرنے لگتے ہین، پھر بھی اون کے اِس خیال کو کلیہ کی حیثیت نہین دیجا سکتی، الفاظ کی کمی کے علاوہ، اور مواقع پر بھی (جو ہم اوپر بتا چکے ہین) اشارات کام مین لائے جاتے ہین، زمانۂ قدیم سے فن خطابت مین اشارون کے استعمال پر بھی زور دیا جارہا ہے، اور آج بھی جہان کہین اِس فن کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے وہان انتخابِ الفاظ، آواز کے اوتار چڑھاؤ کے ساتھ ہی ساتھ اشارون کے استعمال کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے،

یون تو کم وبیش ہر شخص دوران تقریر مین حرکات وسکنات، جنبش اعضا، تغیر خط و خال سے کام لیتا ہے، لیکن ترغیب مین اُس کا استعمال مختلف قومون مین مختلف مقدار مین ہوتا ہے، لاطینی اقوام مین اِس کا ظہور بہت کچھ دیکھنے مین آتا ہے، رومۃ الکبریٰ، اور یونان کے قدیم مشہور خطیب اِس طریقہ سے بہت کچھ کام لیتے تھے، گرجون مین جو مذہبی وعظ ہوتے ہین اون مین آج بھی بہت کچھ اشارات سے ادائے مطلب، اور تائید کا کام لیا جاتا ہے، مشرقی اقوام مین بھی اِس کا اثر بہت کچھ پایا جاتا ہے، ہندوستان مین خاصکر بنگالی مقررون مین، تغیرِ لحن اور ہاتھون کی جنبش وغیرہ سے سامعین کو متاثر کرنے کا بہت کچھ ملکہ ہوتا ہے، سکسنی اقوام مین یہ بات ذرا کم پائی جاتی ہے، انگریز اور بہت سے جدید خیال کے ہندوستانی بھی اشارات کے قصداً استعمال کو مذموم خیال کرتے ہین، سردست اِس سے بحث منظور نہین کہ یہ طریقہ کہانتک پسندیدہ ہے، جو کچھ دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت آلۂ ترغیب اِس کا اثر کتنا ہوتا ہے،

فرانس کے ایک ظالم بادشاہ وقت کا جنازہ رکھا ہوا ہے، گرجا میں سناٹا چھایا ہوا ہے،
ہر شخص سیاہ لباس میں ملبوس گردن جھکائے بیٹھا ہے، بہت سے قلوب اندر ہی اندر اِس بدکردار
کی موت پر خوش ہو رہے ہیں، یہ لوگ کسی ہمدردی کی بنا پر نہیں بلکہ سلطنت کے قانون سے مجبور ہو کر
نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہیں، اتنے میں ایک بلند قامت شخص منبر کے پاس جا کر کھڑا ہوتا ہے
اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد یہ شخص بہت دھیمی آواز میں رُک رُک کر انجیل سے ذیل کی عبارت پڑھتا ہے،
"میری حیثیت آج دنیا میں بہت ممتاز ہے، جتنے لوگ بیت المقدس میں گزرے ہیں،
اون میں سے کوئی ثروت و شوکت، جاہ و جلال، شان و شکوہ میں مجھ سے زیادہ نہ تھا، لیکن آہ! مجھ پر ایک
حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے، کہ دنیا میں عُجب بیجا، اور ایذائے روحانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں......"
عبارت پڑھی جا چکی، خطیب نے کتاب بند کر دی لوگ منتظر ہیں کہ اب کیا کہنے والا ہے، مگر یہ ہی
کہ سر جھکائے، آنکھیں بند کیے، دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کی عبارت نے
اِس کے خیالات میں کوئی خاص ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہ اندر ہی اندر اپنے جذبات سے برسر پیکار ہے
کچھ لوگ اِس کی خاموشی پر متعجب ہیں، بعض اِس کی ظاہری حالت سے متاثر ہوئے ہیں، دوچار
کے سینوں سے دبی ہوئی آہ نکلی، مگر متوجہ سب ہیں، خطیب نے سر اُٹھایا، گرد و پیش نظر ڈالی، مگر فوراً
ہٹا بھی لی، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اِن سیاہ پوش ماتمیوں کے نظارہ نے اِس کے دل پر کوئی خاص اثر
کیا، اب آہستہ آہستہ اِس کی نظریں گرجا کی چار دیواری پر پھر رہی ہیں، جہاں چاروں طرف شاہان
سلف کے اسلحہ آویزاں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اِس منظر نے اسے اور بھی زیادہ متاثر کر دیا ہے، اِس نے
مجمع کی طرف نیم باز آنکھوں سے دیکھا، ہونٹھوں کو جنبش ہوئی اور آہ میں ملے جلے کچھ الفاظ سنائی دیئے
"بھائیو! انسان خاک کا پتلا ہے، سب بزرگی خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے"
اب مجمع میں ایک عام بے چینی، اور اضطراب پایا جاتا ہے، غور سے دیکھا تو بادشاہ کے خاص مخالفین کی

آنکھون سے بھی آنسو ٹپک رہے ہین،

(۲) **علی گڈھ** کالج کے اسٹریچی ہال مین طلبار جمع ہین، ایک مشہور پرنسپل رخصت ہورہاہی اور اِس نے الوداع کہنے کے لیۓ طلبار کو بلوایا ہی، مختلف حلقون مین مختلف رایون کا اظہار کیا جارہاہی ایک کثیر جماعت اِس موقع پر خوش نظر آتی ہی، کچھ دِل ایسے بھی ہین جو مغموم ہین، ہال مین خاموشی چھاگئی پرنسپل پشت کے دروازہ سے داخل ہوکر چبوترے پر کھڑا ہوتا ہی، پیشانی سے پسینہ خشک کرکے مجمع پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہی، عجب عالم سکوت ہی، اب اوس کی نظرین ہال کی دیوارون پر بھٹک رہی ہین، بانی کالج کی تصویر سے ہٹکر اب یہ دیوار کے اوس حصہ پر جمی ہوئی ہین جہان تخیر معاونینِ کالج کے نام پتھر پر کندہ ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل ہی دل مین اِن تیرہ سال کے خاموش ساتھیون کو الوداع کہہ رہا ہے، تقریبًا پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد وہ طلبا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مغموم آواز مین یہ الفاظ سنائی دیتے ہین،

"عزیز شاگردو! مین نے تم کو ...."

جذبات کا تلاطم آواز مین گرفتگی پیدا کر دیتا ہی، اور بہت جلد "خدا حافظ" کہکر پرنسپل ہال سے چلا جاتا ہے مجمع مین اب دوسری ہی کیفیت ہی، ہم نے اپنے کانون سے سُنا کہ وہی لوگ جو پہلے اظہار مخالفت مین بلند آہنگ تھے، اب اظہارِ تاسف مین رطب اللسان ہین،

مذکورۂ بالا مثالون مین اگرچہ اشارون سے بہت زیادہ کام نہین لیا گیا، پھر بھی تغیّر لحن، اور خود سکوت، آلۂ ترغیب ثابت ہوئے، کچھ لوگ اِن چیزون کو بھی پسندیدہ نظرون سے نہین دیکھتے، اسلیئے کہ اِن مین اکثر اوقات تصنع کی بو آتی ہی، مثلاً پہلی مثال مین خطیب کے اشارات پر تصنع کا الزام اِس بنا پر لگایا جاسکتا ہی کہ ایک جابر بادشاہ کے انتقال کے موقع پر کِسی مذہبی رہنما کا اس قدر اظہارِ تاسف کیا معنی رکھتا ہے؟، اظہار ملال حقیقی ہو یا مصنوعی تاہم اعتراض کرتے وقت ایک در

بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اور وہ یہ کہ خطابیات کے طریقے مختلف قومون مین، بلکہ خود ایک ہی قوم

مین بلحاظ اختلاف زمانہ مختلف ہوتے ہین،

باموقع اشارات سے جو کام لیا جا سکتا ہے، اور سامعین کے افعال کو جس حد تک متاثر

کیا جا سکتا ہی، اس کی مثال ذیل کے واقعہ سے ملتی ہی، جو ۵ مارچ ۱۹۱۶ء کو دار العوام انگلستان مین پیش

آیا، آئرلینڈ کے ہوم رول بل پر مباحثہ ہو رہا تھا، طرفین مین بہت کچھ جوش تھا، مسٹر جان رڈمنڈ تقریر

کر رہے تھے، اور اپنی تقریر کا خاتمہ اونھون نے اس طرح کیا،

"جو کچھ مباحثہ آج ہوا ہی، اوسے آپ سب اصحاب سُن چکے ہین مجھے صرف اسی قدر کہنا

ہے کہ اب بحث و مباحثہ سے کوئی مزید فائدہ حاصل ہونے کی اُمید نہین، جو اصحاب میرے ہم خیال ہون

اون سے میری ادبًا یہ درخواست ہی کہ اس بیکار گفتگو مین تضیع وقت نہ کرین، اور ارائین دار العوام کو

مطلق العنان چھوڑ دین تاکہ جو کچھ اون کا جی چاہے قرار داد کا حشر کرین، چونکہ یہان ٹھہرنا موجب

ذلت و توہین ہی لہذا میرے ہمخیال اصحاب فوراً اُٹھ کھڑے ہون، اور میرے ساتھ چلکر باہمی مشاورت

سے آیندہ طرز عمل کے متعلق کوئی رائے قائم کرین"،

جس اخبار سے مذکورۂ بالا اقتباس لیا گیا ہے، وہ آگے چلکر لکھتا ہے:۔

"یہ الفاظ مسٹر رڈمنڈ نے بہت جوش و خروش سے کہے، قومیت پسندون مین بہت کچھ جوش تھا

مسٹر رڈمنڈ کی تائید مین برابر تالیان بجائی جا رہی تھین، جون ہی کہ مقرر ہال سے اُٹھا، تمام قومیت

پسند جماعت ایک ساتھ اوٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جاتے جاتے سرکاری ممبرون پر سخت طعن و تشنیع

کی بوچھار کرتی گئی، نظارہ عجیب و غریب تھا، تمام سیاسی حلقون مین اس سے سنسنی پھیل گئی"،

اس موقع پر دیکھو کہ حرکات و سکنات کتنی باموقع تھین، غصہ مین بات کرتے کرتے یکایک

اوٹھ کر چلے جانا بالکل فطرت انسانی ہے، مسٹر رڈمنڈ کا یہ فعل اضطراری تھا، اور اون کے جذبات کا صحیح

مظہر، اِس سے ہم انکار نہین کر سکتے کہ بعض اوقات اشارات، حرکات وسکنات سراسر مصنوعی بھی ہوتے
ہین، اُنکا اظہار صداقت پر مبنی نہین ہوتا، بلکہ سامعین کو متاثر کرنے کے لیئے ایکٹرون کی طرح بالقصد تصنع سے
کام لیا جاتا ہی، بعض اوقات حرکات وسکنات اضطراری او فطری تو ہوتی ہین لیکن پھر بھی اون کو مستحسن
نہین کہا جا سکتا، اِس کی وجہ یہ ہی کہ جس طرح ہر ترغیب کی بنا جذبہ ہی لیکن جذبہ فریب آمیز بھی ہوتا ہے،
اوسی طرح سے حرکات وسکنات جذبات کے جسمانی مظاہر ہین، اور فریب آمیز جذبات کے مظاہرات
بھی فریب آمیز ہوتے ہین، خواہ وہ اضطراری ہون یا مصنوعی، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ حرکات
وسکنات مصنوعی کیسے ہوسکتی ہین، اِس کی دو صورتین ہوسکتی ہین، یا تو مقرر کے دل مین جذبات کا سرے سے
وجود ہی نہو لیکن پھر بھی دھوکہ دینے کے لیئے ایسی حرکات کیجائین، جن سے معلوم ہو کہ فی الواقع اوس کے
دِل پر کوئی جذبہ طاری ہی، مثلاً بناوٹ کی ہنسی، یا دھوکہ دینے کے لیئے زور سے ہاتھ ہلانا، تاکہ لوگون کو اپنے
جذبۂ غضب کا یقین دلایا جائے، دوسری صورت وہی ہے جو اِس سے قبل بیان کی جاچکی ہی یعنی حرکات کا
اضطراری ہونا، جذبات کے حرکی لواحقات کے طور پر ان کا ظاہر ہونا، لیکن خود اِن جذبات کا فریب
آمیز ہونا، شق اوّل مین ترغیب کی فریب دہی پائی جاتی ہے، مثلاً فرض کرو کہ مین کسی ایسے مجمع کے روبرو
تقریر کر رہا ہون جو میرے مزعومہ نقطۂ خیال کا حامی ہے، یاد رہے کہ میرا نقطۂ خیال صرف مزعومہ ہے،
اور میرے الفاظ میرے دل کے ترجمان نہین، مگر سامعین میری اصلی رائے سے ناواقف ہین، اگر اونکو
شرارۂ غیض وغضب پر آمادہ کرنا میرا مقصد ہو تو مین بہت آسانی سے اون کو اس کی ترغیب دے
سکتا ہون، مثلاً دانت بند کر کے الفاظ کا ادا کرنا، ہاتھون سے اِس طرح اشارے کرنا جیسے مین کسی کو مار
رہا ہون، اگر اتفاق سے مخالف فریق کا کوئی رکن اِدھر سے جا رہا ہو، تو مجمع کو برانگیختہ کرنے کا آسان طریقہ
یہ ہے کہ مین اوس کے پیچھے دوڑون، میرے ساتھ ہی سب سامعین بھی دوڑ ین گے، اور یقیناً بلوہ کی
صورت رونما ہو جائیگی، جن لوگون نے مولانا شرر کے ناول "زوال بغداد" کا مطالعہ کیا ہے، اون کو کتاب

کتاب مین طمطقی اور شقشقی کی زعیمانہ تقریرون مین حرکات وسکنات کے یہ مضر اثرات کثرت سے نظر آئین گے
ہڑتالون مین جو بلوے عام طور پر ہوتے ہین اون سے بھی اِس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے، اکثر ایسے مواقع پر
بعض شریر النفس لوگ ایک پتھر کارخانہ کی دیوار پر مارتے ہین اور فی الفور پورا مجمع سنگ باری کرتا ہوا
نظر آتا ہی، ڈھاکہ مین عدم موالاتیون کے جلوس مین اِس قسم کا واقعہ راقم کا چشم دید ہے، صرف ایک
تماشائی کی تقلید مین مجمع نے پولیس کی چوکی پر پتھر پھینکنا شروع کر دیا اور عام بلوے کی نوبت آگئی، کچھ
گولیان بھی چلین، شق دوم مین خود فریبی کا دخل ہے،

مذکورۂ بالا مثالین، اور بالخصوص آخری واقعہ پڑھکر کسی کو یہ ماننے مین تامل نہو گا کہ
مصنوعی اشارون سے کام لیکر (جو محض فریب دہی کے لیے کیے جاتے ہین) سامعین کو جبر و تشدد یا کسی
اور عمل کی ترغیب دینا دشوار نہین ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی حرکات وسکنات
ہین جن کا استعمال ترغیب مین جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہی کہ اگر اشارات باموقع ہون، مقرر کے اصلی
جذبات کی ترجمانی کرتے ہون، اور اوس کی شخصیت کے مطابق ہون تو جائز ہین، و الا نہین، غرضکہ
اشارات الفاظ اور مقرر کی شخصیت، اِن تینون مین باہمی مناسبت اور ربط کا ہونا ضروری ہے،
اگر مقرر ایسے حرکات وسکنات سرزد کر رہا ہے، جن کا الفاظ تقریر، اور نوعیت تقریر سے کوئی علاقہ
ہی نہین، تو یقین مانو کہ اوس کی نیت دھوکہ دہی کی ہے، مثلاً درستی عقائد پر وعظ دیتے وقت اگر کوئی
مقرر پانون پٹکے، یا زور سے ہاتھون کو جنبش دے، تو یہ حرکات یقینا باطل ہونگے، کیونکہ نوعیت مضمون کو
اِس قسم کے اظہار جوش وخروش سے کوئی علاقہ ہی نہین ہے، اِسی طرح سے اگر میرے حرکات وسکنات
میری شخصیت سے متناقض ہین، تو یہ بھی مصنوعی اور فریب دہ ہین، اگر ایک بے ریش و بروت نوجوان
دوران تقریر مین مقدس بزرگون کی طرح اپنے بے ریش چہرہ پر ہاتھ پھیرے، یا کوئی متین، سنجیدہ، بزرگ
صورت مقرر دوران تقریر مین عامیانہ حرکات سے کام لے تو دونون صورتون مین حرکات وسکنات

لازماً جھوٹے مظاہرات ہین،

مختصر یہ کہ اگر سامعین احتیاط سے مقرر کی حرکات وسکنات کا مطالعہ کرین، تو وہ دھوکے مین نہین آسکتے، لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ اثر پذیری کی بدولت قوت تمیز معطل ہوجاتی ہے، حرکات کا مطابق فطرت، یا مظہر جذبات ہونا نہین دیکھا جاتا اور خصوصاً ادنیٰ طبقے کے مجمعون مین بہت جوش وخروش پیدا ہوجاتا ہے، جس سے اتلاف جان تک کی نوبت آتی ہے، منطق تجسس اور استدلال سب رخصت ہوجاتے ہین ؎

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند نکتہ ہاہست بسے، محرم اسرار کجاست؟

ترغیب کی کامیابی کا "شہرت اور سطوت" پر بھی ایک بڑی حد تک انحصار ہے، مشہور مقررون کی تقریرین خاص انہماک سے سُنی جاتی ہین، اسی طرح سے مشہور مصنفون کی تصانیف مین بھی لوگ خاص دلچسپی لیتے ہین، اگر ایک ہی قابلیت کے دو مقرر ہون، اون مین سے ایک کو سطوت تقریر حاصل ہوچکی ہو اور دوسرے کے پاس سوائے ذاتی قابلیت کے اور کوئی طغرائے امتیاز نہو، تو اوس صورت مین ہر شخص جانتا ہے کہ اول الذکر کی باتون پر جو توجہ کی جاتی ہے، دوسرے کو اوس کا نصف حصہ بھی نصیب نہین ہوتا، اس مثال سے معلوم ہوا ہوگا کہ سطوت بھی منجملہ دیگر غیر عقلی عناصر ترغیب کے ہے، کسی فرد کو کسی خاص سطوت، کا حاصل ہونا، اوس مین اون صفات کے وجود کو مستلزم نہین ہے، جس کی سطوت، اُسے حاصل ہے، سطوت کا انحصار افراد کی اثر پذیری پر ہوتا ہے اور اثر پذیری ایک جذبی عمل ہے،

عام طور پر سطوت، کو ایک فطری اور ذہنی شے سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہم نے اکثر حضرات کو سطوت ذاتی بھی استعمال کرتے دیکھا ہے، غور کرو تو یہ الفاظ اجتماع ضدین معلوم ہوتے ہین، سطوت حاصل ہوتی ہے، لوگون کی طرف سے ملتی ہے، خاندانی تعلقات، دولت، ثروت اور مرتبہ کی وجہ سے بھی پیدا ہوجاتی ہے، لیکن فطری کبھی نہین ہوتی، جو حضرات اسے فطری کہتے ہین وہ سطوت اور شخصیت

مین کوئی فرق نہین دیکھتے، حالانکہ یہ دونون علٰحدہ چیزین ہین، ان سے شخصیت کے تحت مین بحث کیجائیگی،

اپنے گرد وپیش نظر ڈالو، تم دیکھو گے کہ اگرچہ کبھی کبھی سطوت محض دھوکا اور نمایش نہین بلکہ حقیقی بھی ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات جس چیز کو "سطوت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اوس کی اصلیت سوائے نمایش کے اور کچھ نہین ہوتی، اگر زید کو سطوت اخلاقی حاصل ہے تو اوس سے یہ لازم نہین آتا کہ اخلاق زید کی خصلت بھی ہے، زمانہ کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص بظاہر آثار مروجہ معیار اخلاق پہ پورا اترے، دیکھنے والون کی موجودگی مین بہت متانت اور وقار کے ساتھ چلے، بدنام صحبتون مین شریک نہو، قابل اعتراض مقامات پر دیکھا نہ جائے، تو اوس کے اخلاق کی شہرت ہو جاتی ہے لیکن اوسکی سطوتِ اخلاق، اوس کی صفات اخلاقی کی دلیل نہین ہے،

سطوت اخلاقی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ ہر قسم کی سطوت پر صادق آتا ہے، تاریخ مین اِس کی مثالین بکثرت ملتی ہین، بڑے بڑے پارسا حضرات جن کے تقدس کی دُور دُور تک شہرت تھی، جب اِن کا نقلی جامۂ پارسائی چاک ہوا، تو کیا کچھ داغ سیہ کاری دیکھنے مین نہین آئے، دورِ اکبری کا مشہور عالم مفتی قاضی مخدوم الملک جو ایک عرصہ تک ہندوستان کی مسند شیخ الاسلامی پر بھی متمکن رہ چکا تھا، اور جس کی پابندی شریعت کی ایک دنیا مداح تھی، اِسی مخدوم الملک کی جب حقیقت کھُلی تو دیکھنے والون نے دیکھا کہ غضب کا مال خاندانی قبرستان سے نکلا، اور لوگون نے حیرت و استعجاب سے سُنا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیئے یہ مفتی شریعت، ہر سال اپنا مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا تھا، اور وہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی اوس کے نام بخش دیتی تھی تا کہ اوسپر زکوٰۃ کی شرط "حول کامل" نہ پوری ہونے پائے، کون انکار کر سکتا ہے کہ مخدوم الملک کو سطوت پارسائی حاصل نہ تھی، لیکن کیا فی الحقیقت وہ پارسا بھی تھا؟

ہمارے زمانہ مین اگر اسمبلی کا کوئی رُکن بظاہر منطقی دلائل سے کام لیتا ہوا نظر آئے، دوران تقریر مین صحت لفظی کا بہت خیال رکھے، منطق نما پیرایۂ تقریر اختیار کرے، تو تمام ملک اس کی تیزی فکر،

تدبیر اور استدلال کا قائل ہوجاتا ہے، حالانکہ بہت ممکن ہو کہ ع

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

کا مقولہ ہمارے دوست کی شان مین انکسار کی بجائے حقیقت ہو،

ہم دیکھ چکے ہین کہ جن صفات کی موجودگی کو بنائے سطوت فرض کیا جاتا ہے، وہ بسا اوقات ذاتی یا شخصی نہین ہوتین بلکہ اضافی، یا مصنوعی ہوتی ہین، ترغیب دہندہ کی ثروت، اور خاندانی وجاہت اوس کی ترغیب کی کامیابی مین جو حصہ لیتی ہے وہ روزانہ اخبارات سے ظاہر ہے، یہ جو ہم آئے دن سنا کرتے ہین کہ فلان کتبخانہ، اسپتال، یا مدرسہ کا افتتاح فلان خطاب یافتہ شخص نے کیا، اس کی وجہ کیا ہے محض یہی کہ اِن عمارتون کے بانی اچھی طرح جانتے ہین کہ اِن "معزز" افراد کے انتساب سے عوام الناس بھی اون کی جانب ملتفت ہونگے، اِس سے بحث نہین کہ سطوت خاندانی یا سطوت تمول کا اثر ترغیب پر کم ہوتا ہے یا زیادہ، سوال یہ ہے کہ یہ دونون کسی حد تک ترغیب مین بطور سند قبول کیے جاسکتے ہین، ظاہر ہے کہ تمول دوسری باتون کے لیئے "طغرائے امتیاز" نہین ہوسکتا، اور نہ کسی فرد کا کسی خاندان سے انتساب اوس کے ذاتی محاسن و معائب کا اصلی مظہر ہے، وصف اضافی "ہنر ذات" نہین ہے، وما احسن قول العرفی:

این فتوی ہمت بود ارباب ہمم را	اما بنود وصف افسانی ہنر ذات
ہر چند ہوا عطر دہد قوت شمم را	وصفِ گل و ریحان بہوا بازنہ گردد

سطوت کے اثر سے مرعوب ہوجانیکی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہین کہ اس کی "اثر آفرینی" بھی جذبات اور نیم شعوری تحریکات کی طرح غیر عقلی ہوتی ہے، کسی قسم کی سطوت کو لو، اوس کا مدار زیادہ تر مصنوعات اور نمایش پر نظر آئے گا، بادشاہون کا جاہ و جلال اور شہزادون کا دبدبہ اون کے درباروں کی آرایش کی وجہ سے قائم ہے، یا خاندانی روایات پر منحصر ہے، مدبرانِ سلطنت کا رعب داب، اون کے تحکم اور اقتدار کے سبب سے ہوتا ہے، افسرانِ فوج کی شان، اون کی وردیون سے ہوتی ہے، اون

صورتون کے علاوہ جہان سطوت کے ساتھ شخصیت کا اثر بھی شریک ہو، اور جتنی مثالین لوگے ان مین سطوت کی بنا حقیقت، اور استدلال پر بہت کم نظر آئیگی، ضرورت ہے کہ سطوت کا موجودہ معیار بدلا جائے، یا کم از کم کسی اثر مین آکر لوگ اپنے اعمال کو نہ بدلین، سطوت کی بنا لوازمات اور مصنوعات نہین بلکہ اخلاقی، حقیقی اور ذاتی صفات پر ہونا چاہیے "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" اور "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" کے زرین مقولون مین اسلام نے اِسی ضرورت کو واضح کیا ہے،

شخصیت | **عام طور پر** لوگون کا خیال ہے کہ سطوت اور شخصیت مرادف الفاظ ہین، ہم اِس غلطی کی طرف سطوت سے بحث کرتے وقت اشارہ کر چکے، سطوت یا دھاک اور شخصیت یا نفوذ مین سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر وہبی و فطری ہوتی ہے اور ذاتی صفات عالیہ پر منحصر ہوتی ہی، حالانکہ اول الذکر اکتسابی ہے، اِس کا وجود کسی صفت عالیہ کے وجود کو مستلزم نہین ہے، مختصر یہ کہ سطوت کو اگر چاہو تو نفوذ مکتسب البتہ کہہ سکتے ہو، لیکن شخصیت کا اطلاق اِس پر ہرگز نہین ہوسکتا، اِس مین شک نہین کہ لوگون کا اِن دونون باتون سے مرعوب ہوجانا غیر عقلی فعل ہے، اور تعدیہ اثر کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سطوت کا اثر شخصیت کے مقابلہ مین کہین زیادہ غیر عقلی ہوا کرتا ہے، ایسے لوگون کی ترغیب جن کی سطوت کی بنیاد خاندانی حیثیت، تمول، حکومت یا اور کوئی اضافی وصف ہے کیون کارگر ثابت ہوتی ہے؟ مذکورۂ بالا صورت مین تعدیہ اثر جذبی عمل ہے، اگر نفوذ ذاتی اور شخصیت کا لحاظ کیا جاتا تو ترغیب کو قبول نہ کیا جاتا، گویا کہ ترغیب کو قبول کرنا محض اِسی وجہ سے ہے کہ ترغیب دہندہ کا رعب "غیر ذاتی" اور "غیر شخصی" ہے، اخبارات کی ترغیب کیون کامیاب ہوتی ہے؟ قوانین پارلیمنٹ ضابطۂ عدالت، احکام دار القضاۃ لوگون کے دل مین ایک قسم کی دہشت اور رعب کیون پیدا کرتے ہین؟ وجہ یہ ہے کہ اِن قوانین و احکام مین سطوت کا اثر ہے، کسی فرد یا افراد کی شخصیت کا لگاؤ نہین پایا جاتا، چونکہ لوگ اُن ذاتون کا تشخص اور تعین نہین کرسکتے، جو پس پردہ حائل ہین، اسلیے

اِن چیزون کی دھاک اون کے دلون پر اور زیادہ بیٹھ جاتی ہے، اگر اخبارات کے اڈیٹر "ہم" کے بجائے
"مین" کا استعمال کرتے یا پارلیمینٹ کے ارکان ہر قانون کو اپنے اپنے نامون کے ساتھ شائع کرتے تو ان
صورتون مین "اخفائے شخصیت" باقی نہ رہتا اور نہ اِن چیزون کا اتنا اثر ہوتا، بعض رسالون کے مدیر برابر
واحد متکلم کا استعمال کرتے ہین، اِن کا خیال ہوتا ہے کہ اِس طرح سے وہ شاید تحکم مین زیادہ کامیاب ہو جاتے ہین
یہ خیال سراسر غلط ہے "مین" کے استعمال کے ساتھ زید عمر بکر کی شخصیت کا سوال درپیش ہوتا ہے، اور
اڈیٹری کا "بند پردہ" فاش ہو جاتا ہے،

سطوت اور شخصیت مین مذکورہ بالا تناقض تو ضرور پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی جب
موخرالذکر کے اندر بعض ظاہری باتون مثلاً وجاہت ذاتی وغیرہ کا خیال کیا جاتا ہے تو اس کا اثر بھی جذبی اور غیر عقلی ہو جاتا ہے کسی تقریر
کے اچھے یا برے ہونے کے متعلق جب کبھی اظہار خیال کیا جاتا ہے تو ہماری رائے پر مقرر کی آواز، حرکات
وسکنات، خط و خال کا ضرور اثر ہوتا ہے، اگرچہ ہم اِس سے لاعلم ہوتے ہین، تسخیرِ قلوب کی استعداد
اور کشش کا ملکہ مقررون کے لیئے طغرائے امتیاز خیال کیئے جاتے ہین، ان خارجی باتون سے متاثر ہونا
فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے، اور اگر یہ چیزین فی الحقیقت مظہر شخصیت ہون، تو ان سے مرعوب ہونا غیر
مستحسن نہین کہا جاسکتا، صفات باطنی اور مظاہرات خارجی مین اگر تخالف نہ پایا جائے، تو ثانی الذکر
کا اثر (ترغیب مین) جذبی فعل نہین ہے، اگر تم کو کسی مقرر کی صداقت کا یقین ہوتا ہے، تو باوجودیکہ تم
اوس کے نقطۂ خیال کے حامی نہ ہو پھر بھی اوس کی تقریر کو انصاف کے ساتھ جانچتے ہو اور بیجا
تنقید سے کام نہین لیتے، خاص خاص مواقع سے قطع نظر، زندگی مین روز یہی ہوتا رہتا ہے کسی شخص
کی گفتگو سنکر محض اوس کے الفاظ کی بنیاد پر اوس کے متعلق رائے قائم نہین کی جاتی، بلکہ اوس کی
خصلت اور عادت کے متعلق جو کچھ ہمارا حسن ظن، یا سوء ظن ہو، اِس کا اثر بھی ہمارے فیصلہ پر پڑتا ہے
اور ایسا کرنا چندان قابلِ اعتراض نہین بشرطیکہ خصلت کے اندازہ مین تعصب کا دخل نہ ہو، بڑے

کیٹو (CATO)[1] نے خطیب کی تعریف اِن الفاظ مین کی ہے "وہ نیک آدمی جسمین تقریر کا ملکہ ہو"، اِس سے زیادہ جامع اور واضح تعریف مشکل ہے، اگر ہم سطوت کے ظاہری مظاہرات سے دھوکہ نہ کھائین، حقیقی، اور مصنوعی کے درمیان حد فاصل قایم کرین، اور ہر قسم کی ترغیب کا معیار بجائے ظاہری باتون کے، ترغیب دہندہ کی صدق نیت اور ذاتی اخلاقی صفات کو قرار دین، تو ہم کبھی محض شخصیت کے رعب مین آکر ہر اچھی یا بری ترغیب کو قبول نہ کرین، اور نہ اون لوگون کے دھوکے مین آئین، جو افراد کی کمزوریون اور جماعتون کے خاصۂ اثر پذیری سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر، اون کو بطور آلۂ کامیابی کے استعمال کرتے ہین،

جملہ وسائل ترغیب

جملہ وسائل ترغیب | موسیقی ونقاشی، صناعی، مثلاً حرکات وسکنات، اشارات، سطوت اور شخصیت جن سے ہم اب تک بحث کرتے رہے، اگرچہ فی نفسہٖ ترغیبِ خاموش کے ذیل مین آتے ہین، تاہم ان کو ترغیب لفظی سے جدا نہین کیا جاسکتا، اس لیے کہ اِن کا اثر الفاظ کے ساتھ وابستہ ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ کا مطلق استعمال نہ ہو، اور پھر بھی ترغیب کا عمل ہوسکے، اِس کی مثال موسیقی اور نقاشی مین ملتی ہے یہ چیزین صرف خود ہی جذبات سے لبریز نہین ہوتین، بلکہ دوسرون مین بھی وہی جذبات پیدا کر دیتی ہین جنکی وہ خود مظہر ہین، نغمون کا اثر لوگون پر کیا کچھ نہین ہوتا سنسان راتون مین سوہنی کی راگنیان کتنی دہشت پیدا کرتی ہین، چاندنی رات مین تالاب کے کنارہ بانسری کی سُریلی آواز کتنی فرحت و انبساط سے لبریز ہوتی ہے، ماہ محرم کے ماتمی نغمے، فوجی افسرون کی تجہیز و تکفین کے وقت بینڈ کی آواز کتنی دل خراش ہوتی ہے، اوس کے سنتے ہی دل دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے، زندگی عذاب معلوم ہوتی ہے، فنا، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کے خیالات

---

[1] (ELDER CATO) ۲۳۴ ق۔م مین ٹسکولم (TUSCULAM) مین پیدا ہوا، ابتدائی تربیت فن کاشتکاری مین پائی، بعد ازان رومۃ الکبریٰ چلا گیا، اور متعدد لڑائیون مین شریک رہا، روم کا سنسر (SENSOR) مقرر ہوا، ہر جدید ایجاد کا سخت مخالف تھا، کارتھیج سے اسکو شدید دشمنی تھی ۱۴۹ قم مین وفات پائی"

دماغ پر مسلط ہو جاتے ہین، میدان جنگ مین باجون کی آواز خون مین کس قدر ہیجان پیدا کرتی ہے، انسان تو خیر جس طرح جان دینے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے، وہ تو ہے ہی، لیکن جانور بھی بے صبری کے ساتھ حملہ پر آمادہ ہو جاتے ہین، ہاتھی مست ہو جاتے ہین، گھوڑے ٹاپین مارتے ہین،

ترغیب پر موسیقی کا اثر جذبات کی وساطت سے ہوتا ہے، اس کے ذریعہ سے جذبات کو برانگیختہ کرکے لوگون سے اپنے حسب خواہش عمل کرایا جاسکتا ہے رقت کے جذبات طاری کرکے لوگونکو ہمدردی پر آمادہ کیا جاسکتا ہے ندامت اور شرم کے جذبات طاری کرکے کسی شخص کو قبیح افعال سے باز رکھا جاسکتا ہے، جوش حب وطن اور اخوت کے جذبات بیدار کرکے ضعیفون، کمزورون، اور بزدلون کو بھی جنگ پر آمادہ کرسکتے ہین، موسیقی کے براہ راست اثر کی مثالین اگرچہ اتنی کثیر تعداد مین نہ مل سکین، تاہم ایسی مثالین جن مین الفاظ کا اثر موسیقی نے دوبالا کردیا ہو، اور اس طرح بالواسطہ ترغیب دی ہو، شاذ نہین ہین، کانگریس کے جلسون مین بندے ماترم کا راگ سامعین کے دلون کو مقررین کی ترغیب قبول کرنے پر آمادہ کردیتا ہے، اسلامی جلسون کا آغاز جب کوئی خوش الحان قاری حسب موقع آیات قرآنی سے کرتا ہے، تو دلون کی کیا کیفیت ہوتی ہے، قومی نظمین گانے والے کتنی کامیابی سے عوام مین جوش پیدا کردیتے ہین، اور بہت کچھ چندہ وصول کرلیتے ہین،

موسیقی کے اثر کو قبول کرنے کے متعلق جو کچھ عملی ہدایات دی جاسکتی ہین، وہ صرف یہی ہین کہ جذبات مین امتیاز کیا جائے، جب کبھی اس قسم کی ترغیبون سے تم کو دوچار ہونا پڑے تو اس کو ضرور دیکھ لو کہ جو جذبات مشتعل کیئے جارہے ہین، وہ مستحسن ہین، یا غیر مستحسن، موقع کی مناسبت سے ہین، یا محض کاربرآری وحصول مقصد کے لیئے برانگیختہ کیئے جارہے ہین،

موسیقی کی طرح تصاویر کا اثر بھی جذبات پر بہت کچھ ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال بائسکوپ ہے، جس سے ہم آیندہ بحث کرین گے، شام کا جھٹ پٹا وقت، بہتا دریا، لہراتی ہوئی شفق، ان سب مظاہر قدرت کی تصویرین دل پر سکون اور اطمینان کامل کی کیفیت طاری کرتی ہین

برخلاف اِس کے بسترِ مرگ، جان بلب مریض، مایوس بیوی بچون کی تصویر دیکھکر دل پر غم کا بادل چھا جاتا ہے، اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہین، اعلیٰ درجہ کی تصاویر مین ایک عجیب خاموش گویائی ہوتی ہے، اور اِس کا ترغیبی اثر الفاظ کی مدد سے بے نیاز ہوتا ہے، انگلستان مین ہوگارتھ[1] کی تصاویر بہت کچھ اخلاقی درستی کا باعث ہوئین، شراب خواری عیاشی وغیرہ کے خراب نتائج تصاویر کے ذریعہ ظاہر کرکے اِس مصور نے بہت کچھ اصلاحی کام کیا، ہندوستان مین بھی، دوران جنگ بلقان مین بلغاریون کے مظالم کی تصویرین لوگون کے دلون پر بہت کچھ اثر کرتی تھین، مسجد کانپور کے واقعہ مین سب سے زیادہ چندہ الہلال کی تصاویر، اور اڈیٹر الہلال کی جادو بیانی کی وجہ سے جمع ہوا، تصاویر کی کامیاب ترغیب کی بڑی وجہ اِن کی صفت نمایندگی اور اظہارِ واقعات ہے، ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ؟

تقریر اور تحریر مین جو کچھ کام تخیل کو کرنا پڑتا ہے، وہ تصویر مین حس باصرہ کرتی ہے، اور اس ذریعہ سے ناخواندہ لوگ بھی ترغیب کے حلقۂ اثر مین آجاتے ہین، اُمّی، اور عالم دونون یکسان طور پر صورتِ حالات کو سمجھ لیتے ہین، اور ترغیب دہندہ کے حسب منشا عمل کرتے ہین،

موسیقی، نقاشی، و صناعی مین جذبات سے اِسی طرح اپیل کی جاتی ہے، جس طرح کہ خالص عمل ترغیب مین، فرق اِن مین یہ ہے کہ اول الذکر صورتون مین کسی طرزِ عمل کی براہ راست تشویق نہین ہوتی، مگر مؤخر الذکر مین جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین، انسانی طرزِ عمل کو براہِ راست متاثر کیا جاتا ہے، فنون لطیفہ کی تعریف اِن الفاظ مین کی جاتی ہے "وہ انسانی فعل، جس کا مدعا، علامات و نشانات

[1] ہوگارتھ (HOGARTH) ۱۶۹۷ء مین لندن مین پیدا ہوا، ایک سنار کی دکان مین بطور اُمیدوار کے داخل ہوا، نقاشی اور تصویر کشی کی تعلیم بطور خود حاصل کی، اسکی تصویرونکا موضوع ہمیشہ اپنے زمانہ کی اخلاقی پستی کا اظہار رہا ہے، اِن تصویرون نے انگلستان کی عام اخلاقی حالت کی درستی مین بہت کچھ مدد دی، وفات ۱۷۶۴ء

۱۲۶

کے ذریعہ سے (مثلاً حرکات، خطوط، رنگ، اصوات یا الفاظ سے) دوسرون مین بالقصد کوئی جذبہ پیدا کرنا فنون لطیفہ کی تحت مین آتا ہے، لیکن اس تعریف کے ساتھ ساتھ ایک اور شرط بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ صاحب فن جن جذبات سے متاثر ہو، یا جن سے دوسرون کو متاثر کرنا چاہیے، وہ شائبہ غرض سے خالی اور غیر شخصی ہون، یعنی کسی ذلت سے اون کا لگاؤ نہ ہو، ذاتی خواہشات کے اثر سے پاک ہون، اور حیات کے وسیع اور اعلیٰ تصورات پر مبنی ہون، اِن چیزون کے علاوہ، فن لطیف سے اگر کوئی اور مقصد پورا کرنا مدنظر ہو، تو اوسے فن لطیف نہین کہہ سکتے، نقاشی اُسی وقت تک فن لطیف ہے، جب کہ محض اپنی لطافت کے لحاظ سے کی جائے، موسیقی کا بھی یہی حال ہے، فنون لطیفہ مین سے کسی کو لو، اگر وہ فی الحقیقت، فن لطیف ہی تو اوس مین حیات انسانی کے عملی رُخ سے تم کو ایک طرح کی بے تعلقی نظر آئیگی اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اون کا بالواسطہ اثر عمل پر بھی ہوتا ہے اور اوس کی مثالین ہم پہلے دے چکے ہین، لیکن اِن صورتون مین اِن مین فنون لطیفہ کی فہرست سے خارج کر دینا پڑے گا۔

تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب (بائسکوپ یا متحرک تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب) دینے کا سب سے زیادہ مقبول ذریعہ جو آج کل کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے، بائسکوپ ہی، گزشتہ جنگ کے زمانہ مین مختلف حکومتون نے اِسی کے ذریعہ نشر واقعات، اور اپنے مقصد کی تبلیغ و اشاعت کا کام لیا، انگلستان، اور دیگر اتحادی سلطنتون مین اسی کے ذریعہ سے عوام کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا گیا، متحرک تصاویر دکھا کر جرمن "بہیمیت" اور "مظالم" سے اون کو آشنا کیا گیا، ابھی حال ہی مین انگلستان کے اخبارون نے غل مچایا تھا کہ جاپانی قوم بائسکوپ کے ذریعہ سے انگریزی آبادی کو اپنا حامی اور ہم خیال بنا رہی ہے، سیاسی اغراض سے قطع نظر، معاشرت کی اصلاح کا کام بھی بائسکوپ سے لیا جاتا ہے، مثلاً شراب نوشی یا قمار بازی کی وجہ سے کسی خاندان کی تباہی کے حالات دکھا کر ناظرین کو اِن افعال قبیحہ سے متنبہ کیا جاتا ہے، آجکل مجلس اقوام اِس کی تعلیمی اہمیت اور درس و تدریس مین اس کے استعمال پر غور کر رہی ہے

بائسکوپ کی کامیاب ترغیب کا خاص سبب تدریجی انکشاف واقعات ہی، واقعات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتے ہین، جو اس خمسہ یا متخیلہ کی وساطت سے اصلی یا فرضی حالات دکھا کر لوگون کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہے،

اگرچہ بائسکوپ کا اساسی اُصول وہی ہے جو تصویر کی ترغیب کا ہوتا ہے، لیکن مؤخر الذکر ایک طرح سے محدود ہے، صناعی، نقاشی، مصوری، اِن سب مین رنگ آمیزی اور دوسری علامات کے ذریعہ اظہار واقعات وافعال تو کیا جا سکتا ہی، لیکن یہ اظہار بلحاظ زمان و مکان، محدود ہوتا ہے، یعنی اِن مین کسی خاص مقام پر، کوئی خاص واقعہ یا فعل، ایک ہی وقت مین وقوع پزیر ہوتا ہوا نظر آتا ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ تم کوئی ایسی تصویر دیکھتے ہو جس مین قاتل خنجر اُٹھائے ہوئے کسی شخص پر حملہ کر رہا ہے، اور یہ شخص دونون ہاتھ پھیلا کر اوس سے رحم کا ملتجی ہے، ظاہر ہے کہ یہ تصویر صرف اوس وقت کا اظہار کرتی ہے جبکہ مظلوم قاتل کے قبضہ مین آچکا تھا ظلم کی وجہ، قاتل کے جذبات کا اشتعال، اوس کا تعاقب مظلوم کا بھاگنا، اور دوسرے بہت سے واقعات جو اس تصویر کے قصہ کو مکمل کرین، تصویر مین ظاہر نہین کیئے جا سکتے اِن کے لیے کئی تصویرون کی ضرورت ہوگی، کیٹس (KEATS) نے ایک چینی کے پیالہ پر کسی حسین عورت اور اوس کے عاشق کی تصویر دیکھ کر کہا تھا، تجھکو دائمی نوجوانی حاصل ہے، اور تیرا عاشق ہمیشہ تجھ سے محبت کرتا رہے گا، مطلب یہ کہ جہان تک تصویر کا تعلق ہے نہ تو معشوقہ کا انحطاط لوگون کو معلوم ہوگا، نہ عاشق کی محبت مین کوئی کمی کسی کو نظر آئیگی، دو سو برس کے بعد بھی دیکھو، تو اوس تصویر کی وہی کیفیت پاؤگے، جو ابتدا سے تھی، اِس مقولہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ دکھانا تھا، کہ تھا دیر، زمانیت اور مُرور زمانہ کے ساتھ جو واقعات اور تغیرات رونما ہوتے ہین، اونھین ظاہر کرنے سے قاصر ہین، لیکن بائسکوپ مین یہ سب کچھ تدریجی انکشاف واقعات سے آناً فاناً ظاہر ہوجاتا ہے، سلسلۂ واقعات کی تمام اہم کڑیان موجود ہوتی ہین،

بائسکوپ کی تصاویر اظہار زمانیت، تبدیلی مقام، اور درمیانی واقعات کے انکشاف سے عاجز نہیں ہین، اون مین سلسلۂ واقعات کا بھی اظہار کیا جا سکتا ہے، جن کا قیام مہینون بلکہ برسون ہا ہے صرف ایک آدھ تشریحی جملہ کی ضرورت ہوتی ہی، نقاشی اور مصوری کے برخلاف، بائسکوپ قید وقت سے بے نیاز ہے، بلکہ ناول یا زبانی قصون کی طرح تشریح و توضیح واقعات پر بھی اسے مکمل قدرت ہے،

ایک لحاظ سے اگر دیکھو تو بائسکوپ مین تسلسل واقعات، اور زمانیت کے اظہار کی صلاحیت ناول سے بھی زیادہ ہوتی ہے، علت و معلول کا رشتہ جس طرح بائسکوپ مین ظاہر کیا جا سکتا ہے اوتنا آسانی کے ساتھ ناول مین بھی نہین ہوتا، ناولون مین یہ رشتہ متعدد صفحات عبور کرنے کے بعد ہاتھ آتا ہی لیکن بائسکوپ مین علاقہ سبیت بہت کچھ بین اور واضح ہوتا ہے، اِس کی بہترین مثال مسٹر جرارڈ کی کتاب "میرا چہار سالہ قیام جرمنی" سے ملتی ہی، حُسن اتفاق سے اِس کتاب کے واقعات کی ایک فلم بھی تیار کر لی گئی اور ان دونون کے مقابلہ سے بائسکوپ کی کامیابی کا راز اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے، کتاب مین ایک موقع پر اوس دعوت کا بیان ہے جو برلن کے حکام سیاسی نے سفیر امریکہ کے اعزاز مین دی تھی، اِس موقع پر میزبانون نے امریکہ کے ساتھ بہت کچھ اظہار ہمدردی و دوستی کیا تھا، پھر کئی صفحات کے بعد جرمنی کے حکام کے کسی خفیہ جلسہ کا ذکر ہے، جو اسلئے منعقد کیا گیا تھا کہ امریکہ سے جنگ کرنے کے متعلق باہمی مشاورت سے کوئی تصنیف کیا جا سکے، یہ تو کتاب کی حالت ہی، لیکن جب یہی واقعات بائسکوپ مین دکھائے جاتے ہین تو پہلی دعوت کے بعد ہی دوسرے خفیہ جلسہ کا منظر پیش کر دیا جاتا ہے، اور اس طرح سے ناظرین پر کتاب کے مطالعہ کے مقابلہ مین کہین زیادہ اثر پڑتا ہے، انسانون کے مقابلے مین بائسکوپ کی بڑھی ہوئی ترغیبی حیثیت کی یہ بہت اچھی مثال ہے، تو الی و تواتر واقعات دکھا کر اپنے حسب منشاء جذبات کو بآسانی اشتعال دیا جا سکتا ہے،

بائسکوپ کی کامیابی کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے خیالات وقت کی

قید سے بے نیاز ہین، اور گزشتہ کا خیال کرکے، اور کبھی مستقبل کی خیالی تصویر قایم کرکے، ہم اپنے آپ کو یا دوسرون کو ترغیب دے سکتے ہین، اوسی طرح سے بائسکوپ مین بھی حال سے بحث کرتے کرتے ماضی یا مستقبل کی تصویر بھی دکھائی جاتی ہے، مثلاً اِسی فلم مین جس کا ہم حوالہ دے چکے ہین جب سفیر امریکہ کو اطلاع ملتی ہے کہ تاوقتیکہ وہ ان جرمن جہازون کی حفاظت کا ذمہ نہ لے جو امریکی ساحلون پر لنگرانداز ہین اوس وقت تک اوسے پروانۂ راہداری نہین دیا جاسکتا، تو معاً اوس کے خیال مین عوت کا منظر، اور مدبرین جرمنی کی دوستانہ تقریرین آجاتی ہین، بائسکوپ مین اوس کے اِن خیالات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، اور جو خیالات سفیر کے دماغ مین چکر لگا رہے ہین وہ پردہ پر ظاہر ہوتے ہین، اور دفعۃً سرعت خیال کے ساتھ غائب بھی ہوجاتے ہین، لوگون کے خیالات کے اظہار کی صلاحیت اور حال سے بحث کرتے وقت پردہ پر مستقبل یا ماضی کے واقعات کی تصاویر کا ظاہر ہونا، یہ ایک اور وجہ بائسکوپ کی ترغیب کی کامیابی کی ہے، خیالات کی تصاویر دکھا کر وہی خواہشات اور خیالات ناظرین کے دماغ مین بھی پیدا کردیئے جاتے ہین، اور ترغیب دی جاتی ہے،

ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی ایک اور ترکیب جو بائسکوپ مین کی جاتی ہے یہ ہے کہ ایکٹرون کے خط وخال، اون کے چہرون کا اُتار چڑھاؤ، یہ باتین بھی پردہ پر ظاہر کی جاتی ہین، تغیر خط وخال مین جذبات کو متحرک کرنے کی جو صلاحیت ہے اوس سے کوئی انکار نہین کرسکتا، جب ہم کسی کو فرط انبساط سے مُسکراتے ہوئے دیکھتے ہین، اور اس کی آنکھون مین خوشی کی چمک پاتے ہین تو خاص صوتون سے قطع نظر خود ہمارے قلوب مین بھی انبساط کی ایک لہر دوڑ جاتی ہی، کسی کو خوف کی حالت مین دیکھکر خشک ہونٹھ، زرد چہرہ، نکلی ہوئی آنکھین، دیکھنے کے بعد ہم مین بھی خوف کی ایک لرزش خفی پیدا ہوتی، غرضکہ کسی جذبہ کے خارجی مظاہرات دیکھکر ہم مین بھی اوس قسم کے جذبات پیدا ہوجاتے ہین، بائسکوپ مین بھی اِس خاصہ سے بہت کام لیا جاتا ہے، خط وخال، اور چہرہ کی کیفیت کا اظہار اگرچہ تصویرون مین بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن

اون کا تغیر نہین دکھایا جا سکتا، بائسکوپ مین جس کامیابی کے ساتھ یہ باتین دکھائی جاتی ہین، وہ ناولون
کے متعدد صفحات سے بھی ممکن نہین، حرکات وسکنات بھی بائسکوپ مین خوب دکھائے جا سکتے ہین، اور
چونکہ یہ چیزین (چہرے کا تغیر، حرکات سکنات وغیرہ) دیکھنے سے متعلق ہین، اور معرض تحریر مین پوری طور
سے نہین لائی جا سکتین، بائسکوپ مین انھین دکھا کر جذبات کو اچھی طرح شہ دی جا سکتی ہے،

توالی و تواتر واقعات، تغیر خط وخال، ایکٹرون کے خیالات کا تصویرون مین اظہار
حرکات سکنات، اِن سب باتون نے مِل جلکر بائسکوپ کو ترغیب کا ایک کامیاب آلہ بنا دیا ہی، اوسکی
کامیابی کا اندازہ اِسی سے ہو سکتا ہے کہ بقول ایک انگریزی اخبار کے اڈیٹر کے" FOURYEARS) -
" STOY INGERMANY) - چہار سالہ قیام جرمنی کے فلم نے انگلستان کی آبادی کے ۵/۲
حصہ کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا اور جرمنی کی بہیمیت، اور وعدہ خلافی دکھا کر اوس کے خلاف شدید
نفرت کے جذبات پیدا کیئے"، ہندوستان مین ابھی تک بائسکوپ سے تبلیغ و اشاعت کا کام نہین لیا
جاتا، لیکن یہ صرف وقت کا سوال ہے، اور وہ وقت دور نہین ہے جب یہان بھی سیاسی تحریکات کی تائید
مین اور معاشرتی اِصلاح کے لیئے بائسکوپ کا استعمال شروع ہوجائے گا،

ابتک ہم اون خصائص سے بحث کرتے رہے جنھون نے بائسکوپ کی ترغیبات کو کامیاب
کر دیا ہے، لیکن اِس سے یہ لازم نہین آتا کہ اِس طریقۂ ترغیب مین خامیان نہین ہین، بائسکوپ کی ترغیب
متعدد اسقام رکھتی ہے، اور اوس کی کامیابی کا انحصار انھین خرابیون پر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ بائسکوپ
کی ترغیب تمام وکمال حسّی ہے،، نظرین پردہ پر جمی رہتی ہین، مختلف تصاویر دیکھ کر، جذبات کو فوری تحریک
تو ضرور ہوتی ہے، لیکن ناظرین کے قوائے عقلیہ تعطل کی حالت مین رہتے ہین، یہی وجہ ہے کہ بائسکوپ کا اثر
جُہلا اور کم عقلون پر بہت ہوتا ہے، جو محض محسوسات سے متاثر ہوتے ہین، اگرچہ جاہل لوگون کو واقف
کرانے کا بہترین ذریعہ بائسکوپ ہی ہے، لیکن نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھو، تو یہ طریقۂ ترغیب نا جائز ہے

حقیقی ترغیبات اونھین نہین کہتے، جن مین قوائے عقلیہ کو مجہول کر کے مقصد برآری کی جائے، بلکہ اُس مین نفس کے مختلف مظاہرات، استدلال، تخیل، تاثر، ارادت وغیرہ کا آزادانہ عمل بھی ہونا چاہیئے،

دوسرا عیب بائسکوپ کا یہ ہے کہ اوس مین واقعات کا اظہار بے ربط، مبالغہ آمیز، اور سنسنی خیز ہوتا ہے، جن فلمون کا مقصد لوگون کو زبردستی کسی خیال کا موئید بنانا ہوتا ہے، اوس مین واقعات کی ترتیب اور اون کے باہمی ربط کی پروا نہین کی جاتی، تصویرون کے انتخاب اور واقعات کے احضار مین صرف یہ خیال پیش نظر ہوتا ہے کہ یہ جذبات کو مشتعل کر سکتے ہین یا نہین، ظاہر ہے کہ یہ سب ترغیب باطل کے خصائص ہین، جائز ترغیب کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے، واقعات کی ترتیب، اون کا بتدریج اور بے مبالغہ ناظرین کے سامنے پیش کرنا، موافق اور مخالف دونون رخون کو دکھلانا، حرکات و سکنات کا باقاعدہ استعمال یہ سب باتین جائز ترغیب کے لوازمات ہین، نہ یہ کہ واقعات کا ہجوم، مبالغہ، اور سرعت کے ساتھ آنکھون کے سامنے لایا جاتا ہے، تاکہ عقل سے کام لینے کا موقع ہی نہ رہے!

اگر یہ مختلف عیوب نہ بھی ہوتے، تب بھی بائسکوپ کی ترغیبات کو ناجائز قرار دینے کے لئے صرف یہی کافی تھا کہ اوس مین میکانکی وسائل سے کام لیا جاتا ہے، اِس ترکیب سے جو کچھ واقعات پیش کیے جاتے ہین وہ عاقل افراد پر زیادہ اثر نہین کرتے، اور جو کچھ اثر ہوتا ہے تو وہ بھی عارضی تھیٹر کے ذریعہ سے جو جذبات ناظرین کے سامنے ظاہر کیئے جاتے ہین، وہ باوجود اس کے کہ اوس مین انسان کام کرتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہین، پھر بھی حقیقی نہین بلکہ مصنوعی خیال کیئے جاتے ہین، پھر بائسکوپ کی ترغیب جس مین تصاویر کام کرتی ہین اور یہ تصاویر بھی مشین کے ذریعہ سے متحرک کی جاتی ہین کیسے حقیقی ہو سکتی ہے،

——— ⁂ ———

باب ششم

ترغیبِ لفظی

مکالمہ، بیع، اشتہارات، اخبارات کے ذریعہ ترغیب، ہر ایک کے ضمنی مباحث، اور اوسکے متعلق عملی ہدایات

ترغیب لفظی کے ذیل مین تحریری اور تقریری دونون قسم کی ترغیبات داخل ہین، سچ پوچھو تو مدعائے ترغیب دونون صورتون مین وہی ہے لیکن پھر بھی اِن کے اجزائے ترکیبی مین کسی قدر اختلاف ہوتا ہے، مثلاً ترغیب تحریری مین ذہنی عنصر کسی قدر زیادہ ہوتا ہے، اور غیر عقلی عناصر کی خلل اندازی کا کم احتمال ہوتا ہے، برخلاف اس کے ترغیب تقریری مین مقرر کی شخصیت کا اثر بھی سامعین پر ہوتا ہے، اور پھر اوس کے پاس اپنی ترغیب کو پرزور اور کامیاب بنانے کے اور وسائل بھی موجود ہین، مثلاً حرکات و سکنات کا استعمال، اشارات وغیرہ جو ظاہر ہے کہ ترغیب تحریری مین ممکن نہین، اِن دونون اقسام مین سے، چونکہ ترغیب تقریری مین مختلف عناصر ترغیب کے کرشمے بدرجۂ اولیٰ نظر آتے ہین، لہٰذا اسی کو اظہار خیال اور ترغیب کا عام ترین، اور مناسب ذریعہ کہا جا سکتا ہے، اِس باب مین اِن دونون قسمون کے بعض ذیلی اصناف سے بحث کی جائے گی، جو فی الحقیقت ترغیب کے ذیل مین آتی ہے، لیکن اون کو ترغیب کوئی نہین کہتا، مثلاً ترغیب تقریری کے اصناف مکالمہ اور بیع کے وقت بائع کی مشتری سے گفتگو، اور ترغیب تحریری کے

اصناف:- اشتہارات، اور اخبارات کی ترغیب،

مکالمتہ یا عام گفت گو، | **گفتگو یا مکالمتہ** کے متعلق، خواہ وہ کسی قسم کی کیون نہو، عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوس مین عناصر ترغیب ضرور پائے جاتے ہین، خواہ دل بہلانے یا وقت کاٹنے کے لئے گفتگو کی جائے، یا دوسرون کو فرحت یا ایذا پہونچانا مقصود ہو، تم کو یہی نظر آئے گا کہ متکلمین ایک دوسرے کو کسی نہ کسی قسم کی ترغیب ضرور دے رہے ہین، اور ایک دوسرے کی شخصیت سے متاثر ہو رہے ہین

مذکورۂ بالا مواقع کے علاوہ، جہان گفتگو سے محض بالواسطہ ترغیب کا کام لیا جاتا ہے، ایسی گفتگو بھی ہوتی ہی جس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دوسرون کی رائے، یا اون کے افعال کو متاثر کیا جائے، علمی معاشرتی، سیاسی، معاشی، اخلاقی، مذہبی، غرضکہ ان جملہ مباحث پر جو گفتگو کی جاتی ہے اوس کا مقصد براہ راست ترغیب دینا ہوتا ہے، گفتگو کا مدعا کچھ ہی کیون نہو، اوس کی ترغیب کا کامیاب ہونا گفتگو کرنے والے مین کچھ ذاتی صفات چاہتا ہے، اوس کے مزاج عام افتادِ طبیعت، خصلت، اِن سب باتون کا ترغیب کی کامیابی یا ناکامی مین بہت کچھ دخل ہے،

بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جن کی گفتگو ہمیشہ کامیاب طور پر ختم ہوتی ہے، دوسرون کو اپنا ہمخیال بنانے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرانے کا اونھین خاص ملکہ ہوتا ہے، لازمی نہین ہی کہ یہ لوگ جادو بیان مقرر بھی ہون، خطابیات کے طریقے چاہے یہ نہ جانتے ہون، لیکن معمولی کاروبار زندگی مین یہ لوگ ہمیشہ اپنی بات دوسرون سے منوا لیتے ہین، اِس گروہ کے برخلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہین جن کی گفتگو کسی کو مرغوب نہین ہوتی، ذرا ذرا سے شبہات رفع کرنے مین، خفیف سے خفیف بات منوانے مین اونھین گھنٹون لگ جاتے ہین، اور پھر بھی اون کا مقصد حاصل نہین ہوتا، اور باتون کے علاوہ (مثلاً قوت استدلال، نفوذ ذاتی وغیرہ) پہلے گروہ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ وہ عام فطرت انسانی سے واقف ہوتے ہین، اوس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہین، دیگر معاملات دنیوی کی طرح گفتار

مین بھی داد وستد، کے اُصول پر کاربند رہتے ہین،

ترغیب جائز کی طرح خوش گفتاری بھی اوس وقت حاصل ہوتی ہے، جب فطرتِ انسانی کی محبت، ہمدردی، اور دوسرون کی شخصیت کے متعلق عظمت اور توقیر کے نقوش ہمارے دلون پر گہرے بیٹھے ہوئے ہون، یاد رہے کہ اِن چیزون مین مبالغہ سے کام لینا اوتنا ہی مُضر ہے جتنا کہ اون کا قطعاً لحاظ نہ رکھنا، ہمدردی سے یہ مراد نہین ہوکہ مسائل متنازعہ فیہ مین دوسرون کو خوش کرنے کے لیے اپنی رائے بھی بدل دی جائے، اور اون کے خیال کو صحیح مان لیا جائے، جو لوگ ایسا کرین اون کو خلیق، نہ سمجھنا چاہیئے، بلکہ اون کی ہمخیالی کو معتقدات کی کمزوری، اور دلائل کی سطحیت پر محمول کرنا چاہیے، اہم اور سنجیدہ مضامین پر جو گفتگو ہوتی ہو، اوس مین ہمیشہ ذاتی تیقن، اعتماد، اور وثوق کے ساتھ رائے دینا چاہیئے، لیکن اِن باتون مین بھی "خیر الامور اوسطہا" کے زرین اُصول پر کاربند رہنا چاہیئے، وثوق جب اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے، تو تنگ نظری کا باعث ہوتا ہے اور اس کو تعصب کا نام دیا جاتا ہے، اپنی اصابت رائے پر بھروسہ رکھکر، دوسرون کی کسی بات کو نہ ماننا یا اون سے الجھ پڑنا مکالمہ کے محاسن نہین کہے جا سکتے، دوسرون کے خیالات، طبیعت، اور تأثرات کا حتی الوسع لحاظ رکھنا چاہیئے، سہولت اور نرمی کے ساتھ اپنے منشا، مافی الضمیر کا اوپر اظہار، اور انکی رائے کی بجا تنقید کرنی چاہیئے، جو لوگ اِن باتون پر عمل نہین کرتے، اور باہمی مکالمہ کا آغاز صاف دلی کی بجائے سوء ظن، تعصب، یا کبیدہ خاطری سے کرتے ہین، ایسی صحبتون مین اول تو گفتگو کا جاری رہنا ہی محالات سے ہو، اور اگر ہو بھی تو محض رسماً اور وضع کی پابندی کے لحاظ سے ہوگا، حقیقی لطف گفتگو مفقود ہوگا، خوش گفتاری کے لیے صدق نیت ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، وحدت مساعی کا ہونا لازمی ہے،

اب روزمرّہ کی مکالمہ کو اس کسوٹی پر کسو، تم کو اوس مین بیشتر ان صفات کا فقدان نظر آئے گا، اور بجائے ان کے وہ جملہ خصائص دکھائی دینگے، جو ترغیب باطل کی ذیل مین ہم بتا چکے ہین،

دوسرون کی شخصیت سے بے اعتنائی، قول و عمل کا تخالف، دل آزاری، طعن و تشنیع، یہ اور اسی قسم کے دوسرے خصائص اکثر گفتگو مین بھی نظر آئینگے، یہ سب باتین جتنی قاطع محبت اور غیر معاشرتی ہین وہ ظاہر ہی ہے، اصلیت یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو غیر شعوری تحریکات کی وجہ سے ہوتی ہے اور غیر شعوری تحریکات کے جو قبیح خصائص ہوتے ہین اس کے اعادہ کی ضرورت نہین ہی،

ہم نے قصداً مکالمہ کے ذیل مین استدلال کے کرشمے، تخیل کی پرواز، اور جذبات کی ہنگامہ آرائیون سے بحث نہین کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزون سے ترغیب تحریری و تقریری مین جو مدد لی جاتی ہے، اس سے ہم پہلے ابواب مین بحث کر چکے ہین، گفتگو کو کامیاب بنانے کے لئے عام ہدایات دی جا چکی ہین، جن پر کاربند رہکر ہر شخص کے لئے اپنی قوت مکالمہ کے ذریعہ دوسرون کو ترغیب دینا ممکن ہو سکتی ہی، ذیل کے معنی خیز جملون سے گفتگو کے ضروری خواص سب کچھ جامع طور پر ظاہر ہونگے،

بیع، بائع کی گفتگو، **معمولی مکالمہ کے** علاوہ، گفتگو کی ایک اور قسم بھی ہی، جس مین کبھی نہ کبھی ہر فرد حصہ لینے پر مجبور رہتا ہے، ہماری مراد اس گفتگو سے ہے جو خرید و فروخت کے وقت بائع، اور مشتری مین ہوتی ہے، ایسے موقعون پر بائع کی حیثیت ترغیب دہندہ کی ہوتی ہے، موجودہ زمانہ مین دوکانداری کو بھی معمولی حیثیت سے بلند کر کے، ایک فن کے درجہ تک پہونچا دیا گیا ہے، اور مختلف ممالک، بالخصوص امریکہ مین خالص اس موضوع پر کہ بائع کو خریدارون کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے، متعدد کتابین لکھی گئی ہین،

اس سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہو کہ بحیثیت ترغیب دہندہ کے بیچارے دوکاندار کی حیثیت بہت کچھ نازک ہوتی ہی، صرف یہی نہین کہ اوسے مختلف مزاج اور طبائع کے خریدارون سے سابقہ پڑتا ہو، بلکہ ہر خریدار اوس کی طرف سے یہ سوءظن لئے ہوئے دوکان مین داخل ہوتا ہے کہ "اس کی نیت مجھ سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی ہے"، اس سوءظن کی روشنی مین دوکاندار کا ہر فعل مشتبہ نظر آتا ہے،

اگر وہ اخلاق سے پیش آئے، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خوشامد سے کام لے رہا ہے، اگر وہ استقلال کیساتھ قیمت بتلائے، اور اپنے رویہ سے اِس کا اظہار کرے کہ خریدار کے چیز خریدنے یا نہ خریدنے سے اوس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہین ہے، تو اِس صورت مین اسے کج خلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے، انصاف سے دیکھو خریدار کا یہ رویہ سراسر غیر مستحسن ہی، اونھین یاد رکھنا چاہیئے کہ دوکانداروں.... کا منشاء صرف جلب منفعت ہی نہین ہوتا، انکو ان حقوق کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے جو ان پر بائع کے انسان ہونے کی حیثیت سے ہین۔

دوکاندارون کے لیے سب سے زیادہ ضروری صفات، مشاہدہ کی تیزی، اور قیافہ شناسی کا ملکہ ہین، اونھین ایک نظر مین پہچان لینا چاہیئے کہ کونسا خریدار کس مزاج کا ہوگا، اور اُسی کے حسب حال اوس کے ساتھ پیش آنا چاہیئے، اون کی اپیل زیادہ تر انفرادی ہوتی ہے، اون کی ترغیب کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ خریدارون کی ضروریات کا اندازہ لگا کر، اگر ان ضروریات کا احساس اون کے دماغ مین خفیف اور مبہم ہو تو اوس مین وضاحت اور یقین پیدا کر دین تاکہ اون مین خریدنے کا میلان پیدا ہو جائے، دوکانداری سے قطع نظر، اگر غور سے دیکھا جائے، تو انفرادی طور پر لوگون کی طرف متوجہ ہونا، اختلاف طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے ترغیب دینا، ہر کامیاب ترغیب کے لیئے ضروری ہو، اکثر زعما کی تقریرین زیادہ تر اسی وجہ سے ناکام رہتی ہین، بحیثیت مجموعی ان مین اثر ضرور ہوتا ہے، لیکن سامعین انفرادی طور پر اور خصوصیت کیساتھ اِس کا اثر محسوس نہین کرتے وکلا اور بیرسٹر اس راز سے آشنا ہوتے ہین، اور بحث کرتے وقت ان کا تمامتر مدعا سب سے زیادہ شدید مخالف کو رام کرنا ہوتا ہے، موسیو لی بان نے اپنی کتاب نفسیات جماعات مین لشاڈ کا قصہ لکھا ہے، سب اراکین جوری اِس کے ہمخیال ہو چکے تھے، اور اب اس کی فصاحت کے جملے صرف ایک شخص پر تھے، یکایک دوران تقریر مین رک کر، اِس نے جج سے کہا "براہ کرم چپراسی کو حکم دیجئے کہ چک ڈالدے، فلان جیوری صاحب کے چہرہ پر دھوپ آ رہی ہے، جس سے اونکو تکلیف ہو رہی ہے"، یہ الفاظ اوس شخص کی تسخیر کے لیئے کافی تھے، اور بالآخر لاشاڈ کو کامیابی ہوئی، ایک مشہور

وکیل مسٹر گگ اپنی کتاب "خطبات قانونی" مین لکھتے ہین "سب سے پہلے اُس رُکن کو رام کرو، جو سب سے زیادہ ذہین ہو، اور مقدمہ مین زیادہ دلچسپی لیتا ہو، لیکن بقیہ گیارہ اراکین کی طرف سے بھی قطعاً بے پروا نہ ہو جاؤ، ورنہ اون کے احساسات کو ٹھیس لگے گی، اور وہ یہ سمجھین گے تم اون کا عدم اور وجود برابر جانتے ہو اور ممکن ہے کہ اون کی رائے تمھاری رائے کے خلاف ہو جائے" اِس ہدایت کو دوکانداروں پر منطبق کر کے دیکھو تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ نظر آتا ہے کہ مشتری کو خوش رکھین، یعنی قوتِ تمیز، اور فیصلہ سے کام لیکر، خریدار کی شخصیت اور ضرورت کے حسب حال الفاظ استعمال کئے جائین، ساتھ ہی اسکا بھی لحاظ رہے کہ مشتری قبل از قبل بائع کی طرف سے بدگمان ہوکر دوکان مین داخل ہوتا ہے، اس لئے اوس کی رائے سے تعارض کرنا، یا تواضع وخوش خلقی مین انتہائی مبالغہ سے کام لینا، خریدار مین ایک طرح کی ضد پیدا کر دے گا، جو ظاہر ہے کہ بائع کیلئے مفید نہین ہو سکتی،

اشتہارات، **عام طور پر** ہر ملک کے معاشی ارتقاء کے تین مدارج تسلیم کئے گئے ہین سب سے پہلا درجہ وہ ہوتا ہے جب کسی گاؤن کے لوگ انفرادی طور پر اپنی ضروریات کے پورا کرنے مین مشغول نظر آتے ہین، اِس حالت مین تجارت کا کوئی وجود نہین ہوتا، اشیاء کی قدر معاشی کا تعین بجائے روپیون کی تعداد کے مقدار اشیائے متبدلہ سے ہوتا ہے، اول خویش بعدہٗ درویش، معاشی جد وجہد کا اصول قرار دیا جاتا ہے، ہر شخص جو کچھ پیدا کرتا ہے، اوس کا مقصد اوّل خود اپنی ضروریات کی کفالت ہوتا ہے، اور جو کچھ بچ رہتا ہے وہ دوسرون کو دے کر ان سے دوسری احتیاجات پوری ہوتی ہین اِس دور اول کے بعد جسے ہم بجا طور پر خود کفالت، کے نام سے تعبیر کر سکتے ہین، دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اِس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرون کی ضروریات معیار قرار دیجاتی ہین، نجار، زرگر، پارچہ باف، غرضکہ تمام صناع اور دست ورز افراد جو کچھ پیدا کرتے ہین وہ دوسرے بازارون کے لیئے پیدا کرتے ہین، ظاہر ہے کہ اِس حالت مین کاروبار،

اور خرید و فروخت کا صحیح معنون مین آغاز ہوتا ہے، فلان مقام پر کس چیز کی ضرورت ہے؟ فلان تہوار کے موقع پر کس قسم کے لوگون کا مجمع ہوتا ہے؟ آج کل کا فیشن کیا ہے؟ یہ سوالات ہین جن کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ اِس کے بعد جو دور آتا ہے اور جسے معاشیات مین فیکٹری کے درجہ کے نام سے موسوم کرتے ہین، اُس مین پیدائش اشیار بہت بڑے پیمانہ پر عمل مین آتی ہے، دوسرے ملک بھی حلقۂ تجارت مین داخل ہو جاتے ہین، اور اِس طرح سے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہین، یہی وہ حالت ہے جہان اشتہارات کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے، اور پرانے لوگون کے خیال کے بالکل خلاف تجارت مین "روئے دلآرام" کے لیے "مشاطہ" کی ضرورت تکلف کی حد سے گزر کر لوازمات کے زمرہ مین شامل ہو جاتی ہے۔

دوبدو خرید و فروخت مین جو کام بائع کی چرب زبانی کرتی ہے بالکل وہی غرض اشتہارات کی بھی ہوتی ہے، انکا منشا یہی ہوتا ہے کہ خریدارون کے سامنے عام ضرورت کی اشیار کا ایسے الفاظ مین ذکر کیا جائے کہ اون کی خواہشات کو تحریک ہو یہی چیز ہے جو اشتہارات کو بھی دوسرے محرکاتِ ترغیب کی صف مین لاکر کھڑا کر دیتی ہے اور اِسی حیثیت سے ان کی نفسیاتی خصوصیات پر غور کیا جا سکتا ہے، یون تو ہر شخص جب کسی دُکان مین داخل ہوتا ہے، تو کوئی نہ کوئی خواہش لیے ہوئے جاتا ہے، لیکن بسا اوقات یہ خواہش موہوم ہوتی ہے، اِس صورت مین دوکاندار کی چرب زبانی اور لسّانی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے پُرزور بنا دیا جائے، اِسی طرح اشتہارات کا مقصد بھی اِسی خواہش کو بیدار کرکے اسے قوی تر بنانا ہوتا ہے، اِس قسم کے اشتہارات جلبِ منفعت کے لیے دیئے جاتے ہین، ترغیب تحریری کی دوسری اصناف کی طرح اشتہارات کی ترغیب بھی تنظیم و ترتیب لیے ہوئے ہوتی ہے، جذبات کو مشتعل کرنا، متخیلہ کی ریشہ دوانیان، استدلال کی تائید، یہ سب باتین ادنیٰ پیمانہ پر، لیکن بدلی ہوئی نوعیت کے ساتھ اشتہارات مین بھی نظر آتی ہین، الفاظ کے ساتھ ساتھ تصاویر سے بھی مدد لیجاتی ہے، اور اِس طرح سے توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ تفریح بھی ہو جاتی ہے،

یون تو اشتہارات کا مدعا اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ لوگون کو خرید و فروخت کی ترغیب دیجائے لیکن زمانۂ موجودہ مین اونکا حلقۂ اثر وسیع ہوتے ہوتے سیاست، اور حتی کہ (انگلستان مین) مذہب پر بھی حاوی ہوگیا ہے، تبلیغ و اشاعت کا کام انہی کے ذریعہ سے لیا جاتا ہے، قومی و سیاسی مباحث سے عوام کو روشناس کرانے کے لیئے، اور اون کی تائید حاصل کرنے کے لیئے بھی اسی واسطہ کو کام مین لایا جاتا ہے، میونسپلٹی اور کونسلون کے انتخابات، ترک موالات، فراہمی زر، اعانت سوراج اور ایسے بہت سے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر متعدد اشتہارات نظر سے گزرتے ہین، خود حکومت بھی تبلیغ و اشاعت کے مستقل محکمے قائم کرتی ہے، مجروحین کی امداد، فوجی بھرتی وغیرہ کے متعلق سرکاری دارالاشاعتون سے اشتہارات شایع ہوتے رہتے ہین، اور ہر شخص جانتا ہے کہ اِس قسم کے اشتہارات کی کامیابی بحیثیت محرکات ترغیب بہت کچھ ہے،

اشتہارات کے خصائص سے ناظرین کو روشناس کرانے کے لیئے، اور ان کے اساسی اصول نفسیہ سے واقف کرنے کے لیئے ذیل کی مثال بہت کچھ مفید ہوگی، یہ اشتہار زمانۂ جنگ مین برطانوی وزارت خدمتِ قومی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا،

"**دشمن** کی نیت تمھین فاقون مارنے کی ہے، اوس کی کوششون کو غارت کردو، برضا و رغبت **قومی خدمت** کے لیئے خود کو وقف کردو، **برطانیہ کو ہر حال مین** جلد از جلد دشمن کی مدد سے بے نیاز ہو جانا چاہیئے، جنگ کے قابل افراد کو سبکدوش کرکے جلد از جلد **صلح** حاصل کرنے مین مدد دو، آج ہی اپنا نام لکھاؤ، **ابھی ابھی** جاکر نزدیک ترین ڈاکخانہ یا دفتر خدمت قومی سے **رضاکارانہ خدمت** کا تختہ لے آؤ اور اوس پر **ابھی ابھی** دستخط کردو"

ہر عمل ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی خواہش یا عقیدہ سے ہوتا ہے باوجود ترغیب دہندہ کے ذہن مین قبل از قبل موجود رہتا ہے، مذکورۂ بالا اشتہار مین بھی اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ مشتہر کی ترغیب

جس خواہش سے شروع ہوئی، وہ یہ ہے کہ قومی خدمت کے لیئے رضاکارون کی کثیر ترین تعداد جلد از جلد فراہم کی جائے،

مشتہر کی خواہش تو معلوم ہوگئی، اب آؤ یہ دیکھین کہ یہ خواہش اس کے دماغ مین کیون پیدا ہوئی؟ لازم ہے کہ اس سے کسی جذبہ یا فطری رجحان کی تشفی ہو، ورنہ اِس کا وجود ہی نہ ہوتا، وہ کون سے جذبات ہین جو مشتہر کے دل مین پیدا ہوئے، اور جن کو وہ بذریعۂ اشتہار دوسرون مین بھی پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی تحریک سے لوگ اس کے حسب منشا رعمل کرین، صیانت حیات کا جذبہ ہر شخص کے دل مین فطرۃً موجود ہوتا ہے، اس کو اشتعال دینے کے لیئے یہ کہا گیا کہ دشمن کی نیت ہمین فاقون مارنے کی ہے، یعنی وہ ذرائع بہم رسانی خوراک کو مسدود کر دینا چاہتا ہے، جذبۂ حبّ الوطنی کو تحریک دینے کے لیئے یہ کہا گیا کہ "برطانیہ کو جلد از جلد دوسرون کی مدد سے بے نیاز ہونا چاہیئے"، یہ کہکر کہ دشمن کا حملہ وسائل بہم رسانی خوراک پر ہے، لوگون کے دلون مین غصّہ وغضب کے جذبات برانگیختہ کیئے گیئے، اِن سب جذبات کی ملی جلی طاقت نے مشتہر کے دلمین یہ خواہش پیدا کی کہ فوج بھرتی کی جائے، اور چونکہ اِس کا خیال تھا کہ اگر یہی جذبات لوگون کے دلون مین بھی پیدا کر دیئے جائین گے تو وہ اس کے حسب خواہش عمل کرین گے، اِس لیئے اِشتہار کی وساطت سے یہی جذبات ان کے دلون مین پیدا کرنے کی کوشش کی گئی،

اِن جذبی عناصر کے علاوہ، اگر اس اشتہار کو بغور دیکھا جائے تو عنصر ذہنی بھی مختصر اور عام فہم دلائل کی شکل مین نظر آتا ہے، لوگون کے سامنے یہ کلیہ پیش کیا گیا کہ فوج مین بھرتی ہونے والے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینگے، اور وہ اِس طرح سے کہ فاقون کی مصیبتون کو دور کرنا، دشمن کو شکست دینا، برطانیہ کو بیرونی امداد کی طرف سے بے نیاز کر دینا، یہ بھرتی ہونے والون کا فرض ہوگا اور یہ سب وطن خواہی اور خدمت قومی کی بین مثالین ہین، مزید دلیل یہ پیش کی گئی کہ ان کی اعانت اور شرکتِ عمل سے جنگ بھی جلد از جلد ختم ہو سکے گی کیونکہ دولت برطانیہ اپنے تعداد ای غلبہ کی بدولت دشمن کو صلح پر مجبور کر سکے گی،

جذبی اور ذہنی اپیل سے قطع نظر، ذرا ترکیبِ عبارت اور ترتیبِ الفاظ پر بھی غور کرو، طرزِ بیان کتنا پُرزور ہے، موقع کی اہمیت، اور تعجیل کی ضرورت ظاہر کرنے کے لیے جلی قلم سے کام لیا گیا، مشتہر نے کمال فطرت شناسی کی بنا پر کہین بھی لفظ جرمن یا جرمنی استعمال نہین کیا، اس لیے کہ دشمن کے "بند" لفظ سے خطرہ کا احساس زیادہ عام ہو جاتا ہے، ضرورت کی شدت ظاہر کرنے کے لیے تمام عبارت امر مین لکھی گئی، ہر پڑھنے والے کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ مشتہر کا روئے سخن اسی کی جانب ہے، عبارت مین جمع مخاطب "تم" استعمال کیا گیا، اور واحد یا جمع غائب کا استعمال (مثلاً لوگون کو چاہیئے، یا ناظرین کو چاہیئے الخ ...) نہین کیا گیا، قومی مبلغین کے لیے اس آخری اصول پر کاربند رہنا ازبس ضروری ہے، بغیر اس کے، ترغیب کی کامیابی دشوار ہے، مثلاً ترک موالات ہی کی تحریک کو لو، اگر کوئی مبلغ بدیشی صنائع کے استعمال کی ترغیب کسی مجمع کو دے رہا ہو، تو اس کو چاہیئے کہ اپنا منشا ومافی الضمیر کو ایسے الفاظ مین پیش کرے کہ زید، عمر، بکر، سب اپنی اپنی جگہ پر اوس کے خیالات سے متاثر ہون، اور محسوس کرین کہ اوس کی اپیل انہین سے ہے،

جن جن اصولون کا ابھی ابھی ذکر کیا گیا، عام تجارتی اشتہارات بھی انھی پر منحصر ہوتے ہین، مگر یہ قومی کی بجائے انفرادی ہوتے ہین، اور انکا اصل مقصد جلبِ منفعت ہوتا ہے، اور امر سے انہین بھی اکثر کام لیا جاتا ہے، دلائل البتہ بہت کم ہوتے ہین، اور ان کی چندان ضرورت بھی نہین ہوتی اسلیے کہ زیادہ تر تجارتی اشتہارات خورد و نوش، صحت و تفریح، لباس، مکان وغیرہ کے متعلق ہوتے ہین، اور یہ خواہشات ہر شخص مین فطری طور پر اتنی قوی ہوتی ہین کہ مزید دلائل کے ذریعہ تقویت پہنچانیکی ضرورت نہین ہوتی، اس لیے صداقت نامون اور اسناد پر اکتفا کی جاتی ہے، کبھی کبھی کسی سربرآوردہ شخص سے انتساب کرکے ہردلعزیزی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً "گاندھی اسٹور" یا "بسنر پرستی حاذق الملک" وغیرہ، دلیل کے بجائے دعودن سے البتہ کام لیا جاتا ہے، مثلاً شدتِ وثوق کے ساتھ اپنی مشتہرہ اشیاء کو بہترین بتایا جاتا ہے،

عوام الناس جب بہ تکرار اس قسم کے دعوون کو سنتے ہین، تو کسی قدر ان سے متأثر ہوتے ہین، اور اس طرح ان چیزون کی خرید کی اونھین ترغیب ہوتی ہے، لوگون مین فرحت پیدا کرنے اور اونکی توجہ مائل کرنے کے لیۓ مختلف ترکیبین کی جاتی ہین کبھی کبھی مضحکہ خیز تصاویر سے بھی کام لیا جاتا ہے، اسم صفت کا استعمال نہایت فراخ دلی سے ہوتا ہے، "بہترین" "ارزان ترین" "نہایت پائدار" ایسی ہی دوسری مبالغہ آمیز صفات کا استعمال کیا جاتا ہے،

تمام اشتہارات کی مشترکہ صفت، ان مین کسی نہ کسی جدت کی موجودگی ہے، خواہ یہ جدّت کسی تصویر کے استعمال سے پیدا ہوئی ہو، یا عنوانِ اشتہار، یا نفسِ اشتہار سے پیدا ہوتی ہو، اب سوال یہ ہے کہ ترکیب اشتہار مین جو جدّت طرازیان کیجاتی ہین وہ بامعنی، اور اشیائے مشتہرہ کے حسب حال ہونی چاہئین، یا بے سروپا، جن کا کہ نفس اشتہار سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، زیادہ تر اشتہارات جو اپنی نظر سے گزرتے ہین، وہ اسی موخر الذکر قسم کے ہوتے ہین، تصاویر اگر دیجاتی ہین تو وہ ایسی کہ ان مین اور اشیاء مشتہرہ مین فی نفسہ کوئی مناسبت ہی نہین ہوتی، عبارت کی دلچسپی کا بھی یہی حال ہے، عنوانات ایسے مضحک قائم کیۓ جاتے ہین جو جالبِ توجہ تو بیشک ہوتے ہین لیکن نفس اشتہار سے کوئی تعلق نہین رکھتے، بدقسمتی سے یہ سب عیب ہمارے ہندوستانی اشتہارات مین بدرجۂ اولیٰ نظر آتے ہین، چند مثالین درج ذیل ہین،

(۱) ایک صاحب امراض خبیثہ کی دواؤن کا اشتہار دیا کرتے ہین اعنوان مین لکھا ہوتا ہے،

"مراد آباد مین مردہ زندہ ہوگیا"،

نفس مضمون کو پڑھو تو عنوان سے کوئی تعلق نہین رکھتا،

(۲) ایک صاحب ناظرین کی توجہ مبذول کرانے کے لیے عنوان مین لکھتے ہین،

"آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور پڑھیۓ"،

(۳) ایک صاحب سرمہ کا اشتہار دیتے ہین، عنوان مین یہ فقرہ ہوتا ہے:۔

"آنکھین کھل گئین جب چاند نظر آیا"،

غالباً یہ تین اشتہارات، ہندوستانی اشتہار بازون کی فن اشتہار بازی کی طرف سے لاعلمی کا کافی ثبوت ہین، اخبارات کے کالمون سے ایسے متعدد اشتہارات جمع کیے جا سکتے ہین،

مذکورۂ بالا اشتہارات، اس مین شک نہین، کہ پڑھنے والون کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہین، اور اون کی سرخیان پڑھکر ایک طرح کا خوشگوار، یا تعجب کا تاثر ضرور ہوتا ہے، مگر استمرارِ توجہ کی صلاحیت ان مین نہین ہوتی، اور متعدد بار شائع ہونا بجائے اس کے کہ ان اشتہارون کو مقبول بنائے، برعکس نتیجہ پیدا کرتا ہے، ان عنوانات کے بدلے، اگر ایسے عنوانات قایم کیے جائین جو نفس مضمون سے تعلق رکھتے ہین، ایسی عبارت استعمال کی جائے جو نفسیاتی اعتبار سے ترغیب کے جملہ عناصر اپنے اندر موجود رکھتی ہو، ایسی تصاویر کا استعمال کیا جائے جو پڑھنے والون کی ضروریات کو زیادہ واضح کرین، اور محض زینتِ اشتہار اونکا منشا نہ ہو، تو کہین زیادہ عملی فوائد حاصل ہونے کی اُمید ہو سکتی ہی انگریزی، امریکی تجارت کے فروغ کے اسباب تلاش کرو تو جہان اور بہت سے معاشی یا سیاسی اسباب نظر آئین گے وہین فن اشتہار بازی کی زیادہ واقفیت بھی ایک بڑا سبب معلوم ہوگا، جن لوگون نے گلیکسو (GLOXO) البیولکٹین (Albulactine)، اسٹیفن کی روشنائیون اور لپٹن کی چائے کے اشتہارات دیکھے ہین، وہ بتلا سکتے ہین کہ یہ سب کتنے مربوط اور مسلسل ہوتے ہین، اپنے مختلف محاسن کے اعتبار سے دوسرون کے جذبات کو کس طرح تحریک دیتے ہین،

توجہ کو برقرار رکھنے، اور لوگون کو کامیاب طور پر ترغیب دینے کی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ معمولی وسائل دلچسپی کے علاوہ اشتہارات کے ذریعہ ان خواہشات اور رجحانات سے اپیل کی جائے، جن کی تشفی اشیائے مشتہرہ کر سکتی ہون، کامیاب مشتہرین وہی ہوتے ہین جو اس گُر کو

سمجھ لیتے ہین اور اپنے اشتہار کے آغاز مین پہلے تو خواہشات کو اِس طرح اُکساتے ہین کہ اشیائے مشتہرہ کی ضرورت واضح ہوجائے اور پھر دوسرے مشتہرین کے مقابلہ مین اپنی فوقیت کا اظہار کچھ ایسی خوش اسلوبی سے کرتے ہین کہ ادعائی بیان کے بجائے لوگون کو وہ حقیقت نظر آتا ہے، مثلاً خضاب کا ایک اشتہار ہے،

"کیا تم پیری مین جوان بننا چاہتے ہو"

یہ دعویٰ تو نہین کیا جا سکتا کہ جس خواہش کو اِس عنوان کے ذریعہ تحریک دی گئی ہے، وہ کل ضعیف العمر حضرات کے قلوب مین موجود ہوتی ہے، پھر بھی کم از کم خضاب استعمال کرنے والا طبقہ اِس طرزِ مخاطبت سے ضرور متاثر ہوتا ہے، آگے چلکر خضابون کے مختلف عیوب بتائے جاتے ہین، مثلاً تیزابیت کا ہونا، یا جلد پر داغ ڈالنا، یا دیرپا نہ ہونا وغیرہ سب سے آخر مین اپنے خضاب کو اِن عیوب سے بری بتلاکر دو تین مستند ڈاکٹرون کے صداقت نامے دئیے جاتے ہین، اِس اشتہار کو نفسیاتی اعتبار سے مکمل تو نہین کہا جا سکتا، اِس کا عنوان بہت ممکن ہو کہ اکثر حضرات مین ضد (Contraniance) کا مادہ پیدا کر دے، کیونکہ گو خضاب کے استعمال کا مخفی مقصد وہی کیون نہ ہو جو عنوان مین ظاہر کیا گیا ہے، تاہم اِس خواہش کا شعور خفی سے نکال کر شعور کے سامنے لانا، مخاطب افراد کے ضمیر مین ایک طرح کی خلش پیدا کر دیتا ہے، وہ در اصل کم عمر معلوم ہونا چاہتے ہین، لیکن یہ بھی نہین چاہتے کہ کوئی اُنکی اس خواہش کو پہچانے اِس سقم کے باوجود، اِس اشتہار مین کامیاب اشتہارات کے اکثر خصائص نفسی نظر آتے ہین،

غرض کہ اشتہارات مین کسی فطری خواہش کو تحریک دینا ضروری ہی، اب دیکھنا یہ ہے کہ مختلف فطری خواہشات مین سے ایسی کون سی چیزین ہین جن مین سے مشتہرین زیادہ مدد لے سکتے ہین، امریکہ کے ایک مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر ایڈورڈ ک، اسٹرانگ (Edward. K. Strong.) نے اِس بارہ مین متعدد تجربے کیے ہین، اور ان کی بنا پر چند مفید اصولون کا استقصا کیا ہے، ایک تجربہ یہ تھا کہ اشیائے خورد و نوش کے متعلق بیس مختلف اشتہارات جمع کیے گیے، اِن بیسون اشتہارات کی نقلین پچاس

بی۔ اے کامیاب اور بی، اے کے متعلمین کے حوالہ کی گئین، اِن لوگون کو ہدایت کی گئی کہ اِن اشتہارات کو بغور پڑھین، اور ایک علیحدہ کاغذ پر ان کی ترغیبی قوت کو لکھتے جائین، یعنی یہ کہ اگر وہ خود اِن اشیاء کو خریدین تو مختلف مشتہرین مین سے کس سے خرید کرین گے جو اشتہار سب سے زیادہ ترغیب دیتا ہو اُسے نمبر اول پر رکھکر بقیہ کو علی الترتیب اوس کے نیچے درج کرتے جائین، جب یہ مختلف نتایج تجربہ کنندہ کے حوالہ کیے گئے اور اونکو جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ بغلبۂ آرا جس اشتہار کو سب سے پہلے نمبر پر رکھا گیا وہ حسب ذیل تھا،

"ہمارے یہان خورد و نوش کی جملہ اشیاء صاف ستھرے باورچی خانون مین، پاک وصاف لوگون کے ہاتھ سے صاف ستھرے برتنون مین تیار ہوتی ہین، قانون غیر آمیزش خوراک مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۶ء کے ماتحت ہماری دوکان کی گارنٹی ہوچکی ہے، ہر سال ہزارہا افراد ہمارے باورچی خانون مین آکر بچشم خود چیزون کو تیار ہوتے ہوئے دیکھتے ہین"

ڈاکٹر صاحب موصوف اِن صفات کی ترتیب جن کی بنا پر مذکورۂ بالا اشتہارات کم یا زیادہ مقبول ہوئے، درجہ وار حسب ذیل کرتے ہین،

(۱) سب سے زیادہ ترجیح پاکی وصفائی کو دیگئی،

(۲) جن اشتہارات نے طبی صداقت نامے دیے تھے اون کی مقبولیت دوسرے نمبر پر تھی،

(۳) ذائقہ اور صحت کی طرف جن اشتہارات نے اشارہ کیا تھا، اونکا نمبر تیسرا رہا،

(۴) چوتھا نمبر اون اشتہارات کا تھا جنمین کارخانون کی قدامت اور شہرت کا ذکر تھا، اور جمہوریت امریکہ کے سابق صدر روزولٹ (ROOSEVOLT) کی سفارش اور ارزانی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا،

(۵) پانچوین نمبر پر وہ اشتہارات تھے جن مین حسب ذیل، یا اونہی معنون کے دوسرے جملے

درج تھے" ہر جگہ فروخت ہوتی ہین،" "ملکی تجارت کو فروغ دو" "عظیم الشان کارخانون مین تیار ہوتی ہین" وغیرہ وغیرہ،

اِس قسم کے تجربات دلچسپ ہونے کے علاوہ سبق آموز بھی ہوتے ہین، اور اگر زیادہ بڑے پیمانے پر کیئے جائین تو اون کی بنا پر صحیح نتائج بھی مستنبط ہو سکتے ہین جو ظاہر ہے کہ تجارتی حیثیت سے بہت کچھ مفید ہون گے،

لیکن ایسے تجربات کا ایک نقص یہ ہوتا ہے کہ اُن کے استقرا مین تعمیم کا وجود نہین ہوتا، ایک محدود حلقہ کے اندر یہ البتہ صحیح ہوتے ہین، مثلاً اسی تجربہ مین دیکھو کہ اگر یہی بیس اشتہارات کسی جامعہ کے طلبہ کی بجاے فوج کے سپاہیون کے حوالہ کیئے جاتے تو مختلف صِفات کی تبویب اور ترتیب موجودہ صورت سے ضرور مختلف ہوتی، بہت ممکن ہے کہ صفائی کے بجائے رَوز ولٹ کی سفارش یا ارزانی کی صِفات ان لوگون پر زیادہ اثر کرتین، تاہم اِس قسم کے تجربات سے اتنا ضرور معلوم ہوجاتا ہے کہ غالب افرادین کونسی خواہشات قوی تر ہین، اور کونسی کمزور، اور اِسی بنا پر اشتہارات کی عمارت تیار کی جاسکتی ہی،

دوسری بات جو مذکورہ بالا تجربہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ ترغیبی پہلو کسی اشتہار مین نمایان ہوگا، اسی قدر کم احتمال اس کی کامیابی کا ہے، انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کوئی شخص ہم پر کوئی خاص اثر ڈال رہا ہے تو ان مین ایک طرح کی "ضد" پیدا ہوجاتی ہے، اور قوت ارادی کی خاص کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس اثر کو قبول نہ کیا جاوے، اسی طرح سے اشتہارات کی ترغیب بھی اُسی وقت کامیاب ہوسکتی ہی، جب یہ "بند" پیرایہ مین اور بالواسطہ دی جارہی ہو، جس اشتہار کو گزشتہ تجربہ مین اول نمبر پر رکھا گیا تھا، اِسی مین دیکھو، تو ترغیبی پہلو کہین صاف نہین نظر آتا، ہندوستانی مشتہرین، اِس اصول کو بھُلائے ہوئے ہین، اور اکثر اشتہارات ہماری نظر سے ایسے گزرتے ہین جن مین بعض اوقات قسمین تک دیجاتی ہین، اور تاکیدی عبارت مثلاً "آج ہی آرڈر دیجئیے،" "ضرور خریدئیے،" "دیکھیئے دیر نہ کیجیے ورنہ پھر موقع

ہاتھ نہ آئے گا" درج ہوتی ہے،

اشتہار بازی کا ایک جدید اسلوب جو امریکہ اور یورپ کے مشتہرین استعمال کر رہے ہین بحیثیت آلۂ ترغیب بہت کچھ کامیاب ثابت ہوا ہے، اِس طریقہ مین نہ تو غیر متعلق اور بے تکی تصویرون سے مدد لیجاتی ہے، اور نہ کوئی بے معنی عنوان قائم کیا جاتا ہے "مضمون" کی طرح ایک آدھ کالم کی مسلسل عبارت ہوتی ہے جس مین منشاء اشتہار کے مطابق کوئی علمی، سیاسی، طبی بحث ہوتی ہے، ناظر کو تاوقتیکہ پوری عبارت نہ پڑھی جائے یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے کہ یہ اشتہار ہے یا کوئی بحث، اسی سلسلہ مین عجیب بے ساختگی کے ساتھ شئے مشتہرہ کا حوالہ دیا جاتا ہے، ذیل مین اِسی قسم کے ایک انگریزی اشتہار کا (جو آئی۔ ڈی۔ ٹی لکھنؤ مورخہ ۲ مئی ۲۳ء سے لیا گیا ہے) ترجمہ درج کیا جاتا ہے،

"اگر تمھارے گُردون مین کھڑکیان ہوتین"

"تو تم دیکھتے کہ وجع مفاصل، گردہ، جگر، مثانہ، اور معدہ کے جملہ امراض انفلوانزا، شدید نزلہ، ریڑھ کا درد، ضعف وغیرہ یہ سب کی سب تیزاب کے اثر اور خون کے فساد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین،"

ڈبلو، جی، الیسٹ جو ۳۰ سال تک کیمبرج مین معلم ورزش رہ چکا ہے، کہتا ہے:۔

"بغیر خون صاف کیے ہوئے امراض کا علاج کرنا محض تضیع اوقات ہے"

یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بآسانی اس کا ثبوت فراہم کیا جاسکتا ہے کہ مختلف عضویاتی امراض، اور دیگر شکایات جسمانی، سب براہ راست جراثیم، تیزاب، زہر آلود مادہ اور دیگر فسادات کی وجہ سے رونما ہوتی ہین، مثلاً یورک ایسڈ کے اثرات سے گٹھیا اور اعصابی امراض، اور معدے کے تیزابون کے اثر سے بدہضمی پیدا ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ٹیوبر کیولاس (TUBER CLOSIS) اور معمولی زکام کے درمیانی تمام امراض مہلک صورت اختیار کر لیتے ہین تب طبیبون کو یہ فکر ہوتی ہے

کہ کسی طرح زہر کا دفعیہ کیا جائے، لیکن احتیاط کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ قبل از قبل خون کی صفائی مدنظر رکھی جائے، ہر شخص کو چاہیئے کہ وقتاً فوقتاً جگر کو تقویت پہنچا کر، معدہ اور گردونکا تنقیہ کر کے خون صاف کرتا رہے تاکہ تولیدِ جراثیم کوئی مرکز ہی نہ رہے، اور یہ خون مین سرایت نہ کرنے پاوے، خون اور نظام عضوی کو جراثیم اور دیگر فسادی مادّے سے صاف کئے ہی بغیر ازالۂ مرض کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا بغیر آگ کے بجھائے ہوئے دھوئین کو دور کرنے کی کوشش کرنا، تم اِس کا ثبوت خود فراہم کر سکتے ہو اور وہ اِس طرح کہ اپنے دوا فروش سے ایک کم قیمت دوا جس کا رجسٹری شدہ نام الکیا سالرٹیس (بہ شکل سفوف) ALKIA-SALRATES — ہے، حاصل کرو، سادے پانی کے ایک گلاس مین چمچہ بھر سفوف ملا کر پیو، دو تین دن کے استعمال کے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارے امراض رفتہ رفتہ رخصت ہو رہے ہین اور تمہاری صحت اور قوت مین بیّن اضافہ ہوتا جاتا ہے،،

اِس قسم کے اشتہارات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ استدلال سے زیادہ اپیل کی جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ کسی طرح کی ظاہری ترغیب کا پتہ نہین چل سکتا، اور ضد پیدا ہونے کے بدلے اثر زیادہ ہوتا ہے،

اشتہار بازی کا جدید ترین طریقہ بائسکوپ کا استعمال ہے، مشین کے ذریعہ متحرک تصاویر پردہ پر دکھائی جاتی ہین، مثلاً لپٹن کی چائے کے اشتہارات بائسکوپ مین اِس طریقہ پر دیئے جاتے ہین کہ پہلے دوکان کی تصویر نظر آتی ہے، پھر کچھ لوگ آکر دوکان مین بیٹھتے ہین تھوڑی دیر مین چائے تیار ہو کر اون کے سامنے آتی ہے جس کو پی کر وہ بہت محظوظ ہوتے ہین، سب کچھ ہو چکنے کے بعد کرۂ ارض کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص لپٹن چائے کی پیالی پھینکتا ہے، جو کرۂ ارض پر پھیل جاتی ہے، جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ تمام دنیا مین اِس کی طلب ہے، پھر یہ عبارت لکھی نظر آتی ہے:-

"لپٹن کی چائے بہترین چائے ہوتی ہو"

اس طریقۂ اشتہار بازی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ناظرین سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہین اور پھر متحرک تصاویر کی وجہ سے تفریح اور مسرت کا تاثر پیدا ہوتا رہتا ہے،

کامیاب اشتہارات کی جو کچھ خصوصیات اوپر بتائی گئی ہین، ان کے علاوہ ایک ورضروری شرط اون کی کامیابی کی یہ ہے کہ اُنھین متعدد مرتبہ شائع کیا جائے تاکہ ہر شخص اِنھین پڑھ سکے، اور بار بار پڑھے؛ جب تم متعدد مرتبہ ایک ہی اشتہار کو دیکھتے ہو، اور تار کے ستونون پر، مکان او دیوار ونیز اخبارات کے کالمون اور ریل کے ڈبون مین سب جگہ تم کو وہی ایک مضمون، اختلافِ عبارت کے ساتھ نظر آتا ہو، تو تحسّس ادراک کی حالت سے گزر کر یہ اشتہار بھی جزوِ نفس بنجاتا ہے اور کبھی نہ کبھی تم اِس سے متأثر ضرور ہوتے ہو، تکرار سے کسی شے کے جزوِ نفس بنجانیکی عام ترین مثال یہ ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی شے تمھارے کمرہ مین ہمیشہ ایک مقام پر رکھی جاتی ہو، اور تمھاری لاعلمی مین وہ وہان سے ہٹائی جائے تو خواہ تم کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، تمھارے نفس مین ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے، ایک طرح کے خلار کا احساس ہوتا ہو، یہ احساس اس امر کی دلیل ہو کہ وہ چیز بتکرار ایک ہی مقام پر موجود رہنے سے، تمھارے شعور مین سرایت کر گئی تھی، مبلّغین کا بار بار کسی خیال کا اظہار کرنا اِسی مصلحت سے ہوتا ہے، عام مقولہ ہے کہ "کہنے سننے سے دیوارین ٹل جاتی ہین"، اسی حقیقت کے ایک رُخ کو ظاہر کرتا ہے،

ترغیب کی دیگر اقسام کی طرح، اشتہارات کا استعمال بھی ناجائز طور پر کیا جاسکتا ہو، سیاسی اُمور مین اشتہارات کی باطل ترین ترغیبین بہت کچھ عام ہین، اونکا استعمال زیادہ تر، افراد کی دماغی کمزوریون یا دیگر نقائص طبعی سے فائدہ حاصِل کرنے کے لیئے کیا جاتا ہے، تجارتی اشتہارات مین بھی یہی عیوب ہوسکتے ہین،

ہندوستان مین "اشتہاری دوافروشون" کی بدنامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، ان مین سے اکثر افراد ناکارہ اشیاء فروخت کرکے فائدہ حاصِل کرنا چاہتے ہین اور تجارت مین خوش معاملگی سے کام نہین لیتے،

ظاہر ہے کہ جن لوگون کی نیت یہ ہو وہ ناجائز وسائل کے استعمال سے گریز نہ کرین گے، زائد سے زائد تعداد کو اپنے قبضہ مین لانے کی غرض سے یہ حضرات ادنیٰ درجہ کے جذبات کو مشتعل کرنا بھی معیوب نہین سمجھتے، قانونی بندشون کی موجودگی مین بھی بعض اوقات فحش ترین اشتہارات ہماری نظرون سے گزرتے ہین، کم سمجھ لوگون سے سندِ قبولیت حاصل کرنے کے لیئے محض یہ لکھنا کافی خیال کیا جاتا ہے، کہ "فیشن حال کے مطابق ہے"، کبھی کبھی انتہائی مبالغہ سے بھی کام لیا جاتا ہے، سنسنی پیدا کرنے والے الفاظ مین اشتہار دینا اشتہار بازی کا بہترین اسلوب خیال کیا جاتا ہے، ہم ذیل مین ایسے اشتہارات کی چند مثالین درج کرتے ہین، واضح رہے کہ یہ خالص علمی بحث ہے، ذاتیات سے بحث کرنا مقصود نہین،

(۱) خون سے بچیئے

یعنی ہمارے یہان کے نئے ریکارڈ سنکرو دل خوش کیجیئے،

(۲) بڑے دن کو خون ہوگا،

گراموفون کے ریکارڈ و دن کا اشتہار،

(۳) یورپ اپنے گھر مین رہے،

مصر کے کسی بزرگ کی تصنیف "مستقبل الاسلام" کا اشتہار ہے،

(۴) زارِ روس کی ہتھکڑیان،

رسائل شیخ سنوسی کے ترجمہ کا اشتہار ہے،

(۵) ہندوستان مین جہاد،

محمود کی تاختِ ہند اور حملۂ سومنات کے متعلق ایک کتاب کا اشتہار ہے،

مذکورۂ بالا اشتہارات کی سرخیان نفسِ مضمون سے جو کچھ ربط رکھتی ہین ظاہر ہے، اِن سے صرف جلبِ توجہ مقصود ہے، اور اِس مین شک نہین کہ ان پر نظر پڑتے ہی طبیعت مین ایک طرح کا انتشار

آمیز شوق پیدا ہوتا ہے، لیکن دوسری سطر پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ ہنسی آتی ہے، اور ترغیب کے بدلے تنفر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ذیل کی مثال سے واضح ہوگا کہ اس قسم کے اشتہارات جلبِ منفعت کے لیے کس طرح دیئے جاتے ہین،

ہندوستان مین طاعون

ڈاکٹرون نے پیشین گوئی کی ہے کہ عنقریب طاعون بہت شدت کے ساتھ پھیلنے والا ہے، لوگونکو چاہیئے کہ قبل از قبل الخ .... (کم فہم لوگون کا اس دھوکہ مین آجانا، اور مشتہرہ دوا خریدنا مقام تعجب نہین ہوسکتا)

اشتہارون مین مذکورۂ بالا عیوب کی موجودگی کی ایک اہم وجہ سامانِ طباعت کی گرانی، اور اشتہارات کے بڑھے ہوئے نرخ ہین، کچھ تو اس وجہ سے کہ اشتہار بازی کو محض ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے اور زیادہ تر قلتِ گنجائش کی وجہ سے مشتہرین اس بات پر مجبور ہوتے ہین کہ کم سے کم جگہ مین اپنے مطلب کو ادا کرین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلائل و براہین کے استعمال سے قاصر رہ کر، مبالغہ آمیز متوحش عبارت کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ گنجائش بھی کم لیجائے اور (ان کے غلط خیالات کے مطابق) اثر بھی زیادہ ہو، اشتہارات مین غلط بیانی، مبالغہ، بے سروپا تصاویر، بے تکے عنوانات وغیرہ کا وجود اسی سبب سے ہوتا ہے،

مذکورۂ بالا وجہ کے علاوہ ایک اور وجہ آجکل کی شدید مسابقت ہے، اگر بیس برس قبل کے اشتہارات کا آجکل کے اشتہارات سے مقابلہ کرو تو مؤخر الذکر مین تم کو ان عیوب کا رنگ زیادہ گہرا نظر آئے گا، اسکی وجہ ظاہر ہے، تمدن کی ترقی، ضروریات کی کثرت، اور وسائلِ آمد و رفت کی سہولتون نے مختلف ممالک کی تجارت گاہون کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا ہے، چونکہ خریدارون کا حلقۂ انتخاب وسیع ہوگیا ہے لہذا ہر مشتہر اسی فکر مین رہتا ہے کہ دوسرون پر اپنے تفوق کا اظہار کرے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو ذرایع بھی کام دیسکین، استعمال کرے، زمانہ کا رنگ بتا رہا ہے کہ آیندہ اس سے بھی سخت

مقابلہ ہوگا اور ممکن ہی کہ اشتہارات کی مُبالغہ آمیزی، فریب دہی اور کثرت بھی اب سے کہین زیادہ ہوجائے،

ہندوستان کے مشتہرین اس وقت تک کامیاب نہین ہوسکتے، جب تک کہ وہ اشتہار بازی کو علمی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ ہون، اس مخصوص بحث پر مضامین اور کتب کی ضرورت ہی، نفسیات کا ذوق رکھنے والے حضرات محولۂ بالا تجربہ کی طرح بہت سے مفید تجربات کر سکتے ہین، اور اس طرح سے نہ صرف ایک مفید علمی مقصد بلکہ بالواسطہ ہندوستان کی تجارت کو بھی مدد دے سکتے ہین،

ہمارے ہندوستانی مشتہرین جو اشتہار بازی کے پیش پا افتادہ اُصولون سے بھی ناواقف ہین، شاید یہ سنکر تعجب کرین کہ دیبلے کی عظیم الشان نمایش مین جہان اور بہت سے شعبے اور محکمے قایم ہین وہان اشتہار بازی کا بھی ایک مستقل شعبہ ہے جو "بین الاقوامی مجلس اشتہارات" (INTER NATIONAL ADVERTISIM CONVERTION) کے نام سے موسوم ہے، ابھی حال ہی مین اس مجلس کا ایک اجلاس ہوا ہے، جس مین تمام دنیا کے مشاہیر تجار و دیگر سربرآوردہ اصحاب کے روبرو ہندوستان مین یورپی اشتہار بازی کے متعلق تقریرین ہوئین، اِن تقریرون مین اگرچہ اشتہار بازی کے نفسیاتی اُصولون سے کوئی بحث نہین کی گئی، پھر بھی ایسی باتون پر بحث کی گئی جو شاید ہندوستانی اور خصوصاً اُردو مشتہرین کے لیئے خالی از منفعت نہ ہون، اِن تقریرون کے ضروری اقتباسات اپنے خیالات کے ساتھ پیش کیے جاتے ہین، ان سے ہمارے یہان کے مشتہرین کو معلوم ہوجائے گا کہ ہندوستان مین مغربی تجارت کی کامیابی مین اور اُن کی کامیاب اشتہار بازی کا کہان تک دخل ہی وہ لوگ اشتہارات مین کِن اُصولون کو مدنظر رکھتے ہین،

سب سے پہلے مسٹر ڈینی کیمبر نے ہندوستانی بازارون کی حالت پر تبصرہ کیا، ان کی یہ رائے نہایت صحیح ہے کہ دوسرے ممالک کی بہ نسبت ہندوستان مین اشتہارات کی کامیابی کے بہت زیادہ مواقع ہین، اِس کی وجہ یہ ہی کہ یہان کے بائع، دوکانداری اور نمایش اشیا کے اصولون سے ناواقف ہین

دوسرے درجہ کے شہرون کا تو ذکر ہی کیا، بڑے بڑے تجارتی شہرون مین بھی بہت کم ایسی ہندوستانی دوکانین نظر آئین گی جہان کہ اشیاء کو خوشنما اور جالب توجہ طریقہ پر سجایا جاتا ہو، "shop — windows" (دریچہ ہائے دوکان) جو ہر انگریزی دوکان کا ضروری جز و خیال کیجاتی ہین، ہماری نظرون مین کوئی اہمیت نہین رکھتین، اِس کا راز اگر ایک طرف ہماری تجارتی پستی مین مضمر ہے، تو دوسری طرف ہندی بلکہ ایشیائی فطرت بھی اِس کی بڑی حدتک ذمہ دار ہے، ہماری فطرت سادگی پسند ہے، اور تجارت مین نمایش سے اِتنی ہی دور دور رہتی ہے جتنی کہ زندگی کے اکثر شعبون مین، اِس مین شک نہین کہ مغربی اُصولون کے تصادم سے یہ بات رفتہ رفتہ مِٹتی جارہی ہے، لیکن اب بھی کم از کم ساٹھ فیصدی تاجر اور دوکاندار ایسے نظر آتے ہین جو یا تو بازارون مین سڑکون پر اپنا بساطخانہ پھیلائے ہوئے بیٹھے رہتے ہین، یا پھر اپنی دوکان کے اندر ایک عجیب بے نیازی کے ساتھ بیٹھے یا لیٹے نظر آتے ہین، اور اپنی کساد بازاری کو خریدارون کے فقدانِ مذاق پر محمول کرتے ہین، اور یہ نہین سمجھتے کہ اِس دورِ مسابقت نے گاؤن یا شہرون کے حدود کو توڑ کر تمام عالم کو مدمقابل کر دیا ہے، اور آجکل "مشک کی خوشبو" کے علاوہ عُطار کی یاوہ گوئی" کا بھی تجارت کی کامیابی مین بہت بڑا دخل ہو گیا ہے،

دریچون کی نمایش کے علاوہ، اشتہار بازی کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے کاغذون پر جلی قلم سے اشتہار لکھکر شہر کے متعدد حصون مین اسے چسپان کیا جائے، بڑے بڑے شہرون مین ہمین اس قسم کے "پوسٹر" نظر آتے ہین، لیکن اِن سے بھی پوری طرح فائدہ نہین اُٹھایا جاتا، ان مین سے اکثر تو کھیل، بائسکوپ وغیرہ کے اشتہارات ہوتے ہین، اور اگر کسی چیز کے متعلق کبھی اشتہار دیا جاتا ہے تو وہ ایسا مضحک اور بے سروپا ہوتا ہے کہ خریدارون کی احتیاج مین شدت پیدا کرنا تو درکنار، اس سے اولٹا تنفر پیدا ہوتا ہے، کسی اشتہار مین جلی قلم سے "خوشخبری" لکھا ہوا ہوتا ہے، اوس کے نیچے کسی نئی دوکان کے قائم ہونے کی اطلاع ہوتی ہے، کہین بڑے بڑے حرفون مین "مفت، مفت، مفت"،

لکھا ہوا نظر آتا ہی، پوسٹر اشتہارات کی عبارت ایسی ہونی چاہیئے کہ جتنی مرتبہ انھین پڑھا جائے، اتنا ہی وہ اپنی مختلف ترغیبی خصوصیات کی بدولت زیادہ جزو نفس بنتے رہین اور اندر ہی اندر خریدارون کی خواہشات کو اکساتے رہین، انگریزی مشتہرین نے گلی کوچون مین اشتہار بازی کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ لوہے کی روغنی چادرون کا استعمال کرتے ہین، اور انھین شہر کے ممتاز مقامات، مثلاً اسٹیشن، چوراہے، باغ وغیرہ مین آویزان کر دیتے ہین، اگر ان چادرون کا استعمال ایک طرف اپنی قیمت کی وجہ سے بے سروپا اشتہار بازی کو روکتا ہے، تو دوسری جانب یہ زیادہ پائدار بھی ہوتی ہین، اور پوسٹرون کی طرح موسمی تغیرات کا اثر اس پر نہین ہوتا، میلنس فوڈ۔ Mellins food پیرس سوپ (Pears soap) اسٹیفن کی روشنائیان، غرضکہ متعدد چیزون کے اشتہارات ہمین انھین چادرون پر لکھے ہوئے نظر آتے ہین، لیکن کسی ہندوستانی مشتہر کی طرف سے ایسا ایک بھی اشتہار ہماری نظرون سے نہین گذرتا، اِس کی وجہ یہ ہے، کہ ایک طرف تو اخراجات کی زیادتی انھین ان آہنی ٹکڑون کے مستقل فوائد نہین دیکھنے دیتی، علاوہ ازین وہ اپنے انوکھے، جالب توجہ اور مضحکہ خیز اشتہارات کے لیئے اِن کو موزون نہین پاتے، کیونکہ اِن کو ہمیشہ "نئی سرخیون" کی فکر رہتی ہے، مسٹر کیمر کی رائے مین، اِن روغنی ٹکڑون کا استعمال اِس وجہ سے نہین ہوتا کہ:-

"عام طور پر، ادنیٰ درجہ کے ہندوستانی اِن ٹکڑون کو اپنی دیوارون کی زیبایش یا چھتون مین لگانے کی غرض سے چرا لیا کرتے ہین"

اس رائے کے متعلق ہم صرف اِس قدر کہہ سکتے ہین کہ یہ ایک انگریز کی رائے ہے، جسے وہ ہندی اخلاق کی پستی سے تعبیر کرتے ہین، اور سے ہم صرف ہندی مشتہرین کی لاعلمی کا نتیجہ سمجھتے ہین، تعجب ہے کہ انگریزی مشتہرین کی طرف سے جو روغنی چادرین شہر کے مختلف حصون مین آویزان کیجاتی ہین، انھین کیون نہین چرایا جاتا!

ہندوستان مین جہان زندگی کے دوسرے شعبے، مذہب، رسم ورواج، ذات اور روایات کے پیچیدہ اثرون کے تابع ہین، اسی طرح خرید وفروخت، تجارت وغیرہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکین، مثلاً اکثر ذاتین خاص خاص اشیائے خورد ونوش کا استعمال مذہبًا ناجائز سمجھتی ہین، یہی وجہ ہے کہ یہان اِن چیزون کے اشتہارات زیادہ کامیاب نہین ہوتے اور دوسری اشیاء کے اشتہارات مین بھی اِس کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ یہ کسی ذات یا فرقہ کے حسیات کے خلاف نہ ہون، تعجب و افسوس کی بات ہے کہ اِس معاملہ مین مغربی مشتہرین، ہندوستانی اشتہار بازون سے زیادہ ہندوستانی فطرت کو سمجھے ہوئے ہین، ایک انگریز مقرر کے الفاظ سنو،

"یورپ مین اشتہار بازی، ہندوستان کی بہ نسبت کہین زیادہ آسان ہے، ذات کی تفریق، رسم ورواج، مختلف اقوام کا مختلف خوراک سے پرہیز کرنا، اِن سب باتون کی وجہ سے کچھ وہی ہندوستان کے لیے موزون اشتہار تیار کر سکتے ہین جو وہان کا تجربہ اور مقامی حالات سے واقفیت رکھتے ہون،،

اشتہارات وہی کامیاب ہوتے ہین جن کے تیار کرنے والے انسانی فطرت، اس کی خوبیون اور کمزوریون سے واقف ہون، اور عملی نفسیات کی واقفیت کے ساتھ ساتھ وسیع نظر بھی رکھتے ہون، اور نوعی اور انفرادی اختلافات طبائع کو بھی پیش نظر رکھتے ہون، عام طور پر نفس انسانی بے شمار داخلی محرکات کے زیر اثر ہے، لیکن انہی محرکات مین سے بعض ایسے ہین جن کا اثر کسی ایک قوم مین دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دیکھنے مین آتا ہے، اپنے گذشتہ صفحات مین ہم نے اِن نفسیاتی خصائص سے بحث کی تھی جن پر اشتہار کی ترغیب منحصر ہے، لیکن کیا ہمارے مشتہرین اِن سے واقف ہین یا ان پر عمل کرتے ہین؟ وہ صرف یہ کوشش کرتے ہین کہ اشتہارات پر "نظر پڑ جائے"، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے "عجائب پسندی"، کے فطری شوق سے کام لیتے ہین، اور صرف "عنوان"، اور "سرخیون"، کے درپے رہتے ہین، اب

تھوڑی دیر کے لیئے یہ مان بھی لیا جائے کہ "عجائب پسندی کا شوق" مشرقی اقوام مین مغربی قومون کی بہ نسبت زیادہ ہی، پھر بھی صرف یہی ایک محرک اشتہار کی کامیابی کا ضامن نہین ہو سکتا، اِس شوق سے کام لیکر ہم ناظرین کے ذہن مین کسی سلسلۂ خیالات کا آغاز ضرور کر سکتے ہین، لیکن اِس کے استمرار کی بھی کوئی سبیل ہونا چاہیئے ؛ اِس حقیقت کو ابھی تک نہین سمجھا گیا ہے، مثلاً سطوت، یا شخصیت کے اثر ہی کو لو، ہر قوم اِن سے متاثر ہوتی ہے، لیکن نسبتہً ان کا چرچا ہندوستان مین زیادہ ہے، دوسرے ممالک کے مقابلہ مین یہان نام زیادہ بکتا ہے، اگر ایک مرتبہ عوام کی نظرون مین کسی کا اعتبار قائم ہو جائے تو اسکو آسانی کے ساتھ شہرت دوام حاصل ہو جاتی ہے، "راجرس" (Rodgers) کے چاقو چھریان، ہنکس کے لیمپ، ڈیٹز کی دستی قندیلین (Lanterns) لپٹن کی چائے "ہاتھی چھاپ" کاٹی کا تیل، ولیٹ اینڈ کمپنی کی گھڑیان، یہ سب کی سب اِس مرتبہ کو پہنچ چکی ہین، اِس کے برخلاف اگر ایسے ہندوستانی مشتہرین کو تلاش کرو جو ان ہی کی طرح مشہور و مقبول ہو چکے ہون تو تمھین معدودے چند مثالین نظر آئین گی، کیمر صاحب ہندی فطرت کی اِس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہین،

ہندوستان کے متعلق میرا تجربہ یہ ہی کہ وہان انگلستان کی طرح فوری اثر تو نہین ہوتا، لیکن نتائج ضرور دیرپا ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے ہندوستان مین ایک دفعہ "بھوار" کا قایم ہو جانا انگلستان کے اتنے ہی بڑے "بھوار" سے کہین زیادہ مفید ہوتا ہے، قدیم زمانے مین ہندوستان مین راجرس کے چاقو اور چھریان بہت کچھ مشہور ہوئے تھے اور بساطون کے لئے ایسی چیزون کو "راجرس" کے کارخانہ بتلا کر بیچنا بہت آسان تھا، جو اس کے کارخانہ مین کبھی تیار بھی نہین ہوئین، مثلاً انگریزی ٹوپیان! ہندوستان مین کسی اچھے نام کو دیکھکر، اوس کے ساتھ چمٹ جانے، کی ایک ادنیٰ مثال ہی،

کیا ہمارے ہندوستانی مشتہرین، ہندی فطرت کی اِس خصوصیت سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے، اگر وہ با اُصول اور صداقت آمیز تجارت و اشتہار بازی سے ایک دفعہ اپنا وقار قایم کرلین، تو ان کو روز روز عجیب وغریب اشتہارات دینے کی ضرورت نہ ہو،

دیہلی کی "بین-قومی مجلس اشتہارات،، اِس غرض سے قایم ہوئی ہے کہ تمام ممالک مین اخباری اشتہارات کی اِصلاح کرے، یہ مجلس فن اشتہار بازی کے متعلق ایک کتاب کی ترتیب بھی کر رہی ہے، جو ابھی تک شائع نہین ہوئی ہے، ان لوگون کے لیئے جو نفسیات سے واقف نہین ہین، یہ کتاب بہت مفید ہوگی، کیا ہمارے یہان کے مشتہرین اب بھی پرانی روش پر پڑے رہین گے، اور بالواسطہ، ہندوستانی تجارت کو نقصان پہنچاتے رہین گے، ضرورت ہے کہ اُردو اشتہارات کو بھی اون کی موجودہ سطح سے بلند کیا جائے اور زمانہ کی بدلی ہوئی حالتون کے اعتبار سے اِنھین بھی بدلا جائے، کِسی زمانہ مین انگریزی اشتہار مین بھی "غوغائیت" [1] (Barnumisim) کا دور دورہ تھا، آج کل کے ہندی اشتہارات کی طرح کبھی انگریزی اشتہارات بھی اپنی بلند آہنگی کے لیئے مشہور تھے، اڈنبرا کا ایک واقعہ ہے کہ وہان کِسی بازار مین ایک مصور نے اپنی دوکان قایم کی اور اس پر لکھدیا:-

---

"یہان اڈنبرا مین سب سے زیادہ اچھی تصویرین تیار کی جاتی ہین،،

اتفاق سے دوکان کو خوب فروغ ہوا، ایک اور مصور نے بھی وہین اپنی دکان کھولی، اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لیئے اس پر یہ لکھوایا:-

---

[1] فی نیاس، ٹیلر، بارنم (۱۸۱۰ء سنہ لغایت ۱۸۹۱ء) ایک امریکی "مستمد" (Showman) تھے تجارت مین لسانی شور اور ہنگامہ آرائی کے سب سے پہلے مؤید تھے، اِنھین چیزون کو وہ تجارت کی کامیابی کا راز سمجھتے تھے، اِن کا اصول تھا کہ جو جب سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ اپنا مال مشتہر کرے گا، وہی سب سے زیادہ کامیاب ہوگا لفظ بارنمزم (BARNUMISM) انھین کے نام سے مشتق ہے ہمنے بجائے "بارنمیت" کے "غوغائیت" کو زیادہ پسند کیا، ۱۲ وہاج الدین،

"یہان تمام انگلستان سے اچھی تصویرین تیار ہوتی ہین"

اِن دونون کے چلتے ہوئے کاروبار کو دیکھکر ایک اور مصور نے بھی وہین دکان کرایہ پر لی اور عجیب ظریفانہ انداز مین اپنے پیشرودن پر اپنی برتری کا اظہار کیا، اِس نے صرف یہ عبارت استعمال کی،

"یہان اِس گلی مین سب سے اچھی تصویرین بنائی جاتی ہین"

لیکن آج کل اسم صفت کا استعمال پہلے کی طرح فراخ دلی کے ساتھ نہین ہوتا، اور ہو بھی کیسے سکتا ہے' اِس قسم کے مشتہر نہ صرف بدنام ہوتے ہین، بلکہ عام طور پر لوگون کو اشتہارات کی طرف سے بدظن کر دیتے ہین' چنانچہ ہمارے یہان اشتہاری کا لفظ عموماً تحقیر کے لیئے مستعمل ہوتا ہی، جیسے اشتہاری حکیم، یا اشتہاری دوا، اشتہاری مدرسہ وغیرہ،

آج کل تجارت، اور اشتہارات کی کامیابی کے لیئے صداقت بہت ضروری ہے، لنکان (Loncon) کا قول ہے:-

"تم کچھ لوگون کو ہمیشہ بے وقوف بنا سکتے ہو، اور سب لوگون کو تھوڑے عرصہ کے لیئے دھوکہ دیسکتے ہو، لیکن تم ہمیشہ سب لوگون کی آنکھ مین خاک نہین ڈال سکتے"

بڑے بڑے تجار جیسے ٹامس بیرٹ (پیر سوپ کے کارخانہ کے مالک) اب آجکل اِس کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہین کہ کوئی غلط بیان نہ درج کیا جائے، اب رفتہ رفتہ اشتہار بازی کو بھی قعر مذلت سے باہر نکالنے کی کوششین ہو رہی ہین تاکہ لوگون کو مشتہرین کی خوش معاملگی کا تجربہ ہو جائے، اور اخباری اشتہارات کی طرف سے ان کا سوءظن جاتا رہے، ویمبلے کی مجلس اشتہارات نے جن اصولون کو مدنظر رکھکر اس اصلاح کی کوشش کی ہے، وہ اگرچہ مفصل طور پر اُسی وقت معلوم ہو سکین گے جبکہ اون کی مکمل روئداد شایع ہو تاہم مجملاً وہ حسب ذیل ہین،

۱- اشتہار اس اعتماد کا مظہر ہوگا جو کسی مشتہر کو اپنے مشتہرہ اسباب کی عمدگی پر ہوا کرتا ہے،

گویا کہ تقریبی حیثیت سے قطع نظر اس کی حیثیت آیندہ ایک ایسے صداقت نامہ کی سی ہوگی جو عام طور پر قابل قبول ہو،

(۲) یہ دیانت اور صدق نیت کا ضامن ہوگا، اگر کوئی اشتہار ایسا نہ ہو تو اس کے مشتہر کو ضرور ناکام رہنا پڑے گا،

۳- اشتہار کا کام یہ ہوگا کہ وہ لوگون مین "طلب" پیدا کر کے بڑے پیانہ پر تیاری اشیاء کا محرک ہو،

۴- اشتہار بازی کی ایک مین، قومی مجلس کے قیام سے لوگون مین ایک طرح کا اعتماد ہوگا، اور مجلس کی کوشش یہ ہوگی کہ اس اعتماد مین روز بروز اضافہ ہوتا رہے،

یہ ہین وہ اُصول جن کی اشاعت کا ذمہ دیبلے کی مجلس نے لیا ہے، کیا ہندوستانی مشتہرین بھی اس قسم کی مجلس کا خواب دیکھ سکتے ہین، ہم اسے ناممکن نہین سمجھتے، لیکن انفرادی اصلاح اور بیداری کے بغیر اس قسم کی مشترکہ جد وجہد دشوار ضرور ہے، ہم بشرط فرصت اس چیز کے متعلق اپنے خیالات عنقریب ایک کتاب کی صورت مین پیش کرین گے السعی منی والاتمام من اللہ،

اخبارات، **اشتہارات کی** ترغیب جن اصولون کی بنا پر ہوتی ہے اور جن طریقون سے اس کا ناجائز استعمال کیا جا سکتا ہے، ان سب کا اطلاق صحت کے ساتھ اخبارات کی ترغیب پر بھی ہوسکتا ہے، اس موقع پر ان کا اعادہ نہ کیا جائے گا اور صرف انھین باتون سے بحث کی جائیگی جو اخبارات کی ترغیب کے لیے مخصوص ہین،

اخبارات کا وجود ہماری موجودہ زندگی کی ضروریات مین سے ہے، بے شمار فوائد سے ہم انکار نہین کرسکتے، آلۂ ترغیب کی حیثیت سے دیکھو، تو اون کا حلقۂ اثر بہت بڑھا ہوا ہے، نشر واقعات کے علاوہ عوام الناس کے سامنے مسائل حاضرہ پیش کرنا، اور اون کو کسی نہ کسی خیال کی تائید پر اُبھانا

یہ بھی چندان معیوب نہین کہا جا سکتا، یہ سب کچھ تو ہی لیکن اگر تصویر کے دوسرے رُخ پر نظر
ڈالو، اخبارات کی باطِل ترغیب کے طریقے دیکھو، تو تمھین اون مین یہ خرابیان اشتہارات سے بھی
کھین زیادہ نظر آئین گی ٗموخرالذکر مین قلت گنجایش، مختصر عبارت چاہتی ہے، لیکن اخبارات مین سنسنی خیز
واقعات کے علاوہ، غلط استدلال اور ناقص تمثیلات سے کام لیکر ترغیب باطل کا حلقۂ اثر
زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہی، جماعتون کی باطِل ترغیبات کے کرشمے بھی اون مین نظر آتے ہین،

ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے اخبارات حقیقی معنون مین ہندوستان کے اخبارات
کہے جا سکتے تھے، اور کُل ملک کے متحدہ نقطۂ خیال کو ظاہر کرتے تھے، لیکن فرقون کے (سیاسی اور
مذہبی) وجوہ نے اِس چیز کو باقی نہ رکھا، جیسے جیسے کہ افراد آزاد خیالی سے دست بردار ہوکر مخصوص
حلقون مین سمٹتے گئے، ویسے ویسے اخبارات بھی خاص خاص فرقون کے خیالات کی نمایندگی کرنے
لگے، حتیٰ کہ آج اِس وسیع ملک مین ایک اخبار بھی ایسا نہین ہے جسے حقیقی معنون مین متحدہ
ہندوستان کی آواز کہا جا سکے، برخلاف اِس کے ہم دیکھتے ہین کہ ہر اخبار نے ایک خاص حلقۂ اثر
اور ایک مخصوص نقطۂ خیال کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے، اور اوس کے وجود کا انحصار اِس پر ہے کہ
جب کبھی آزادانہ اظہار رائے کی ضرورت ہو، تو اپنی پارٹی کا گراموفون بنے، اور اوسی کے خیالات کو
ظاہر کرے، لبرل پارٹی کا اخبار، ماڈریٹ پارٹی کا اخبار، سوراج پارٹی کا اخبار، غرضکہ اسی طرح
فرقہ وار اخبارات نظر آتے ہین،

ہر اخبار کا اصلی طغرائے امتیاز یہ ہونا چاہیے کہ مسائل متنازعہ فیہ پر آزادانہ اظہار خیال
کرے، ہمارے یہان کے اخبارات اپنے اغراض و مقاصد مین سب سے پہلے اِسی آزادانہ اظہار خیال
کا دعویٰ کرتے ہین، لیکن آزادانہ اظہار خیال سے مراد کیا ہے، ظاہر ہے کہ صرف گورنمنٹ کے مقابلہ
مین آزادی کے ساتھ رائے دینا اس مقصد پر حاوی نہین ہے، اِس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ

ہر مسئلہ پر، صداقت کا پہلو ہاتھ سے نہ دیکر، استدلال اور متانت سے بحث کی جائے، پھر دیکھو کہ فرقہ وار اخبارات کہان تک یہ کرتے ہین؟ اپنی جماعت کے خیالات و معتقدات کی روشنی مین کسی مسئلہ کا حل نہ تو آزادانہ، کہا جا سکتا ہی، اور نہ مبنی بر صداقت، ایسے اخبارات کی ترغیب بالکل وہی اثر کرتی ہی جو جماعات کی باطل ترغیب، اور جس سے ہم تیسرے باب مین مفصل بحث کر چکے ہین، ایسے اخبارات بھی ہین جن کو اس بیان سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہی،

ہندوستان مین تو خیر ابھی نہین لیکن امریکہ مین اور یورپ مین اخبارات کی حیثیت بالکل تجارتی ہو گئی ہی، اگر کوئی اخبار کسی سرمایہ دار پارٹی کا ترجمان ہی، تو صرف اِسی جماعت کی آرا کی ترجمانی کو اپنا فرض سمجھتا ہے، مضامین کے طبع کرنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِن کا شایع کرنا کمپنی کے ڈائرکٹرون کے خلاف تو نہ ہوگا، بعض وقت یہ ہوتا ہی کہ کوئی ذی اثر اقتدار پسند شخص کئی اخبارات خرید لیتا ہے، اور اون سے اپنے منشا کے مطابق کام لیتا ہی، اخفا واقعات مین بھی تامل نہین کیا جاتا، غلط بیانیان بھی ہوتی ہین، لارڈ نارتھ کلف (LORD NORTHCLIFFE) جن کا انتقال ۲۲ء مین ہوا ہی، انگلستان مین خبرون کے بادشاہ کہلاتے تھے، تین سربرآوردہ اور کثیر الاشاعت اخبارات اُن کی مِلک تھے، جو اون کی مرضی کے موافق ہر مسئلہ پر عوام الناس کی رایون کو متاثر کرتے تھے،

کبھی یہ ہوتا ہی کہ متعدد اخبارات متحد ہو کر کسی خاص مقصد کی اشاعت کو اپنا فرض بنا لیتے ہین، اِس کے اثر سے ابھی تک ہندوستان بچا ہوا ہی، لیکن اخبار فروشی، یہان بھی ہوتی ہی، اخبارات ایک مالک، کے قبضہ سے نکلکر دوسرے کے قبضے مین برابر منتقل ہوتے رہتے ہین، اِس کا لازمی نقصان یہ ہی کہ ان مین بیکرنگی، اور ان کی پالیسی مین یکسانیت کا فقدان ہوتا ہے، یہ چیزین مختلف مالکون کے ساتھ ساتھ

[1] باب ہشتم مین لارڈ چیمبرلین کی ایک تقریر کے اقتباسات دیئے گئے ہین انکا مطلب لارڈ نارتھ کلف ہی سے تھا، مؤلف

بدلتی رہتی ہین، تجارتی نقطۂ نگاہ سے دیکھو توکسی اخبار کے اِس طرح فروخت کیئے جانے پر کوئی اعتراض نہین کیا جاسکتا، لیکن کسی قوم کی دماغی ترقی کے اعتبار سے، یہ شرح وبیع قابل تعریف نہین معلوم ہوتی، بازار طباعت مین آزادی رائے کا سودا کچھ خوش نہین آتا،

اخبارات کی خانگی اور ذاتی ملکیت تو جو عیوب رکھتی ہی وہ ظاہر ہے، لیکن جب کبھی کوئی حکومت اپنے ملک کے پریس کو اپنے قبضۂ اختیار مین لے لیتی ہی، تو اِس سے بھی زیادہ مُضر نتائج نما ہوتے ہین، سب سے پہلی بات تو یہ ہی کہ عوام الناس فطرتی طور پر بدظن ہوجاتے ہین، اخفائے واقعات کتمانِ حق، یک طرفہ اظہار رائے، یہ سب عیوب پیدا ہوجاتے ہین، اور حاکم و محکوم کے تعلقات مین فرق پیدا کردیتے ہین، انڈین پریس ایکٹ کے نفاذ نے ملک مین جو بے چینی پیدا کردی تھی وہ ہر شخص جانتا ہے، ہمارے یہان کے سرکاری اور نیم سرکاری اخبارات کو عام رائے جس نظر سے دیکھتی ہی وہ بھی محتاج بیان نہین، ایک خاص طبقہ سے قطع نظر، بقیہ تمام ہندوستان اِن اخبارات کی خبرون کو بلا تصدیق مزید سچ نہین جانتا،

ضرورت اِس بات کی ہی کہ ہم اپنے ملک کے اخبارات کو جماعتی اثر سے نکالکر، ایسے اُصولون پر چلائین جن سے مفاد عامہ مدنظر ہو، اِس ضرورت کی اہمیت سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہو، لیکن یہ سوال کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہی، آسانی سے حل ہوتا ہوا نہین معلوم ہوتا، جب تک جماعات اپنا اقتدار برقرار رکھین گی اوس وقت تک اخبارات پر یہی رنگ غالب رہے گا، جماعتون کے ناجائز اور مُضر اقتدار توڑنے کے لیئے ہم کو ان اصولون پر کاربند رہنا چاہیئے، جو باب چہارم مین بتائے جاچکے ہین،

باب ہفتم

ترغیب لفظی - کتابون اور تقریرون کی ترغیب

کتابون، اور تقریرون کی ترغیبی حیثیت، سہ گانہ عناصر ترغیب کا اون مین استعمال، دلائل، توضیحات، ظرافت، خوش طبعی، تشنیع وغیرہ، ترغیب کا موضوع

کتاب اور تقریرون کی ترغیب، **ابتک ہماری بحث** ترغیب لفظی کی اون مختلف صورتون سے رہی ہے، جو اگرچہ مفہوم اور ساخت کے لحاظ سے ترغیب و تشویق کے کام تو ضرور آتی ہین، لیکن پھر بھی عام طور پر اون کو آلۂ ترغیب نہین کہا جاتا ہے، مثلاً اشتہارات، اخبارات، فن بیع وغیرہ وغیرہ، اس باب مین ہماری بحث ترغیب لفظی کے اون بڑے بڑے شعبون سے ہوگی، جو عرف عام مین "ترغیب" کہے جاتے ہین (مثلاً کتابون اور تقریرون کی ترغیب) اور خاص خاص مقاصد کے لیئے استعمال ہوتے ہین، مثلاً سیاسی، یا معاشی، اخلاقی یا قانونی، اور مذہبی خیالات کی نشر و اشاعت، اس کا لحاظ رہے کہ جس طرح بحیثیت ایک نفسی عمل ہونے کے، ترغیب کے عناصر ترکیبی، ذہن، متخیلہ اور جذبہ ہوتے ہین اسی طرح سے کتب اور تقاریر کی ترغیبات مین بھی یہی تینون عامل رہتے ہین اور ایک دوسرے کی وساطت سے ترغیب کو مؤثر بناتے رہتے ہین، کسی مصنف یا

مقرر کی مثال لو، تم دیکھوگے کہ اوس کی ترغیب اوس وقت تک با اثر نہین ہوسکتی، جب تک کہ وہ اپنے خیالات مخاطبین کے سامنے مدلل، یا کم از کم دلیل نما پیرایہ مین پیش نہ کرے، ساتھ ہی ساتھ اوس کے لیئے یہ بھی ضروری ہو کہ سامعین یا ناظرین کی قوت متخیلہ کو بھی تحریک دے اور جذبات اور وجدانات سے اپیل کرکے اون کو بھی ہم آہنگ بنانا ضروری ہی، اِس باب مین ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ ذہن، تخیل، اور جذبہ کا یہ ایتلاف ثلاثہ کتابوں اور تقریروں کی ترغیب مین کسطرح عامل ہوتا ہو سب سے پہلے عنصر ذہنی کو لیتے ہین

عنصر عقلی کا استعمال کتب اور تقریرون مین

عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل و براہین کی صورت مین ہوتا ہے، ان سے کام لیکر دوسرون سے اپنے مجوزہ طریق کار کو منوایا جاتا ہی، یون تو دلیلین کئی قسم کی ہوتی ہین، لیکن عام طور پر ان سب کو صرف دو اقسام پر منقسم کرسکتے ہین، یعنی دلیل استقرائی اور دلیل استخراجی، **ہر مصنف** یا مقرر کے لیئے اِن دو طریقون مین سے کسی ایک کا استعمال ناگزیر ہے، یا تو وہ عوارض و واقعات سے نتائج اخذ کرے گا، یا پھر کلیات اور عام اصولون کی بنا پر خاص نتائج کا استنتاج کرے گا، کوئی بھی واقعہ ہو، اگر تم اوسے دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو، تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اِس پر غور کرو کہ کس دلیل کا استعمال کیا جائے، آیا استقراء کیا جائے، یا دلیل استخراجی کو کام مین لایا جائے، فرض کرو کہ تم کسی جلسہ مین کوئی تقریر کررہے ہو، یا کسی کتاب مین دلائل سے کوئی بات ثابت کرنا چاہتے ہو، تو اوس کے ثبوت مین تم اِن مین سے کسی ایک، یا دونون کا استعمال ضرور کروگے، مثلاً اسی کتاب مین یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ "عمل ترغیب، ایک جذباتی عمل ہے" مین دونون طریقون سے کام لے سکتا ہون، اگر مین یہ کہون،

(۱) عمل ترغیب کا آغاز معتقدات سے ہوتا ہی،

(۲) معتقدات، دلائل کی بنا پر نہین، بلکہ جذبات کی شہ سے قائم ہوتے ہین،

(۳) عمل ترغیب جذبی عمل ہے،

تو یہ استخراج ہوا، (۱) کلیہ ہے یعنی ایک عام نتیجہ اسے منطق مین مقدمۂ صغریٰ کہتے ہین، (۲) مقدمہ کبریٰ ہی اور (۳) نتیجہ

دوسری صورت یہ ہوگی کہ مین متعدد مثالین پیش کرون، مثلاً

(۱) جذبہ سے لوگ اپنی رائے بدل دیتے ہین، ترغیبات کی کایا پلٹ ہو جاتی ہی،

(۲) جذبہ کو شہ دیکر لوگون کو زیادہ آسانی سے ترغیب دی جاسکتی ہی،

(۳) بغیر جذبہ کی تحریک کے عمل ترغیب کا آغاز نہین ہوتا،

(۴)

(۵)

(۶)

لہذا عمل ترغیب جذباتی عمل ہے،

اس صورت مین استقرار کیا گیا، یعنی خاص خاص واقعات، اور صورتون سے کوئی عام نتیجہ یا کلیہ نکالنا،

عام طور پر ان ہردو اقسام دلائل کے متعلق یہ ہدایت کی جاسکتی ہی کہ اگر اس کا یقین ہو کہ مخاطبین، پیش کردہ کلیات، ومسلمات کو قبول کرلین گے تو دلیل استخراجی کا استعمال کیا جائے لیکن اگر کلیات ہی کو لوگ تسلیم نہین کرتے تو اس صورت مین قائل کرنے کا بہترین طریقہ دلیل استقرائی کا استعمال ہی، کیونکہ ثبوتی واقعات اور مثالون کے پیش کردینے کے بعد تمہاری حسب خواہش نتیجہ نکالنے سے کوئی انکار نہین کرسکتا، یہ جو کچھ کہا گیا، بر سبیل تذکرہ تھا، ورنہ اصلیت یہ ہے کہ خواہ

کلیات ہون، یا متفرق مثالین، ایک دوسرے پر بغایت منحصر ہے، عام طور پر ہر دو اقسام دلائل کا ساتھ ساتھ استعمال کیا جاتا ہے

دلیل استخراجی، ترغیب مین سکا استعمال،

اب سے کچھ ہی زمانہ قبل لوگون کا رجحان دلیل استخراجی کی طرف زیادہ تھا، اور آج بھی جب کبھی معاملات انسانی پر بحث آپڑتی ہی، تو اسی دلیل کا استعمال زیادہ تر کیا جاتا ہے، ماہران سیاست، عالمان معاشیات، مصلحانِ قومی، مشیرانِ قانونی، علمائے دین، غرضکہ ہر گروہ کے پاس اوس کے حسب حال کلیات کا ایک ذخیرہ موجود رہتا ہے، اور انہی کلیات کی روشنی مین مسائل حاضرہ حل کیئے جاتے ہین، اِس طریقہ کو اگر محدود و مخصوص طور پر استعمال کیا جائے تو کسی کو بھی مجال اعتراض نہو، اسلیئے مباحثہ اور نظام خیالات کی ہر صنف مین کچھ نہ کچھ باتین ایسی ہوتی ہین جو بجا طور پر کلیات کا مفہوم پورا کر سکتی ہین، اور اون مین تعمیم بھی ہوتی ہے لیکن مصیبت تو یہ ہی کہ لوگ دلائل پیش کرنے کی زحمت سے بچنے، اور کفایت وقت کے خیال سے بغیر سوچے سمجھے کلیات پیش کرنے لگتے، اور ان کی بنا پر اپنے منشاء کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیتے ہین، اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہین کی جاتی کہ مسائل متنازعہ فیہ پر فی الحقیقت اِس کلیہ کا انطباق ہو بھی سکتا ہی یا نہین، مثلاً اربابِ سیاست مین قدامت پسندون ہی کے فرد کو لو، یہ حضرات بجائے اس کے کہ کسی جدید تجویز پر غور و خوض کرین، دلائل و براہین سے حالیہ واقعات اور تغیرات حالات کی روشنی مین اوسے دیکھین، سرے سے اوسکو مسترد کر دیتے ہین، اور جواب مین یہ کلیہ پیش کر دیتے ہین "گزشتہ نظام عمل بہت کچھ کامیاب رہا ہے، ہر جدید تجویز قدیم نظامِ سیاست کے خلاف ہے، لہٰذا یہ بھی اوسی زمرہ مین ہے،"

اِس قسم کے متفرضات مین سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ عوارض و حالات کی تبدیلی کو قطعاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، یہ نہین دیکھا جاتا کہ فلان کلیہ، جو آج سے دس[۱] یا بیس برس

پہلے صحیح تھا، حالات کے بدلنے سے آج بھی قابل قبول ہے یا نہین ؟ آنکھ بند کر کے ماضی کی حال پر
تطبیق کی جاتی ہی، سیاست پر موقوف نہین، بلکہ حیات انسانی کے ہر شعبہ مین جہان رسم و رواج
کی بندشین، اور قدیم رواج کی کورانہ تقلید ترقی کی راہ مین مُخل ہوگی، تم کو یہی کیفیت نظر آئیگی،
قائدین جماعات، یا ججان عدالت کی تقریرون کو سُنو، تو تقدیرات (HYPOTHESIS
اور کلیات کی یہ گرم بازاری وہان بھی نظر آئے گی، دلائل اول تو ہونگے نہین، اور اگر کچھ ہون، اور
تمہارا تجسس اون کے سرچشمہ کی تلاش کرے تو دیکھوگے کہ جن اٹل مسلمات پر اونھون نے دلیلون
کی عمارت کھڑی کی ہی، وہ آج سے ۲۵ یا ۵۰ برس پہلے تو ضرور عامل و صحیح تھے، لیکن آج زمانہ کے بدل
جانے کی وجہ سے ان کی کوئی قدر و قیمت نہین رہی، ناظرین ہمین معاف کرین ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ
جو شخص کسی سلسلۂ بحث مین دعویٰ کرے کہ میرے قائم کردہ مقدمات اٹل ہین، وہ ہرگز قابل اعتبار
نہین، ہمارے نزدیک اوس کا دعویٰ محض ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے، جو اس کی ذاتی ناقابلیت استدلال
و استقراء نتائج کی کافی پردہ پوشی نہیں کرتی۔

کلیات کا استقراء

واقعات اور امثلہ سے کیا جاتا ہے، دلیل استقرائی مین یہ
کلیات قایم کیئے جاتے ہین، اور دلیل استخراجی مین کسی کلیہ کو مقدمہ بنا کر اوس سے کوئی خاص
نتیجہ نکالا جاتا ہے، مثالین اور واقعات جیسے کچھ تغیر پذیر ہین ظاہر ہی ہے، پھر اب اگر زمانہ قدیم
کے بعض کلیات آج قابل وقعت نہ سمجھے جائین تو اس مین تعجب کی کیا بات ہی، اون کی تردید سے
اون کے واضع پر کوئی حرف نہین آتا، اوس کے علم و قیاس مین وہ یقیناً مسلمات، کی حیثیت رکھتے
تھے، لیکن آج واقعات بدل گئے ہین تو وہ کلیات بھی بدلنا چاہئیین، قدیم زمانہ مین خیال رائج تھا
کہ "آفتاب سیارہ ہے جو زمین کے گرد گھومتا ہے"، اس قیاس کی حیثیت اوس وقت کے علوم
ہیئت و ہندسہ مین بے شک کلیہ کی تھی، لیکن اگر آج کوئی شخص اسی قدیم کلیہ کو مقدمہ بنا کر

بنا کر کوئی نیا نتیجہ نکالے، یا نظریہ پیش کرے، تو تم کہان تک اوسے صحیح سمجھوگے؟ یہی حال تمام کلیات کا ہی
بہت سے یقیناً ایسے بھی ہین جو آج اپنی قدیم حالت پر قایم ہین، ان کی تغلیط کا دنیا نے کوئی سبب
تلاش نہین کیا، لیکن کچھ ایسے بھی ہین جو اب صحیح نہین رہے ہین، پس اون کو استعمال کرکے مخاطبین
کو کوئی ترغیب دینا، باطل ترغیب کہلائے گا، اور کسی شخص کا ان کلیات کی بنا پر کسی ترغیب کو قبول
کرلینا، ترغیب کی فریب دہی مین داخل ہوگا، انتخابِ کونسل مین عورتون کے حق الرائے کا مسئلہ جب
پیش تھا، تو اوس وقت اِس تجویز کے مخالفین کا عام ترین طریقۂ استدلال یہ تھا کہ وہ اپنی تقریر کو
عورتون کی ناقص العقلی کے اظہار سے شروع کرکے، حاضرین کو اپنے حسب منشا ترغیب دیتے
تھے، اون کی دلیل بے شک صحیح ہوتی بشرطیکہ وہ اپنے اِس کلیہ کو بھی ثابت کردیتے کہ "عورتین
ناقص العقل ہوتی ہین"، کلیہ ہی ثبوت طلب تھا، تو اس کی بنا پر اخذ کردہ نتیجہ کب صحیح ہوسکتا تھا، لیکن
بہت کم لوگ تھے جو اسے سمجھتے، اور جو سمجھ گئے، اونھون نے اون کی ترغیبات سے متاثر ہونا چھوڑ دیا،

اگر تھوڑی دیر کے لیے حیات، اور جذبات کے دائرہ سے الگ ہٹکر ٹھنڈے دِل سے قومون
کے زوال اور فنا کی وجہ تلاش کرو، تو اکثر صورتون مین تم دیکھوگے کہ اون کی بربادی مین دو زبردست
ترین عوامل روایات اور سند (AUTHORITY) رہے ہین، کسی قوم نے اوس وقت تک
ترقی نہین کی جب تک روایات کے دائرہ سے نکلکر مطابقت ماحول، کے اصول پر کاربند نہ ہوئی ہو،
اور بدلی ہوئی حالت کے اعتبار سے اپنے طرز عمل اور خیالات کو نہ بدلا ہو، واضح رہے کہ ہم متلون
المزاجی کی تلقین نہین کر رہے ہین، بلکہ استمرار حیات انفرادی وملی کی زبردست ترین شرط بتا رہے ہین

در مع الدہر کیف ما دارا

اور:— اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

اِسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہین کہ:—

روایات کی مقبولیت کی وجہ تلاش کرو، تو یہی نظر آئیگی کہ انسان دلائل استخراجی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، اور یہ اسلیئے کہ دوسرون کے بنائے ہوئے مسلمات اور کلیات، کو قبول کرلینا، استقراء، تلاشِ واقعات تحقیقِ امثلہ، فراہمی ثبوت، اور بہت سی دوسری زحمتون سے بچا دیتا ہے، اور ترغیب دہندہ، اور اس ترغیب کے دینے والے دونون اس سے مطمئن ہو جاتے ہین،

اِس استخراج پسندی کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد، و معتقدات منجمد اور مرکوز ہو کر مجرد اصطلاحات کی شکل اختیار کر لیتے ہین، اور سکۂ رائج الوقت کی طرح عام گفتگو مین دخل پا لیتے ہین، اِس قسم کی اصطلاحات کثرت سے اخبارون اور عام تقریرون مین استعمال کی جاتی ہین اور باعتبار زمانہ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے، فی زمانہ کسی تحریک کے لیئے یہ کہدینا کہ اس مین استبدادیت، کی بُو آتی ہو یا کسی طریقۂ تعلیم کے لیئے یہ کہدینا کہ غلامی سکھاتا ہو، اِن دونون کے مردود بنانے کو کافی ہو، اور کسی مزید ثبوت لانے کی ضرورت نہین رہتی، تقاضائے عقل تو یہ ہونا چاہیئے، لیکن ثبوت کی زحمت کون گوارا کرے، اور اسی لیئے اِن اصطلاحات کو کلیہ کی حیثیت دیدی جاتی ہو، فاضل مصنف "فلسفۂ اجتماع،" نے بھی اپنی اِس کتاب مین جماعتون کے خصائص سے بحث کرتے وقت اِس قسم کی مجرد اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہین،

"کسی شے کی بُرائیان، یا خوبیان تفصیلاً بیان کرنے کے بجائے، اوس کا محض ذکر ایسے الفاظ سے کرنا جو اندر نفرت یا رغبت کے جذبات پوشیدہ رکھتے ہین تخیل کے متاثر کرنے مین کامیاب ہوتا ہے،،

عبارت بالا مین تشریح طلب جملہ یہ ہے کہ "اصطلاحات نفرت یا رغبت کے جذبات کیون پوشیدہ رکھتے ہین؟" اس کا جواب ہمارے گزشتہ بیان سے مِل جاتا ہے، استبدادیت، حُریت، نوکر شاہی، قوم پسندی، دفتری اقتدار، ایسے بہت سے الفاظ جو اخبارون مین نظر

آتے ہین، لکھنے والے، اور پڑھنے والون کے معتقدات اور آرا کے مظہر ہیں، اِن الفاظ کے کہدینے کے بعد، کہنے والے اور سننے والے، بخیال خود، کسی مزید توضیح و ثبوت کے محتاج نہین رہتے، اور بہت سے دلائل سے نجات پاجاتے ہین، بغیر سمجھے ہوئے محض ایک لفظ کا اطلاق کسی شے پر ہوتے دیکھکر اوس کو بُرا تصور کرلیا، اور یہ نہ غور کرنا کہ اس کا لفظ کا یہ اطلاق صحیح ہی یا غلط، بداہتہً جذبہ کے تسلط اور دلیل کی قوت کے نقدان کا ثبوت ہی،

ترغیب مین دلائل استقرائی، اور اون کے اقسام کا استعمال،

ابتک ترغیب مین دلیل استخراجی کے استعمال سے بحث کی گئی، اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل استقرائی کا استعمال جو عام طور پر لوگون کو سمجھانے کے لیۓ کیا جاتا ہے، کہان تک صحیح ہوتا ہے اور کس حد تک اوس مین غلطی کا اندیشہ ہی،

(۱) **دلیل استقرائی** کا عام ترین استعمال تو اِس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک یا کئی مثالین پیش کرنے کے بعد کسی قضیہ کا بیان کردیتے ہین، مثلاً کسی پالسی کو مضرت رسان اور قابل تنسیخ قرار دینے کے لیۓ پہلے خاص خاص مثالین اوس کے مضر اثرات کی بیان کی جاتی ہین، اور پھر بحیثیت مجموعی اوس کا مُضر ہونا مخاطبین پر ثابت کردیا جاتا ہے،

(۲) دوسری قسم دلیل استقرائی کی وہ ہوتی ہی جب مختلف اشیاء یا واقعات مین علاقۂ سببیت کی موجودگی کی بنا پر، کوئی استنتاج کیا جائے، اِس کی ایک صورت تو یہ ہی کہ علت سے معلول کا استنتاج کیا جائے، اور دوسری یہ کہ اس کے برعکس ہو، اول الذکر کی مثال تو یہ ہوسکتی ہی کہ چونکہ " درآمد سامان پر محاصل بڑھا دیئے گئے ہین، لہذا ملکی تجارت کو فروغ ہوگا "، اور ثانی الذکر کی مثال یہ ہی کہ " ملک مین اجناس گران ہین اسلیۓ شاید اون کی برآمد آزادانہ طور پر ہورہی ہے "،

(۳) دلیل استقرائی کی تیسری قسم مین تمثیلات و تشبیہات کے ذریعہ سے اِستدلال کیا جاتا ہے اور مشبہ بہ سے مشبہ کے متعلق انتاج کیا جاتا ہے مثلاً یہ شعر ؎

فرد قایم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہین — موج ہے دریا مین اور بیرون دریا کچھ نہین

اِس قسم کے استدلال تمثیلی کی اچھی مثال ہی، اکثر مقررین تاریخ سے مثالین پیش کرتے ہین، اون کی طرز استدلال بھی اِسی قسم کی ہوتی ہے، چنانچہ مشہور انگریزی خطیب برک (BURK) نے جب پارلیمنٹ کے سامنے امریکہ سے صلح کرنے کی تائید مین تقریر کی، تو اُس نے مثال مین آئرلینڈ اور ویلز کو پیش کیا، اور یہ کہا کہ جس طرح ہنری ہفتم کے عہد سے پہلے یہ دونون حصے ہمیشہ انگلستان سے برسرپیکار رہے لیکن جون ہی کہ ان کو حقوق آزادی عطا کیے گئے، جنگ وجدل بھی موقوف ہوگئی، اِس طرح امریکی نوآبادیات کو دوست بنانے کا بہترین طریقہ ان کو آزادی، اور انتظام سلطنت مین دخل دینا ہے،،

اِن ہرسہ اقسام استقرا سے کسی واقعہ کا قطعی ثبوت اوس وقت تک نہین فراہم ہوسکتا جب تک کہ ان مین سے ہر ایک کے متعلقہ شرائط کی پیروی نہ کی جائے، مثلاً قسم اول مین مثالون کا ناکافی یا ناقابل اطلاق ہونا، دلیل کو غلط کر دیتا ہے قسم دوم مین علاقہ سببیت کا پایا جانا ہی کافی نہین ہے بلکہ علت قریب یا بعید، مستقیم یا غیر مستقیم کو بھی دیکھنا ہوتا ہی، اِسی طرح سے قسم سوم مین استدلال کے صحیح ہونے کا دار و مدار کل وجز تشبیہ کے تام اور کامل ہونے پر ہی، یہ تو خیر ایسی خامیان ہین جن کا احتمال ہر دلیل استقرائی مین ہوتا ہے، لیکن سب سے اہم نقص اِس کا یہ ہے کہ واقعات اور حالات انسانی سے بحث کرتے وقت تم حکماً اور حتمی طور پر کسی قسم کا استقرا نہین کر سکتے، ہان مسائل سائنس یا موجودات غیر ذی حس سے بحث کرتے وقت اس کا استعمال البتہ قطعیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ترغیب کا موضوع سیاسی، معاشی، اخلاقی، غرضکہ کچھ ہی کیون نہو، مگر بہت پیچیدہ ہی، علاوہ برین فطرت انسانی کے مظاہرات اِس قدر تغیر پذیر اور غیر قطعی ہوتے ہین کہ اون مین کسی خالص علمی یا عقلی ثبوت کی گنجایش ہی نہین، معاملات انسانی پر جو لوگ اظہار خیال کرتے ہین، اون سے تم صرف اِسی قدر صحت استدلال اور ثبوت کی توقع رکھ سکتے ہو، جس کی اون کا موضوع بحث اجازت دے، کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی

مدبر سلطنت یا سیاست دان، قانون سلطنت وضع کرتے وقت عام طور پر فطرت انسانی کے متعلق کوئی دعویٰ کر سکے، ہرگز نہین، اوس کے دعوون مین تعمیم اور جامعیت ہو ہی نہین سکتی، ہان یہ بے شک ممکن ہے کہ کچھ افراد یا غالب تعداد افراد کے لحاظ سے اوس کا دعویٰ بے شک صحیح ہو، اس ایک مثال کو پیش نظر رکھو، تو معاملات انسانی مین دلیل استقرائی کے محدود، اور غیر جامع ہونیکی ایک اور وجہ بھی نظر آتی ہی، کسی عالم طبیعیات کے پاس ثبوت کا ایک، اور وسیلہ اختبار (EXPRIMENT) ہے، لیکن اگر کسی سیاست دان کی حالت پر غور کرو تو اوس کے موضوع مین اس کا امکان ہی نہین پایا جاتا، فطرت انسانی پر تجربہ کرنا آسان نہین ہی، تاریخ آج تک محمد تغلق، چارلس اول، اور لوئس شاہ فرانس کی خام خیالی کا ماتم کر رہی ہے، ہماری تحریک عدم تعاون، ہجرت وغیرہ کا سبق بھی، بالخصوص اس باب مین کچھ کم عبرت آموز نہین ہے،

قصہ مختصر یہ کہ کسی ترغیبی عمل مین دلائل استقرائی کو آنکھ بند کر کے قبول نہ کرنا چاہیئے، ایسا کرنا، اور ظاہری معقولیت سے مرعوب ہو جانا فریب دہ ہوگا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ جب ہر دو اقسام استدلال (استقرائی، اور استخراجی) مین غلطیون کا اتنا احتمال ہے، تو پھر عنصر ذہنی کی وساطت سے جائز طور پر ترغیب دینا کس طرح ممکن ہی؟ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "ہر معاملہ کے دو رُخ ہوتے ہین" یہ واقعی صحیح بھی ہے، ترغیب دہندہ کا کام صرف اسی قدر ہی کہ جس "رُخ"، کو وہ سمجھتا ہے اور پسند کرتا ہے اوسے حتی الوسع واضح اور مدلل بنا کر اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کرے، اور قطعیت کے ساتھ حکم لگانے سے باز رہے، استدلال کا استعمال قیاسی، اور اعتباری حیثیت سے تو ترغیب مین البتہ ہو سکتا ہے لیکن دعوی کے ساتھ ممکن نہین،

کتابون اور تقریرون مین عنصر تخیلی کا استعمال

ترغیب مین عنصر ذہنی کا جو کچھ حصہ ہوتا ہے، وہ اور نیز اوس کے استعمال سے ہم بحث کر چکے

اب ترغیب کے دوسرے عنصر یعنی تخییل کو لیتے ہین،

توضیحات | جس طرح عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل کی صورت مین ہوتا ہے، اوسی طرح عنصر تخیلی کا استعمال توضیحات کی صورت مین کیا جاتا ہے، ان توضیحات مین زیادہ تر صنائع لفظی کا استعمال ہوتا ہی، مثلاً تمثیل، استعارہ، تضاد، مبالغہ وغیرہ، کہنے کو تو توضیحات اور دلائل علیحدہ علیحدہ الفاظ ہین، لیکن بیشتر ان مین کوئی زیادہ تفاوت قایم نہین کیا جا سکتا، کتابون اور تقریرون مین بہت سے دلائل ایسے نظر آتے ہین، جن کی ثبوتی حیثیت منطقی اعتبار سے، توضیحات سے زیادہ نہین ہوتی، بات دراصل یہ ہے کہ توضیح کا خواہ زبانی ہو، یا تحریری، اشیائے محسوسہ کے ذریعہ سے کی جائے یا لفظی مثال دی جائے، مقصد اولی یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دماغ مین کسی مسئلہ کے متعلق جو تصورات وخیالات دھندلے اور مبہم ہون، اون مین وضاحت پیدا کردی جائے، ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت، یا کسی طرز عمل کی پیروی کے لئے وضاحت خیالات ناگزیر ہی، توضیحات سے چونکہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے اسلئے اکثر اوقات ان کا اثر وہی ہوتا ہے جو دلائل کا ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہی کہ جتنا زیادہ جو خیال ہمارے دماغ مین واضح اور صاف ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ سہولت کے ساتھ وہ عملی صورت بھی اختیار کرلیتا ہے، اس اعتبار سے بھی ترغیب مین توضیحات کی اچھی خاصی اہمیت ہی، ان کی وساطت سے ترغیب دہندہ اپنے حسب منشا افعال کرا سکتا ہی، تیسری بات توضیحات مین یہ ہوتی ہے کہ وہ مخاطب مین ایک طرح کی فرحت اور خوشنودی کا اثر پیدا کردیتے ہین، جس کی وجہ سے اون مین اخذ اور قبول کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے، اس نقطۂ نظر سے دیکھو، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنصر جذبی کی بھی ہم آہنگ ہین، حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ توضیحات، دلائل اور جذبات کی ہمنوائی کرتی ہین، لیکن اصلیتاً ان کی حیثیت تخیلی ہے نہ کہ عقلی یا جذبی، عام طور سے یون کہہ سکتے ہو کہ جس طرح سے کہ ترغیب مین عنصر عقلی دلیلون کی صورت مین ظاہر ہوتا ہی اسی طرح سے عنصر تخیلی توضیحات کی وساطت سے اپنا کام کرتا ہے،

ذیل کے اقتباس سے توضیح کا عنصر تمثیلی ہونا بخوبی ثابت ہو جائے گا، نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ترغیب مین اِس کا استعمال کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، یہ اقتباس جان برائٹ[1] کی تقریر سے لیا گیا ہے، مقرر کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ حکومت کی حریفانہ خارجی پالیسی کی قربان گاہ پر رعایا کی "گاڑھی کمائی" اور ملک کی ثروت کس طرح نذر کی جا رہی ہے، اوس کی توضیح مین آپ کہتے ہین:-

"مین بلا مبالغہ کہہ سکتا ہون کہ اِس چھلاوہ (توازن اقتدار۔ آزادی یورپ) کی عبث تلاش مین ہمارے اِس چھوٹے سے بے بضاعت جزیرے سے، اور رعایا کی گاڑھی کمائی سے حاصل کیئے ہوئے کم از کم ۲ ارب پونڈ بے دریغ خرچ کر دیئے گئے ہین، مین اِس رقم کا خیالی اندازہ بھی نہین لگا سکتا، اسی لیئے مین آپ حضرات کو بھی کوئی اندازہ نہین بتا سکتا کہ یہ رقم کس قدر ہوتی ہے، لیکن جب کبھی مین اِس رقم کا خیال کرتا ہون تو میری آنکھون کے سامنے ایک عجیب و غریب مرقع آ جاتا ہے، میری نظر کے سامنے آپ کے ملک کا شریف کسان زمین کھودتا اور ہل چلاتا ہوا معلوم ہوتا ہے، فصل بوتا ہے، پھر اُسے کاٹتا ہے، گرمیون کے سُورج کی تیز شعاعین اوسکو پسینہ مین تر بہ تر کیئے دیتی ہین، یا شدید جاڑے اُسے قبل از قبل ضعیف بنائے دیتے ہین، پھر میرے خیال مین آپ کے ملک کے شریف اور مضبوط دست کار کی تصویر آتی ہی، اوس کا مردانہ چہرہ، اوس کی مہارت فن میری آنکھون مین گھوم جاتی ہی، مین دیکھتا ہون کہ وہ بنچ پر بیٹھا ہوا دیدہ ریزی کر رہا ہے، یا بھٹی کے پاس موجود ہے، اِس کے بعد میرے پیش نظر آپ کے ملک کے شمالی حصہ کے کارخانے آتے ہین، مجھے ایک کام کرنے والے کی دھندلی تصویر اب بھی نظر آتی ہے، لیکن تصویر جب زیادہ صاف ہوتی ہے تو عورت کی شکل معلوم ہوتی ہے، عورت کیا بلکہ یون کہیئے کہ ایک شریف اور باحیا دوشیزہ جیسی کہ میری یا آپ کی بہنین اور بیبیان ہین مین دیکھتا ہون کہ یہ غریب لڑکی چرخہ

[1] جان برائٹ، (JOHN BRIGHT)

چلانے مین ہمہ تن مصروف ہی، جس کی گردشون کے سامنے اس کی آنکھ تھک تھک جاتی ہے،
اِس جگر خراش منظر کے بعد میرے خیالی مرقع مین آپ کے ملک کے ایک اور فرقۂ آبادی کی تصویر
آتی ہے، مین غریب کان کنون کو اپنی آنکھون کے سامنے دیکھتا ہون، جن کو زیر زمین رہتے ہوئے
اتنی مدت گزری کہ آفتاب کا وجود اون کے لیۓ خیالی شے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، یہ بیچارے
زمین کا جگر شق کر کے اس ملک کے تمول اور اس کی کثرت کے عناصر نکالتے ہین، مین یہ سب نظارے
دیکھ چکتا ہون تو بھی مجھے ڈیڑھ ارب پونڈ کا تصور ٹھیک طور سے نہین ہو سکتا، ہان ایک بات کا
تصور البتہ واضح تر ہو جاتا ہی، اور وہ کیا؟ آپ کی حکومت کی شدید ترین غلطی جس کی مہلک پالسی
کی بدولت اِس ملک کی آدھی دولت کم از کم ایک ثلث ہر سال فضول خرچ ہو جاتی ہے، خداوند
تعالیٰ کا منشا تو یہ تھا کہ کثیر رقم جو آپ لوگون کی محنت سے حاصل کی جاتی ہے، اِس ملک کی بہبود
اوس کی سرسبزی، اور زرخیزی مین کام آئے، لیکن یہی رقم دنیا کے ہر گوشہ مین ہر سال کمال بے
دردی سے لٹا دی جاتی ہے، جس سے اہل انگلستان کو کسی طرح کا کوئی فائدہ نہین،،

مقابلہ و موازنہ،

مقابلہ اور موازنہ سے بھی اکثر اوقات کتابون اور تقریرون مین واقعات
کی توضیح کی جاتی ہے، دیگر اقسام توضیحات کی طرح اِن کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ واقعات مین وضاحت
پیدا کر دین، اور ساتھ ہی ساتھ دلچسپی اور جدت بھی ہوتی رہے، مقابلہ اور موازنہ سے ایک خاص فائدہ
یہ ہوتا ہے کہ ان کی وساطت سے کوئی مقرر یا مصنف ایک ہی واقعہ کو بہ تکرار پیش کر سکتا ہے، لیکن اس
تکرار سے مخاطبین کی دلچسپی مین فرق نہین آنے پاتا، حالانکہ عام طور پر تکرار اور دلچسپی مین نسبت معکوس ہے،
یعنی اول الذکر مین اضافہ دوسرے مین کمی کو مستلزم ہی، دوسری بات یہ کہ مقابلون اور موازنون کے
ذریعہ سے کتابون اور تقریرون مین زندہ دلی اور ظرافت کی جھلک بھی پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ دونون
باتین ترغیب کی کامیابی مین بہت کچھ ممد و معاون ہوتی ہین، ہر مقابلہ مین مشترک اُصول یہ ہوتا ہے

کہ دقیق الفہم چیزون کو سہل اور معلوم چیزون کے ذریعہ ذہن نشین کیا جاتا ہے، یا تجریدی خیالات کو سمجھانے کی غرض سے، تجربات حسی اور اشیائے محسوسہ کو استعمال کیا جاتا ہی، یہی وجہ ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے موازنون اور مقابلون مین موجودات قدرت، حیات نباتی وحیوانی، اعمال نشوونما، مشاغل اور تفریحات انسانی وغیرہ کا استعمال نہایت لطافت کے ساتھ کیا جاتا ہی، مقابلون کی توضیحات مین وہی حیثیت ہوتی ہی، جو تمثیلات کی دلائل مین، اور کبھی کبھی تو اول دونون مین فرق کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے، اگر ان دونون کو عمیق نظر سے دیکھو تو پتہ چلتا ہے کہ جسے تمثیل کہتے ہین اوس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اصل واقعہ یا اصل حالت سے ملتے جلتے واقعات اور حالات کا بیان کردیا جائے، واقعات، اور حالات سے یہ مراد کہ جو درحقیقت کسی وقت مین پیش آچکے ہون، اس کے بالکل برعکس، مقابلہ، مین کسی واقعہ کو سمجھانے کے لیئے کوئی فرضی مثال یا اختراعی واقعہ استعمال کیا جاتا ہے، واقعیت کا پایا جانا اوس مین ضروری نہین سمجھا جاتا، تمثیلات اور توضیحات مین دوسرا فرق یہ ہے کہ تمثیل کو دلائل مین استعمال کرتے وقت اِس کا خاص لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ ممثل اور ممثل لہ خاص خاص باتون مین ایک دوسرے سے انتہائی مشابہت رکھتے ہون، برخلاف اِس کے مقابلہ کو بحیثیت توضیح استعمال کرتے وقت صرف سطحی مشابہت یا ظاہری فرق پر اکتفا کی جاتی ہے، ذیل کی مثال کو غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزون کا مقابلہ یا موازنہ محض سطحی فرق یا مشابہت کی بنا پر کس طرح کیا جاتا ہے، یہ اقتباس

رائٹ آنریبل رابرٹ لو کی اوس تقریر کا ہے جو صاحب موصوف نے ۲۶ اپریل ۱۸۶۶ء مین دارالعوام انگلستان مین کی موضوع بحث "اصلاحِ پارلیمنٹ" تھا، صاحب موصوف کے مخالفین نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر حق الرائے جو اِس وقت خاص اہلیت کی بنا پر لوگون کو حاصل ہے عام کردیا جائے، تو رائے دہندگان کی خرابیان، مثلاً رشوت ستانی وغیرہ خود بخود مٹ جائین، اِس کی مخالفت کرتے ہوئے صاحب موصوف نے حسب ذیل مقابلۂ توضیحی سے کام لیا:-

"ہمارے مخالفین کا بیان ہے کہ موجودہ بیماری کا علاج یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد کو حق الرائے دیکر اِس زہر کی قوت کو کم کر دیا جائے، جس طرح سے کہ تیزاب مین پانی مِلانے سے اوس کا اثر کم ہو جاتا ہے،

اگر بیماری کی طرح صحت بھی متعدی' ہوا کرتی اور اس کا سرایان بھی ممکن ہوتا، تو ہم اس نرالی منطق کے بے شک قائل ہو جاتے، لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس ہی، اگر میرے پاس نصف درجن بیمار مویشی ہون، اور مین ۱۰۰ عدد تندرست مویشیون کو اُن کے ساتھ رکھون تو میری اِس تدبیر سے صحیح مویشی تو البتہ بیمار پڑ سکتے ہین، لیکن پہلے کے بیمار مویشی کسی طرح اچھے نہین ہو سکتے"،

غور سے دیکھو کہ رشوت ستان، راے دہندگان پر بیمار مویشی کی تطبیق کس حد تک درست کہی جا سکتی ہی نیز رشوت ستانی، کو مرض متعدی، بنا کر اس کی بنا پر استدلال کرنا کس قدر سطحی اور غیر حقیقی مقابلہ ہی، لیکن مقابلہ مین یہ چیزین جائز ہین، تمثیل مین نہین،

قصہ گوئی، روایت، حکایت، | **توضیح کی ایک** اور قِسم جس کی بنا منطق کے اصول مشابہت پر ہی، کسی قصہ یا روایت کا بیان کرنا ہی، جو قصے جائز طور پر استعمال کیے جاتے ہین، اون مین کسی ایسی ہی صورت حالات کا بیان ہوتا ہی جیسی کہ موضوعِ بحث مین موجود ہے اور جس سے موخر الذکر پر روشنی پڑتی ہی، فرضی اور غیر متعلق قصے ترغیب کو ناجائز بنا دیتے ہین، اور مخاطبین ان کے دھوکے مین آسانی آجاتے ہین،

قِصّون کا استِعمال کتابون اور تقریرون مین بہت عام ہی، شروع مضمون مین ان سے تمہید کا کام لیا جاتا ہے، اور مخاطبین کو آیندہ خیالات کے سمجھنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے، وراِن مضمون مین اِن سے تفہیم مین مدد ملتی ہے، مذہبی مباحث مین قِصون کا استِعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے

اس کی وجہ یہی ہے کہ روحانیت، حقانیت، عقائد اور اعمال کی تجریدی بحثین بغیر اس قسم کی توضیح کے عام لوگون کی سمجھ سے باہر ہوتی ہین، کتب الہامی مین کثرت سے قصے ہوتے ہین، اور ان سے پیچیدہ باتون کے سمجھنے مین بہت مدد ملتی ہے،

ہر توضیحی قصہ کی صفت خصوصی یہ ہونا چاہیے کہ معاملۂ زیر بحث پر اوس کا حقیقی معنون مین اطلاق ہو سکے، محض لوگون کو خوش کرنے کے لیئے ایسے قصے بیان کرنا جنمین اور موضوع بحث مین کوئی اتحاد اور رابطہ ہی نہو، ترغیب باطل کا پتہ دیتا ہے، توضیحات عام طور پر جالب توجہ ہوتی ہین اور دلچسپی پیدا کرتی ہین، اسی وجہ سے اکثر اوقات مقررون اور مصنفون کو اون کے استعمال کی خاص خواہش ہوتی ہے، اسلیئے نہین کہ مضمون زیر بحث پر اوس سے روشنی پڑے، بلکہ محض اسلیئے کہ لوگون کی توجہ کو اپنی طرف مائل کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ نام نہاد خطیب اور بازاری زعما اپنی تقریرون مین ایسی مثالین بیان کرتے ہین، جو دائرۂ بحث سے باہر، اور بے ربط ہوتی ہین، یا ایسے موازنون اور قصون کا استعمال کرجاتے ہین جن کا تعلق نفس بحث کے ساتھ سطحی اور غیر حقیقی ہوتا ہے، اور جن کی حیثیت تلبیسات سے زیادہ اور کچھ نہین ہوتی، ہر اخبار بین، ذرا سی کوشش اور تلاش سے اس قسم کی مثالین سیاسی تقریرون سے ڈھونڈھ سکتا ہے،

عنصر جذبی کا استعمال کتابون اور تقریرون مین

ترغیب کے لیئے جذبہ کا وجود لازمی ہے

جس طرح عنصر ذہنی کا عام ترین اظہار دلائل اور عنصر تخیلی کا توضیحات کی شکل مین ہوتا ہے، اسی طرح سے عنصر جذبی کا اظہار چند خاص خاص صورتون مین کیا جاتا ہے، مثلاً استفہامیہ جملے کہنا، یا کلمۂ حیرت کا استعمال (اللہ- اللہ! آج وہ دن ہے کہ ......) مخاطبت یا ندا" بھائی مسلمانو!، دیش بندھو، وغیرہ، پیش رائے مثلاً (وہ دن دور نہین ہے کہ جب.... ...... وغیرہ وغیرہ) تفضیح (جیسے اون لوگون پر خدا کی مار ہو وغیرہ) خداوند تعالیٰ کو مخاطب کرنا جیسے

خدایا تیرے ہاتھ بڑے ہین.......)

اگرچہ فی زمانناً متانت اور سنجیدگی کے مواقع پر جذبات کو تحریک دینا خطابت کا کمال متصور نہین ہوتا، بلکہ اونھین مخفی رکھنا اور استدلال کا پہلو لئے ہوئے بحث جاری رکھنا جزوِ فصاحت ہوگیا ہی تاہم مذکورۂ بالا صورتون مین سے بہت سی آج کل بھی رائج ہین، ایسی تحریرین ناظرین کو الہلال کی مجلدات - اور بالخصوص مقالات افتتاحیہ مین بہت کثرت سے نظر آئین گی، تقریری ترغیب مین تو اون کا استعمال بہت ہی زیادہ ہوتا ہی، تحریرون پر فرصت کے مواقع پر غور کیا جاسکتا ہی، لیکن مقررون کو اتنی فرصت کہان کہ مدلل بحثون سے اپنا مقصد حاصل کرین، لہذا وہ زیادہ تر جذبات سے بحث کرتے ہین، اور سامعین کو متاثر کرنے مین کامیاب ہو جاتے ہین،

جذبات کی اپیل اگرچہ بہت سے نقائص رکھتی ہی، تاہم ترغیب کی کامیابی کے لئے ان کا استعمال ناگزیر ہی، جذبہ مثل ایک قوت محرکہ کے ہی، جو ترغیب دہندہ کی ذات سے گزر کر اوس کے مخاطبین پر بھی اثر کرتی ہی، اور ان سے کسی مجوزہ طرز عمل کی پیروی کراتی ہی، اُسکے بغیر ترغیب ہو ہی نہین سکتی، جب ہم کسی روش یا نقطۂ خیال کی مخالفت کرنا چاہتے ہین تو ہمارے دل مین رنج، شرم، خوف، توہین وغیرہ مین سے کسی ایک جذبہ کا تسلّط ہونا ضروری ہی، اور اسی کو ہم اپنے مخاطبین مین پیدا کرنے کی کوشش کرسکتے ہین، بعینہ جب ہمارا مقصد یہ ہوتا ہی کہ لوگون کو کسی طرز عمل کی طرف مائل کیا جائے تو اوس صورت مین ہم اون جذبات سے مدد لیتے ہین جن سے تقویت یا تحریک ہوسکے، مثلاً اُمید، حُبّ الوطنی، رشک، غصہ، ان دو صورتون کے علاوہ کچھ اور جذبات ایسے بھی ہوتے ہین جو اگرچہ بذاتِ خود تحریک یا تردید کی صلاحیت نہین رکھتے، لیکن پھر بھی مذکورۂ بالا قسمون مین سے کسی ایک کے ساتھ ملکر کام کرسکتے ہین، انکی مثالین

یہ ہین۔ خوشی، محبت، قدر۔ ہمدردی وغیرہ،

ترغیب مین جذبات کو بالواسطہ تحریک دی جاتی ہے،

یہ ایک عجیب بات ہو کہ باوجودیکہ ہر ترغیب کا جزو لاینفک جذبہ ہی ہوتا ہو، لیکن پھر بھی ترغیب دہندہ کا مقصد لوگون پر یہی ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ گویا دلائل کے ذریعہ سے یقین دلایا جا رہا ہو، دوسرون کو ترغیب دیتے وقت اِس بات کی ممکن کوشش کی جاتی ہو کہ اون کو یہ معلوم ہونے پائے کہ ہم اونکے جذبات پر اثر ڈال رہے ہین، اسی وجہ سے ترغیب مین براہ راست جذبات کو تحریک نہین دی جاتی بلکہ عقل یا تخیلہ کی ریشہ دوانیون سے اون کو بیدار کیا جاتا ہو، کسی موضوع سے بحث کرتے وقت ہم دلچسپ اور واضح ترین طریقہ پر اس کا احضار کرتے ہین، اور اس ترکیب سے مخاطبین کی کسی خواہش یا جذبہ کو تحریک دیتے ہین، اِس کا بھی خاص التزام کیا جاتا ہو کہ مخاطبین کہین یہ خیال نہ کرین کہ ہم عمداً اون کے تاثرات یا جذبات کو برانگیختہ کر رہے ہین، اِس اخفار کے لیے مضمون کو اس طرح پیش کیا جاتا ہو کہ ناظرین کو یہ یقین ہوجائے کہ اون کے جذبات کو بجا طور پر اشتعال دیا گیا ہے، اور وہ یہ محسوس کرلین کہ ہماری ترغیب کے بموجب عمل کرنے سے اِن جذبات کی تشفی ہوسکے گی،

جذبہ کو بالواسطہ ترغیب دینے کے طریقے،

(۱) کِسی شے کو ممکن الوقوع ثابت کردکھانا، دلیل کی اگرچہ باعتبار اِسکی حیثیت کے تمامتر اپیل قوت عقلی سے ہوتی ہو، لیکن جذبات کے برانگیختہ کرنے مین اسکا بھی اچھا خاصہ حصّہ ہوسکتا ہے، یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ فراہمی ثبوت، اور دیگر شواہد عقلی و نقلی کی بناپر لوگون کے ذہن مین کسی چیز کے متعلق تیقن کی کیفیت پیدا کردی جاتی ہو، یا کم ازکم اوسکا امکان اون پر ثابت کردیا جاتا ہو، یہ امکان تیقن کی اور تیقن رفتہ رفتہ معتقدات کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہین سے جذبات کا عمل شروع ہوجاتا ہے، فرض کرو کہ کسی مقدمہ کی سماعت کے وقت وکیل استغاثہ، جج اور جوری کو ملزم کے جرم کا یقین دلادے، تو اس تیقن کی کیفیت کے ساتھ ہی ساتھ

ایک طرف تو اِن اصحاب مین احساس فرض کا جذبہ پیدا ہوتا ہی، اور دوسری طرف جرم اور اوس کے مُضر اثرات کا تصور ان کے جذبہ غضب کو اشتعال دیتا ہی، اِن ہر دو جذبات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر مُلزم کے مجرم ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہی، اسی مثال مین دیکھو کہ وکیل کی تقریر سے قبل، جج یا جوری کے قلوب پر کسی جذبہ کا اثر نہ تھا، جس سے اون کے فیصلہ پر اثر پڑتا لیکن وکیل کے دلائل نے یقین اور یقین نے جذبات پیدا کر دیئے، مختصر یہ کہ کسی واقعہ یا صورت حالات کو اس اسلوب سے پیش کرنا کہ وہ ممکن معلوم دینے لگے، بالواسطہ تحریکِ جذبات مین بہت کچھ کارگر ہوتا ہے،

(۲) کسی شے کو صداقت نما بنا کر پیش کرنا:۔ مذکورۂ بالا مقصد حاصل کرنے کی ایک دوسری سبیل یہ ہی کہ احضار واقعات مین بجائے امکان کے صداقت نمائی پیدا کر دی جائے، عام طور سے کسی شے کو ممکن الوقوع ثابت کر دکھانے اور اسے صداقت نما بنانے مین کوئی فرق نہین کیا جاتا، یہ دونون چیزین جذبات کی تحریک مین معاون ہوتی ہین، اور اس اعتبار سے اونھین ایک کہہ سکتے ہو لیکن کسی شے مین امکان پیدا کرنا، وکیل چاہتا ہے، اور فاعل کی قوت استدلال پر منحصر ہے، مگر صداقت نمائی واقعات کی صفت ہوتی ہے، جو اپنی ساخت یا رنگ آمیزی کی وجہ سے لوگون مین توجہ اور شوق پیدا کرتے ہین، جس طرح سے اول الذکر کا تعلق ترغیب کے عنصر عقلی سے ہی، اوسی طرح سے مؤخر الذکر عنصر تخیلی سے علاقہ رکھتی ہے، کسی بیان کو صداقت نما اس صورت مین کہا جاتا ہی، جب اوس کی ظاہری حالت کو اس طرح بنا دیا جائے کہ واقعات، اون کی ترتیب اور اون کے مابینی رشتے بالکل قدرتی اور ناگزیر نظر آئین، اور ہمارے عام تجربات سے اون کی تصدیق ہوتی ہو، اس قسم کے بیانات کو ذہن بخوشی سنتا ہے، اور اونھین حقیقی اور واقعی مان لینے کے لیئے جلد آمادہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی بیان مین ایسے مجموعۂ خیالات کا

اظہار کیا جائے جن کی تائید و توثیق عام تجربات نہین کرتے، تو ذہن کو اوسکے سمجھنے مین دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ اونھین خلاف فطرت۔ ناقابل یقین۔ یا باطل سمجھکر مسترد کر دینے کا میلان طبیعت مین پیدا ہوجاتا ہے۔ کسی بیان مین خواہ امکان پایا جائے یا نہ پایا جائے محض صداقت نمائی، کی صفت ہی مخاطبین مین ایک طرح کی فرحت پیدا کر دیتی ہے، اور ترغیب دہ ثابت ہوتی ہے مثلاً اگر راستہ مین کوئی فقیر تم سے اپنی مصیبتون کی داستان دلچسپ اور صداقت نما پیرایہ مین بیان کرے تو خواہ تم اوس کے بیان کی صداقت مین شبہہ ہی کیون نہ کرو۔ لیکن اس کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے ہو۔ اِس صورت مین ترغیب کا کل دجز عمل صداقت نمائی کے اثر سے ہے، چونکہ یہ متخیلہ سے اپیل کرتی ہے اور ایک قسم کی تفریح و تاثر پیدا کرتی ہو۔ اسلئے کہہ سکتے ہین کہ ترغیب کے معین و مؤید جذبات کو بیدار کرنے مین یہ امکان، سے کہین زیادہ کارگر ہوتی ہو، لیکن جب واضح اور مقررہ واقعات سے بحث ہو رہی ہو، یا فیصلہ کی نوعیت پر بہت سی ضروری باتون کا انحصار ہو (مثلاً کسی مقدمہ مین) تو اوس وقت امکان، کو زیادہ موثر خیال کرنا چاہیئے، ایسی صورت مین صداقت نمائی پر نہ جانا چاہیئے،

۳۔ مضمون زیر بحث کی اہمیت پر زور دینا **ذہن اور تخیل** کے واسطہ سے جذبہ کو بیدار کرنے کی ایک تیسری ترکیب یہ ہو کہ مضمون ترغیب کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ اِس ترکیب سے اول تو توجہ زیادہ مرکوز ہوتی ہو، دوسرے خیالات کی قوت اور اونکی وضاحت مین اضافہ ہوتا ہے، یہ دونون باتین مِل جل کر جذبات کی قوت کو زیادہ کر دیتی ہین، مثلاً اگر تم کسی فرد یا قوم کے کسی فعل کو بدترین صورت مین اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کرو، یا کم از کم اونھین اس کا یقین دلادو کہ اِس فعل کے مضر اثرات کی اہمیت بہت کچھ ہو گی تو تم اپنے مخاطبین مین غصہ کے جذبات کو بہت کچھ شدت کے ساتھ اشتعال دے سکتے ہو،

۴۔ ترغیب دیتے وقت ایسے واقعات کا بیان کرنا جو حال ہی مین رونما ہوئے ہین، یا جن کے متعلق یہ پیش گوئی کی جاسکے کہ عنقریب رونما ہونے والے ہین (اون واقعات کی بہ نسبت جو بہت زمانہ قبل وقوع مین آچکے ہین) جذبات کو کہین زیادہ تحریک دیتا ہی، جذبات کے مشتعل کرنے مین قرب زمانی کی بہ نسبت قرب مکانی بھی کہین زیادہ مفید ہوتا ہی، ہم ایسے واقعات سے جو دور دراز ملکون مین وقوع پذیر ہوئے ہون، اتنے زیادہ متاثر نہین ہوتے جتنا کہ خود اپنے ملک یا اپنے قبیلہ کے واقعات سے، اگر آج امریکہ مین کوئی عالمگیر اثر رکھنے والا حادثہ پیش آئے۔ اور آج ہی حیدر آباد مین کوئی معمولی حادثہ ہوجائے تو کل کا صحیفہ پڑھتے وقت سب سے پہلے مین مقامی، حالات مین اِس واقعہ کے حالات پڑھنے کی خواہش کرون گا۔ اور اس کے بعد دنیا کی اہم ترین باتون کی طرف توجہ کرون گا،

(۵) ترغیب مین جذبات کے حصہ سے بحث کرتے وقت ایک اور بات جس کا لحاظ ضروری ہے، یہ ہی کہ مصنّف یا مقرر (ترغیب دہندہ) اور اُسکے موضوع ترغیب کا مخاطبین سے کتنا گہرا تعلق ہے، جب حیدر آباد دکن مین ایک عام جلسہ مین مولانا حالی مرحوم نے اپنی نظم "چپ کی داد،، کا آغاز اس طرح کیا ؎

اے ماؤن، بہنو، بیٹیو — دنیا کی زینت تم سے ہے

تو سامعین نے اِس کا بہت کچھ اثر لیا۔ اونھون نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم کی نظم کا ان سے قریب ترین تعلق ہی، برخلاف اِس کے اگر وہ تخاطب کا یہ طریقہ نہ اختیار کرتے تو شاید اتنا اثر نہوتا اسی طرح جب مارک انٹونی، جولیس سیزر کے قتل کے بعد مجمع سے اِن الفاظ مین یہ خطاب کرتا ہی،

"دوستو! رومیو!! ہم وطنو!!!،،

تو اس کا اثر مجمع پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی ترتیب پر غور کرو۔ دوسرا پہلے سے زیادہ

اور تیسرا دوسرے سے زیادہ مقرر کو مخاطبین کی ہمدردی کا مستحق ثابت کرتا ہی۔ ظالم کے حامیون مین غصہ اور انتقام کے جذبات جو کسی ظالمانہ فعل کیطرف سے پیدا ہوتے ہین، وہ اتنے شدید نہین ہوتے جتنے کہ مظلوم سے تعلق رکھنے والون کے دلون مین، سمرنا مین ترکون کا کشت و خون دنیائے اسلام مین تہلکہ ڈالدیتا ہی' لیکن ہندوستان کے ہنود اوس سے اتنے زیادہ متاثر نہین ہوتے جتنے کہ یہان مسلمان۔ اگر کوئی مقرر اپنے سامعین کو یہ باور کرا سکے کہ فلان فعل اون کو بھی متاثر کرے گا۔ تو وہ اُن کے جذبات کو یقیناً زیادہ کامیابی کے ساتھ برانگیختہ کرسکیگا۔ طبع انسانی کچھ اس طرح پر واقع ہوئی ہی کہ غیر متعلق اثرات کی بہ نسبت اپنی ذات تک پہونچنے والے نتائج کا کہین زیادہ اثر لیتی ہے یہ جو کسی نے کہا۔ ع۔

گزرتی ہے جو دل پر مبتلا کے مبتلا جانے

واقعی سچ بھی ہی، سیدھی سی بات ہی کہ جب تم کسی شخص کا ناجائز طور پر نقصان ہوتے دیکھتے ہو، تو تمھین غصہ تو ضرور آتا ہی، لیکن خود اس شخص کے غصہ کی سی شدت تم مین نہین پیدا ہوتی، تمھارا غصہ یہ چاہتا ہی کہ نقصان رسان سے کسی طرح کا تاوان لیا جائے۔ یا اوسے منفعل اور شرمندہ کیا جائے۔ لیکن اوس شخص کا غصہ (جس کا نقصان ہوا ہی) بعض وقت اتنا شدید ہوتا ہے کہ انتقام کی شکل اختیار کرلیتا ہی، اسی طرح سے دیکھو کہ کسی مخیر المزاج سخی کی فیاضی کا حال سنکر تم مین صرف مسرّت اور امتنان کی کیفیاّت پیدا ہوتی ہین، لیکن جو شخص کہ فی الحقیقت اِس فیاضی کا مرہون منت ہو اوس کے جذبات مسرّت اور امتنان سے گزر کر، تشکر۔ احسانمندی کی شکل اختیار کرلیتے ہین مذکورۂ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہی کہ اگر کوئی مقرر اپنے مخاطبین کے جذبات کو قوی تر بنانا چاہے تو اس کی ترکیب یہ ہی کہ وہ کسی فعل کو ایسے پیرایہ مین پیش کرے کہ یہ مخاطبین بھی اوس کے اثرات اپنی ذات پر محسوس کرسکین۔ مثلاً پہلی مثال مین اگر تمھین یہ باور کرادیا جائے کہ جو

نقصان فلان شخص کو پہونچایا گیا ہی، اوس کے اثرات تم تک بھی پہونچتے ہین۔ تو لا محالہ تمھارے جذبات بھی انتقام کی شکل اختیار کرلین گے۔ فروری ۱۹۲۲ء مین بہار مین زبردست سیلاب آیا تھا جس سے کئی گانوٗن تباہ، اور ہزارون لوگ بے خانمان ہو گئے تھے، دوسرے صوبون کے باشندون نے بھی اِس مصیبت کا حال پڑھا تھا، اون کے قلوب مین یہ پڑھکر ایک سرسری رنج وہمدردی کی کیفیت ضرور پیدا ہوئی تھی، لیکن اس کیفیت مین کسی طرح کی شدت نہ تھی، بات یہ تھی کہ یہ لوگ یہ نہ محسوس کر سکتے تھے کہ اس طوفان کے اثرات خود اون کی ذات پر کیا ہین۔ لیکن جب چند جادو بیان مقرر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اونھون نے ہندوستان کے تمام حصّون مین دورہ لگاکر اپنی تقریر سے لوگون کو اِس کا احساس کرا دیا تو سب نے چندہ دینا شروع کر دیا وجہ صرف یہ تھی کہ بعد مکانی، عدم واقفیت۔ اور بے تعلقی کی وجہ سے پہلے لوگون کے جذبات صرف سرسری ہمدردی اور رنج کے تھے، لیکن جب چشم دید حالات سنائے گئے، تباہ شدہ علاقون کی تصویرین دکھلائی گئین، اور لوگون کو یقین دلایا گیا کہ وہ بھی بحیثیت اِنسان اور ہندوستانی ہونے کے اِس سے متاثر ہوتے ہین تو اون کے جذبات شدید اور ارادی ہمدردی مین منتقل ہو گئے، اور چندہ دینے کے محرک ہوئے۔

ترغیب مین ظرافت، اور خوش طبعی، اکثر اوقات ظرافت، اور خوش طبعی بھی بہت کچھ مؤثر ہوتی ہین، یہ تو عام تجربہ بتاتا ہی کہ وہی ایک بات جب فلسفیانہ خشکی اور مدبرانہ متانت کے ساتھ کہی جاتی ہی، دماغ پر اتنا اثر نہین کرتی، جتنا کہ اوس صورت مین ہوتا ہی جب یہی بات ظریفانہ اور خوش طبعی کے پیرایہ مین پیش کی جاتی ہی، اول الذکر صورت مین دماغ تجریدی بحثون سے پریشان ہوتا ہے، ثانی الذکر صورت مین سریع الفہم ہونے کے علاوہ ایک طرح کا خوشگوار تاثر بھی پیدا ہوتا ہے۔ دلیل اور منطق کے خشک ٹکڑے عام طور پر قابل قبول نہین ہوتے، لیکن جب ان مین

ظرافت اور خوش طبعی کی چاشنی دیدی جاتی ہی، تو یہ ہر شخص کے پسند خاطر ہوتے ہین، علم دین و تقوی کی ناقدری پر ہندوستان کے متعدد فاضل علمانے مسلمانون کو توجہ دلائی۔ آیات قرانی اور دلائل سے اون کی ضرورت کو واضح کیا، اوس کو اکبر مرحوم نے ایک ظریفانہ پیرایہ مین پیش کیا۔ ہر پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوا۔ وہو ہذا۔

کچہریون مین ہی پرسش گرہ جو ٹیون کی ‏ ‏ سڑک پہ مانگ ہی قلیون کی اور میٹون کی

نہین جو پوچھ تو بس علم دین و تقوی کی ‏ ‏ خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹون کی

یا

سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھون لائے ‏ ‏ شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسہ نہ ملا

اکبر مرحوم کی شاعری اور سجاد حسین مرحوم کے اخبار اودھ پنچ کی مقبولیت کی یہی وجہ ہی، انگلستان مین سالہا سال سے پنچ، جو اثر عام رائے پر ڈال رہا ہی وہ صرف ماہران سیاست کی مدلل تقریرون سے ہرگز نہ پیدا ہو سکتا تھا،

ظرافت اور خوش طبعی حقیقت مین علٰحدہ علٰحدہ چیزین ہین۔ لیکن ان کے درمیان کوئی ممتاز حد فاصل قایم نہین کی جا سکتی۔ اور نہ اون کی مختلف اشکال مین باہمی تمیز ہو سکتی ہے کہ یہ ظرافت کی شکل ہی۔ اور یہ خوش طبعی کی، ان دونون کی مشترکہ صفت یہ ہے کہ ہماری فطرت کے ہر سہ عناصر ذہنی، تخیلی اور جذبی سے مناسبت رکھتی ہین۔ جب تیقن کی کیفیت پیدا کرین۔ تو ان کا تعلق عنصر ذہنی سے ہوتا ہی جب خیالی موازنون سے کام لیا جاتا ہے، اور خوشگوار تاثر پیدا کیا جاتا ہی، تو ان کا عمل عنصر تخیلی پر منحصر ہوتا ہی۔ اور جب احساسات کو بیدار کیا جاتا ہے، تو جذبی عنصر کا لگاؤ ہوتا ہے،

ظرافت ہو یا خوش طبعی، ان کے اثر کی وجہ تلاش کرو تو تمہین معلوم ہوگا کہ ان دونون مین

بظاہر بے تعلق، اور بے سر وپا خیالات کو اس طرح سے مخلوط کر دیا جاتا ہی۔ کہ تعجب اور خوشی
کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، خوش طبعی مین "تعجب"، کا تاثر اتنا نہین پیدا ہوتا جتنا کہ ظرافت
مین۔ وہ زیادہ ترجذبی ہوتی ہو اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اوس کا لازمی جُز ہے،
بقول تھیکرے "خوش طبعی نام ہو محبت اور ظرافت کے مجموعہ کا"۔ کارلائل کہتا ہو کہ "خوش طبعی
فہمیدہ طبیعت اور کل موجودات کے ساتھ پُرجوش خلوص اور محبت چاہتی ہو"، یہی وجہ ہے کہ
خوش طبعی کی استدلالی اہمیت کچھ زیادہ نہین ہوتی، ہان جذبات کا لگاؤ البتہ بہت کچھ ہوتا ہے
اور خوش طبع شخص کی طرف ہر شخص کا دل خود بخود مائل ہوتا ہے،

ترغیب مین ظرافت کا اثر خوش طبعی کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اور موضوع ترغیب سے
اس کا تعلق بھی بہت کچھ گہرا ہوتا ہے۔ ظرافت کے معنی مین تعقل اور استدلال بھی داخل ہے
اور ظرافت کے ہر نمونہ مین تم کو دلیلون کا شائبہ زیادہ نظر آئے گا۔ خوش طبعی کی بہ نسبت اسمین
تعجب کی کیفیت کو کم دخل ہوتا ہے، اس کا حربہ زیادہ باڑھ دار ہوتا ہے، اور گہرا کاٹتا ہی، خوش
طبع شخص معصومیت کے ساتھ ہنستا ہی، اور دوسرون کو ہنساتا ہی، ظریف آدمی دانتون کے نیچے
ہونٹ دبا کر مسکراتا ہی، اوسکی آنکھون مین شرارت کی چمک ہوتی ہی، یہ غیر متعلق لوگون کو ہنساتا ہی،
لیکن جن پر اِسکا وار ہوتا ہو وہ دل مین روتے ہین۔ جب ظرافت، کنایہ یا تمسخر، طنز یا ہجو ملیح کی شکل
اختیار کر لیتی ہے۔ تو اس کا وار زیادہ سخت ہو جاتا ہی، خوش طبعی، کی مثال مین ہم کلام اکبر کو پیش کرسکتے
ہین۔ اس کا بیشتر حصہ ہجو ملیح سے پاک ہے اور پر لطف پیرایہ مین اظہار خیالات کرتا ہے، ظرافت
کی مثالین زیادہ تر اودھ پنچ کی پُرانی مجلدات مین نظر آئینگی، اور اس کی مذکورہ بالا اقسام بھی نظر آئینگی،

ہم ذیل مین کچھ **اقتباسات** دیتے ہین جن سے متین اور سنجیدہ تحریرون مین
طنز اور ہجو ملیح کا استعمال بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے،

سُنہری گراموفون سے ایک نیا نغمہ
لیڈری کا طوطی کہنہ مشق

(اس مضمون مین ہز ہائنس آغاخان کی اِس تجویز پر کہ ترکون کو جنگ بلقان سے کنارہ کش ہوکر صلح کرلینی چاہیئے۔ اعتراضات کیئے گئے ہین)

آخر مین اون کا مشورہ ہو کہ اسلام کو اب اپنے یورپین مقبوضات سے فوراً جلاوطن ہوجانا چاہیئے صرف ایشیا ہی پر قناعت کرنا چاہیئے، ایسا کرنے سے ایک نعمت گران مایہ یعنی "دولت علیہ برطانیہ" کی سرپرستانہ اعانت اور اسلام نوازانہ مہرونوازش کی دولت لازوال حاصل ہوجائے گی۔

یہ ایک "بانسری" کی نئی "حکایت" یا "گراموفون" کا نغمہ تازہ ہو۔ جو ہز ہائنس کے ساز وجود سے منتقل ہوکر، سامعہ نواز بزم و انجمن ہورہا ہے،

بعض ظاہر بین بدمزہ ہورہے ہین کہ یہ آواز تو کچھ خوش آیند نہین، لیکن باطن شناسانِ حقیقت کہتے ہین کہ ملامت بے فائدہ ہو، تم اون تارون کو دیکھتے ہو جن سے آواز نکلتی ہو، اور ہماری نظر اون انگلیون پر ہو جو انپر زیر و بالا پڑرہی ہین!

نغمہ از نائیست، نے از "نے" بدان!

ہز ہائنس نے اس ایک چٹھی مین اپنے "باطنی" کمالات کے کتنے بھیس بدلے ہین! آغاز تحریر مین ترکون کی ہمدردی کرتے ہوئے اپنے تئین "مسلمان" ظاہر کرتے ہین، کچھ دیر بعد اون کو اس خیال سے سخت پریشانی ہوتی ہو کہ "جنگ دوبارہ جاری کردی جائے" یہان آکر وہ موجودہ مسیحی جہاد کے مقدس علم بردار شاہ (فرڈیننڈ) کے ہاتھ بیعت کرتے ہوئے نظر آتے ہین کیونکہ صوفیا سے بعینہ یہی آواز دہرائی گئی ہے کہ ترکون کو جنگ جاری رکھنے کا مشورہ نہ دیا جائے،

---

۱ منقول از الہلال مورخہ ۱۹ر فروری ۱۹۱۳ء

آگے چلکر اون کا چہرہ زیادہ صاف نظر آتا ہے، وہ بے تکان مشورہ دینے کے لیئے بڑھتے ہین کہ

"اسلام کے لیئے بہتر ہو کہ یورپ کو خالی کرے" اب اون کا لباس بلغاری وضع کی جگہ اون کی اصلی

انگریزی وضع اختیار کر لیتا ہو، کیونکہ اس مذہب کے ابولا بار مسٹر گلیڈ اسٹون نے بھی ۱۸۷۶ء

مین یہی رائے دی تھی کہ

"بس اب ترکی کے لیئے صرف ایک ہی کام رہ گیا ہے، یعنی فوراً اپنے مدیرون، بک

باشیون، قائمقامون، اور باشی بزوقون کو ساتھ لیکر اپنی گٹھری اور بقچے سمیت باسفورس

کے پار ایشیا مین چلی جائے"

البتہ گلیڈ اسٹون کا نیا تناسخ نسبتہً اچھے لفظون مین ہوا ہے،

اس مثال سے طنز اور ہجو ملیح کے معائب اور محاسن بحسب محرکات ترغیب بخوبی ظاہر

ہو جاتے ہین۔ جس چیز کی مخالفت کی گئی ہو وہ البتہ ایسی ہے کہ اوس کی مخالفت اوس وقت کی

حالت کا لحاظ کر کے کرنا چاہیے تھی۔ لیکن استدلال کا شائبہ اس مین بہت کم ہے۔ صرف اس چیز

کی کوشش کی گئی ہے کہ ناظرین کے دل مین استدلال سے نہین بلکہ نفرت کے جذبات برانگیختہ

کر کے اس تحریک کی مخالفت پیدا کی جائے۔ جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے، اون پر غور کرو، اون کا منشا

بس یہی ہے کہ کسی طرح سے تحریک اور محرک دونون کی طرف سے لوگون کو بدظن کر دیا جائے "جلاوطن کا

لفظ اسوجہ سے استعمال کیا گیا ہو کہ ترکون کی طرف سے ہمدردی، اور محرک کی طرف سے غصہ کے جذبات

پیدا کیئے جائین "نعمت گران مایہ" طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ مقصود اس پر خاش کا اظہار ہے۔

جو برطانیہ کو ترکون کے ساتھ ہو۔ "ہماری نظر اون انگلیون پر ہو.......... پڑ رہی ہین"

اس کنایہ سے یہ بتلانا مقصود ہی کہ ہز ہائنس انگریزی دباؤ سے متاثر ہو کر اپنی تحریک پیش کر رہے

ہین "مسلمان" طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو خاص طور سے ان ورڈ کا مین اس وجہ سے رکھا گیا ہو،

کہ لوگ ہز ہائنس سے ہمدردیِ اسلام کی توقع نہ کرین۔" اون کی اصلی انگریزی وضع" یہ بھی ایک حملہ ہی، اور محرک کی انگریز پرستی، کا ذکر کر کے لوگون کو اون کی طرف سے بدظن کرنا مقصود ہی گلیڈ اسٹون کا نیا تناسخ" یہان پر مضمون نگار نے محسوس کیا کہ گلیڈ اسٹون کی پالیسی کا ہز ہائنس آغا خان سے انتساب حقیقت نہین ہی، اون کے خیالات کچھ اور ہین، لہذا بجائے ان الفاظ کو ظاہر کر کے جو ہز ہائنس نے استعمال کئے طنزاً یہ کہا گیا کہ "نیا تناسخ نسبتہً اچھے لفظون مین ہوا ہے"، انصاف کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اون کے اصلی خیالات پیش کر دیئے جاتے۔ مگر ایسا کرنے سے گلیڈ اسٹون کی پالیسی سے اون کی مشابہت ثابت نہ ہو سکتی تھی، اور مضمون نگار کا مدعا یہی تھا کہ گلیڈ اسٹون کا ذکر کر کے ناظرین کے جذبات تنفر اور شدید کر دیئے جائین، ساتھ ہی ساتھ اپنا پہلو بچانے کے لئے یہ جملۂ معترضہ بھی طنزیہ پیرایہ مین لکھ دیا گیا۔

اگر ناظرین مذکورۂ بالا اقتباس کو پڑھتے وقت ہمارے بتائے ہوئے جملون کی اصلیت پر غور کرین، تو شاید وہ اِس تحریر سے زیادہ متأثر نہون۔ لیکن جب کسی چیز کو استدلال کی تیز اور صاف روشنی کی بجائے، تخیل ظرافت اور خوش طبعی کی رنگ برنگ کی روشنیون مین دیکھا جاتا ہے، تو ناظرین اپنی فرحت اور خوشی کے تاثر سے لبریز ہو کر خالص عقلی نقطۂ نظر سے اوسے نہین دیکھتے، طنزاً، اور تمسخر عام طور سے لوگون کے خلاف استعمال کیئے جاتے ہین۔ اور ان سے ناظرین یا سامعین کے دلون مین اپنی فوقیت و برتری کا احساس پیدا ہوتا ہی۔ "گلیڈ اسٹون کا نیا تناسخ" ایک طرف تو لوگون کو ہنساتا ہی لیکن دوسری طرف ہز ہائنس پر انکی ایک طرح کی برتری بھی ظاہر کرتا ہی، وہ اپنے آپ کو اس قسم کی رکیک، حرکات سے ارفع محسوس کرتے ہین، چونکہ مختلف اقسام ظرافت مثلاً کنایہ، ہجو، تلمیح وغیرہ مخاطبین مین اِس طرح فوقیت کا تاثر پیدا کرتے ہین، لہذا ترغیب مین اِن سے بہت کچھ مدد لی جاتی ہی،

ہمارے ناظرین نے شاید یہ خیال قایم کر لیا ہو کہ ترغیب مین ظرافت اور خوش طبعی کا

استعمال سراسر نمائشی اور مصنوعی ہی، اور اس سے صرف ادنیٰ درجہ کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہی،
یا مسئلۂ زیر بحث کو مبہم بنا کر پیش کیا جاتا ہی، ترغیب کے دوسرے وسائل کی طرح اِن کا استعمال بھی
دھوکہ دہی کے لیئے ہوسکتا ہی، لیکن ہمیشہ یہ حالت نہین ہوتی، اگر ان چیزون کا باموقع اور مناسب
استعمال کیا جائے تو ان سے موضوع پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہی، طبائع انسانی کی فطری خامیون
اور جبلّی کمزوریون مثلاً حیلہ بازی، دوفضلہ پن۔ نخوت، نمود کا شوق وغیرہ کے اظہار مین تو اس سے
مفید تر دوسرا ذریعہ ملنا مشکل ہے، اِن کا ناجائز استعمال جب ہی ہوسکتا ہی کہ یہ محض ہنسنے ہنسانے
کے لیئے استعمال کی جائین۔ اور کوئی گہرا مقصد پنہان نہ رکھتی ہون۔ یا مضمون زیر بحث پر ان کا اطلاق
نہ ہوسکتا ہو، لیکن جب ظریفانہ اور تمسخر آمیز پیرایہ مین مسئلۂ متنازعہ فیہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، اور
ناظرین کو اس کے معائب، یا محاسن سے لطیف انداز مین واقف کرایا جاتا ہے، تو اوس صورت
مین ان کا استعمال ناجائز نہین کہا جاسکتا، بیہودہ تمسخر اور سنجیدہ ظرافت مین یہی فرق ہے۔
اودھ پنچ کے پرانے فائل اُٹھا کر دیکھو، تم کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے ادق مباحث (سیاسی اور
معاشرتی) پر ظریفانہ انداز مین تبصرہ کیا گیا ہی۔ اور بناوٹ کے ناصحانہ انداز مین بڑے بڑے والیان
ریاست اور انگلستان کے وزراء کو کیسی کیسی قابل قدر نصیحتین کی گئی ہین،

تمسخر کی ایک خاص قسم جس کا استعمال بہت کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جاتا ہی،
"ہجو ملیح" ہی۔ ہجو ملیح اُسے کہتے ہین کہ واقعات کے بالکل برعکس بات کہی جائے۔ تاکہ موازنہ اور ضد سے
یہ واقعات بہت زیادہ منکشف ہوجائین۔ ایک تو کسی قدر ہلکے رنگ کی ہجو ملیح ہوتی ہی۔ اور اس کا
استعمال اکثر گفتگو مین ہم کرتے رہتے ہین۔ مثلاً کسی دوست سے جب ہم راستہ مین ملتے ہین۔ اور
مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملاقات کا وعدہ کرکے جو وعدہ خلافی کی گئی ہی اوس کی طرف اُسے متوجہ کرائین،
تو ہم کہتے ہین "آپ وعدہ کے بہت پابند ہین، مین نے سُنا ہے کہ آپ کل مجھ سے ملنے آئے تھے۔۔۔۔"

لیکن اِس کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہجو ملیح کی ہی، اور یہ ذرا زیادہ تلخ اور مکمل ہوتی ہی، سخت برہمی اور غصہ اسکے وجود کے لئے لازمی ہین- اور اِس کا استعمال زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہین- جو دلی ناراضی کے ساتھ ساتھ بلند تخیل بھی رکھتے ہون، ایک صاف دل شخص انتہائی غیظ و غضب کی حالت مین اون لوگون کو جنھون نے اُسے ناراض کیا ہی بُرا بھلا کہتا ہے، اور اپنے غصہ کے جذبہ کو صاف صاف ظاہر کر دیتا ہی، لیکن ایک رسا اور بلند تخیل رکھنے والا شخص، اِس سے بھی شدید غصے کے جذبات کو پوشیدہ رکھتا ہے، اور اون کے اوپر ایک نقاب ڈالدیتا ہے تاکہ اپنی فرحت کے ساتھ ساتھ دوسرون کی بھی تفریح ہوتی رہے، اور جو شخص اوس کے غصہ کا نشانہ ہی، وہ نقصان اور شماتت ہمسایہ کا مصداق بنے، جہان تحریر یا تقریر مین ہجو ملیح کا سلسلہ دور تک برقرار رکھنا پڑتا ہے، وہان یہ تمسخر اور مذاق کی نقاب کہین کہین سے ذراسی ہٹا دی جاتی ہی، تاکہ مخاطبین اصلی رنگ کو دیکھ سکین، اکثر اسپیچون مین یہ ہوتا ہے کہ کوئی ظریف شخص کسی نقطۂ خیال کی مخالفت کرنے کے لئے اوٹھتا ہی، لیکن اپنی تقریر مین اوس کے حامیون کی حمایت کرتا ہی، اور آخر مین مصنوعی طور پر خود قائل ہوجاتا ہی- یہ ترکیب سامعین کو اوس نقطۂ خیال کا مخالف بنانے مین بہت کچھ کارگر ہوتی ہی،

ظرافت اور خوش طبعی سے ترغیب کے اساسی اصول، اور اوس کے طریقون پر کافی روشنی پڑتی ہی، اسلیئے کہ ان مین ترغیب کے خاص اجزائے ترکیبی، ذہن متخیلہ اور جذبہ تینون کے تینون باہمی طور پر عمل کرتے رہتے ہین- ترغیب لفظی مین یہ تینون عناصر ہمیشہ ساتھ ساتھ عمل پیرا رہتے ہین- دلائل اور توضیحات مین کوئی ممتاز حد فاصل قایم نہین کی جاسکتی، اسی طرح سے جذبہ کو بھی متخیلہ، اور ذہن کی وساطت سے تحریک پہونچتی رہتی ہے- غرضکہ ان تینون عناصر کا باہمی امتزاج لازمی ہی، لیکن یہ مختلف طریقون پر ہوسکتا ہی، اور مختلف اقسام کی ترغیب

پیدا کرتا ہے، بعض اقسام مین (مثلاً مدلل تقاریر) عنصر ذہنی کی زیادتی ہوتی ہے، بعض مین متخیلہ کی اپیل کا زیادہ حصہ ہوتا ہے، بعض مین جذبی عنصر خاص الخاص اساس ترغیب ہوتا ہے، یہ سوال کہ ان ہرسہ عناصر مین کون سا عنصر کس ترغیب مین زیادہ یا کم ہوگا. ترغیب دہندہ کی شخصیت، اور ایک بڑی حد تک موضوعِ ترغیب پر بھی منحصر ہے،

کتابون، اور تقریرون کی ترغیب کے موضوع

(۱) سیاسی (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشریحی،

عام طور پر، موضوعاتِ ترغیب چار طرح کے ہوسکتے ہین (۱) سیاسی (ان مین معاشی اور معاشرتی مباحث بھی داخل ہین) (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشریحی (۱) و (۲) و (۳) تو صاف ہین، لیکن (۴) تشریح طلب ہے، اس مین وہ جملہ مباحث داخل سمجھے جانا چاہئین جو پہلے تین اقسام مین شریک نہین ہین، لیکن ان سے عام طور پر بحث کی جاتی ہے، اور ان مین ترغیب کے عناصر پائے جاتے ہین، ماضی کے سبق آموز نتائج، واقعات حالیہ کی تعبیر، نئی تحریکات کی ابتدا، مشہور آدمیون کی یادگار قائم رکھنے کی تدبیرین، یا تفریح آور مباحث، یہ سب اسی عنوان کے تحت مین آتے ہین، اُن کو تشریحی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ان مین خیالات کا اظہار اور انکشاف اور ان کی تحقیق وغیرہ کا زیادہ دخل ہوتا ہے، تم دیکھو گے کہ ہم نے خالص علمی مباحث کو ترغیب کا موضوع نہین قرار دیا ہے، یہ اسلیے کہ عام طور پر ان کا استعمال طرز عمل اور معتقدات کو متاثر کرنے کے لیے نہین کیا جاتا، ہان جب ایسی صورت ہو، تو اوس وقت اونکی اہمیت بھی ترغیبی ہوجاتی ہے،

انسانی طرز عمل پر مذکورۂ بالا موضوعات کا مختلف اثر ہوتا ہے

ہر عمل ترغیب کا ایک مشترک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اوس مین اوّلاً تو انسانی طرز عمل سے بحث ضرور ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے، کہ

مستقبل کی طرف اشارہ بھی ضرور ہوتا ہے، ہر سہ عناصر مین سے کسی ایک کا زیادہ یا کم ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس مین انسانی طرز عمل اور مستقبل سے کم بحث کیگئی ہے، یا زیادہ، سب سے پہلے ہم شق اول کو لیکر یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ ہمارے بتائے ہوئے موضوعات ترغیب مین سے ہر ایک اسے کس حد تک متاثر کرتا ہے،

مدبر سلطنت، سیاست دان، اور وکیل، ان تینون کی ترغیب کا ماحصل یہ ہوتا ہے کہ لوگون کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کرین، مثلاً پہلے دو حضرات اس کوشش مین رہتے ہین کہ اپنی ترغیبانہ تحریرون اور تقریرون سے لوگون کو کسی خاص پارٹی یا شخص کو "ووٹ" دینے کے لئے تیار کرین، یا کسی خاص پالیسی کا ان کو موافق یا مخالف بنائین، وکیل کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ جج اور جوری کو اپنی جادو بیانی سے متاثر کرکے، اپنے مقدمہ کی کامیابی کی صورت پیدا کرے، ان تینون کے برخلاف (جنکا مقصد کسی خاص طرز عمل کی پیروی ہے) مذہبی واعظون کی ترغیب جس طرز عمل کے متعلق ہوتی ہے وہ خاص نہین، بلکہ عام ہوتا ہے، ان کا مقصد عام حالت کی درستی ہوا کرتا ہے، اور اسی لیے اگرچہ اونکی بعض ترغیبات کسی خاص طرز عمل سے متعلق ہوتی ہین، لیکن زیادہ تر ان مین طرز عمل، کا حلقہ وسیع ہوتا ہے،

'تشریحی، موضوع ترغیب مین، بقیہ تین موضوعون کے برخلاف، طرز عمل کی طرف بہت کچھ مبہم اشارہ ہوتا ہے، اور اکثر اوقات تو یہ 'عمل' سے بحث ہی نہین کرتین، مثلاً اگر کسی مشہور عالم کی سوانحعمری، خالص علمی بنیاد پر مرتب کیجائے، تو یہ صرف 'ذہن' کو تحریک دے سکتی ہے اور جذبہ یا تخیل سے اپیل نہین کرتی، اس قسم کی علمی اور اصطلاحی بحثون کو ہم "ترغیب" کے مفہوم مین شامل نہین کرسکتے، لیکن اگر یہی سوانحعمری اس طرح تیار کیجائے کہ اس مین ناظرین کو کسی خاص طرز عمل یا کسی خاص بطل (ہیرو) کی مثال کی تقلید کی ترغیب دی گئی ہو، یا کم ازکم اونھین یہ شوق

پیدا کر دیا جائے کہ اس موضوع پر اور اضافہ خیالات کرین، تو اس صورت مین اس کتاب کی حیثیت بھی اچھی خاصی ترغیبی ہو جائے گی،

مستقبل کی طرف اشارہ

ہم دیکھ چکے ہین کہ ہر ترغیب مین انسانی طرز عمل سے بحث لازمی ہے، اسی طرح سے بالواسطہ، یا بالراست ہر عمل ترغیب کا تعلق مستقبل سے بھی ہوتا ہے، ترغیب دہندہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے اعتبار سے اپنے مخاطبین کے موجودہ طرز عمل کو بدلے، صرف موجودہ حالت سے بحث نہین کیجاتی، مثلاً جو چار موضوع ہم اوپر بتا چکے ہین، ان مین دیکھو، تو مستقبل بالواسطہ یا بالراست بحث ضرور پاؤگے، مدبر سلطنت، اور سیاست دان زیادہ تر مستقبل کو سامنے رکھکر ترغیب دیتے ہین، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حالات کی خامی دکھاکر اپنے مخاطبین کو آئندہ ان خامیون سے پاک کر دین، ہندوستان مین جتنی سیاسی جماعتین دیکھوگے یہی نظر آئے گا کہ ہر ایک اپنے خیال کے موافق مستقبل کی تاسیس مین مصروف ہے، ترک موالاتی "مستقبل کی سوراج" کو سامنے رکھکر جد وجہد کی تلقین کرتے ہین، لبرل فرقہ مستقبل کا "اقتدار" اور عہدہ سامنے رکھکر اپنی تبلیغ واشاعت علیحدہ کرتا ہے، یہی حال مذہبی ترغیبات کا ہے، مخاطب کو آئندہ اعمال صالح کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے، اور صرف مستقبل ہی نہین، بلکہ حیات بعد الممات کو بھی سامنے رکھکر موجودہ طرز عمل کی درستی کی نصیحت ہوتی ہے، "دوسری دنیا" کا ذکر تقریباً ہر مذہب کی ترغیبون مین ہوتا ہے، وکیل، جج اور جوری کو اس خیال سے ترغیب دیتا ہے کہ مستقبل قریب مین وہ اس کے موافق مقدمہ کا فیصلہ کرین، "تشریحی" موضوع ترغیب مین البتہ مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ نہین کیا جاتا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس مین زیادہ تر تعریف یا الزام کا دخل ہوتا ہے، طرز عمل سے بھی (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین،) اس مین بحث نہین ہوئی، لیکن پھر بھی تھوڑا بہت خیال آئندہ کا اس مین بھی داخل ہے،

ترغیب مین، جہان ایک طرف مستقبل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، وہان ماضی اور حال کو بالکل نظر انداز بھی نہین کیا جاتا، عدالتون مین وکلا، ماضی کے قصص پارینہ چھیڑتے ہین نظائر کی تلاش کیجاتی ہے، مقدمات کا حوالہ دیا جاتا ہے، سیاست دان بھی ماضی کی تنقید وتمثیل سے باز نہین رہتا، اور ماضی کے خراب اثرات کی طرف اشارہ کر کے موجودہ خراب حالت کی توجیہہ کرتا ہے، مذہبی واعظ بھی گذشتہ سے بحث کرتے ہین، گذشتہ بداعمالیون کے موجودہ مضر اثرات، یا گزشتہ صالح اعمال کے موجودہ اچھے اثرات سے لوگون کو واقف کر کے انھین ترغیب دیتے ہین،

سیاسی اور مذہبی موضوعاتِ ترغیب مین بقیہ دو کی بہ نسبت مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ پایا جاتا ہے، اسکی ہم ابھی ابھی تشریح کر چکے ہین، یہی وجہ ہے، کہ ان اقسامِ ترغیبات مین توضیح، مقابلہ، موازنہ، مثالون کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہے، کیونکہ یہ چیزین گزشتہ سے موجودہ، اور موجودہ سے آئندہ تک ہماری رہبری کر سکتی ہین، بیان کا حصہ ان دونون اقسام مین ذرا کم ہے، اور وہ اسلیے کہ مستقبل کے متعلق بیان ذرا مشکل ہے، تاہم گذشتہ وموجودہ حالات کی بنا پر جب مستقبل کی تعبیر کیجاتی ہے، تو اس مین قوت بیانیہ کا اچھا خاصہ دخل ہوتا ہے،

جذبی عنصر سے بھی ان دونون مین اچھی طرح کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص سیاسی مباحث مین تو جذبات کا بہت کچھ دخل ہے، متعدد جذبات کو شہ دیجا سکتی ہے، اس لیے کہ کسی خاص طرز عمل کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن مذہبی مباحث مین چونکہ مقصد ترغیب بہت کچھ گہرا ہے، اور متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بحث کرنا پڑتی ہے، اس لیے جذبات کا حلقہ اس موضوع مین ذرا تنگ ہے، ظاہر ہے کہ ایک سیاسی مقرر کے پاس اپنی کامیابی کے لیے تمسخر، تضحیک، طعن، طنز، ہجو ملیح وغیرہ سبھی حربے موجود ہین، لیکن مذہب مین ان کا استعمال

اوسکی حرمت اور شان کے منافی ہے، استدلال کے استعمال کے لحاظ سے بھی یہ دونون مختلف ہین، ہر سیاسی مقرر اپنی تقریر کو واقعات سے ثابت کر سکتا ہے، مشاہدات بھی ممکن ہین تجربات مین اضافہ بھی ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن مذہبی بحثون مین جہان معاد، حشر، روحانیت حیات بعد الممات، اور اس طرح کے دوسرے مابعد الطبیعی مسائل درپیش رہتے ہین، تجربہ اور مشاہدہ کی گنجائش نہین رہتی، اور ایک مذہبی مقرر ہمیشہ روایات سند کی بناپر بحث کرتا ہے، مذہب کی جو مخالفت، جدید "تعلیم یافتہ" طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، لیکن کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانہ جدید مین روشنخیال علماء، علوم جدیدہ اور مذہب دونون مین کامل دستگاہ رکھنے لگے ہین، اور بہت سے مافوق الفہم مسائل کو ایسے دلائل کی رو سے سمجھا سکتے ہین جنھین تنگ نظری کا لگاؤ نہین ہوتا،

قانونی اور توضیحی مباحث مین زیادہ تر گذشتہ اور حال سے بحث کیجاتی ہے، قانونی ترغیبات زیادہ تر ماضی پر مبنی ہوتی ہین، اسی لیے قوت بیانیہ کا ان مین زیادہ حصہ ہوتا ہے تشریحی مباحث مین توضیح اور تخئیل آرائی لازمی شرطین ہین، استدلال کا قانونی بحثون مین زبردست حصہ ہوتا ہے، کیونکہ ماضی کے نظائر سے حال کے واقعات کا اندازہ لگانے مین دلیل کی بہت گنجائش ہے، ہر دو اقسام کے دلائل استعمال کئے جاتے ہین، لیکن زیادہ تر دلیل استقرائی سے کام لیا جاتا ہے، خاص خاص مثالون اور واقعات کا بیان کرنے کے بعد، وکیل ایک عام نتیجہ اخذ کرتا ہے، اور اس عام نتیجہ کا مقدمۂ زیر بحث پر اطلاق کر کے، جج اور جوری کو ترغیب دیتا ہے، تشریحی مباحث مین دلائل کا اتنا استعمال نہین ہوتا، جذبات کی اپیل بھی ان دونون مین بہت کم ہوتی ہے، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ وکیل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کیا جائے، لہذا قانونی بحث مین

جذبات سے اپیل ضرور ہونی چاہیئے، اکثر بحثون مین جذبات سے اپیل کی بھی جاتی ہے، جن لوگون نے محترم مولانا محمد علی کی وہ تقریر جو انھون نے اپنے مقدمہ مین پونا کے جج کے سامنے کی تھی، پڑھی ہے وہ اس مین کسی قدر جذبات کا شائبہ پائین گے، خاصکر وہ حصہ جہان پائیلیٹ (ROMAN PILATE) اور حضرت عیسیٰ کی مثالین دیگئی ہین، جذبات سے لبریز ہے، ہم اس تقریر کو مثالاً اس لیے پیش کر رہے ہین کہ قانونی حیثیت سے یہ تقریر فاضل سے فاضل وکیل کی بحث کے مقابلہ مین رکھی جا سکتی ہے، ایسا بہرحال شاذ ونادر ہوتا ہے، اور مدتون تک قانونی عدالتون مین جذبات کی بحث سننے مین نہین آتی، قانونی بحثون مین جذبات سے بحث نہ لینے کے متعلق ذیل کے وجوہات پیش کیے جا سکتے ہین،

۱- عدالت مین مخاطبین، چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہین، اور سیاسی جلسون کی طرح بڑی بڑی اور مختلف خیالات کے لوگون کی جماعت نہین ہوتی،

(۲) بہت سے معاملات کا حسب دلخواہ تصفیہ صرف قانونی اصطلاحات استعمال کر کے ممکن ہے،

(۳) جج کو ٹھنڈے دل سے اظہار خیال کرنا پڑتا ہے، جذبات سے متاثر ہونا اوسکی حاکمانہ شان کے منافی ہے اس سے ناجائز طرفداری پیدا ہو سکتی ہے،

(۴) وکلا کو اس بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اونکا مخاطب جج ہے، جو ہر بات کو قانونی عینک سے دیکھتا ہے، اور صرف جذبات کی اپیل پر کان نہین رکھ سکتا،

اب تک ترغیب کے جن جن اقسام کو ہمنے دیکھا ہے، ان مین سے ہر ایک کا ناجائز استعمال ممکن ہو سکتا ہے، اس کے ذریعہ سے زعماء اپنی مقصد برآری بالکل ناجائز طریقون سے کرتے ہین، غلط استدلالات کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسی ایسی مثالون اور توضیحات سے کام

لیا جاتا ہے جو مخاطبین کی توجہ اصل موضوع سے ہٹا کر دوسری طرف مائل کردین، صداقت نمائی کے پیرایہ مین جھوٹ باتین بیان کیجاتی ہین، مخاطبین مین فوقیت کا اظہار پیدا کرنے اور اپنے مخالف کو ذلیل کرنے کے لیے ہجو ملیح کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسے ایسے جذبات سے اپیل کیجاتی ہے، جو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق ہی نہین رکھتے، واقعات کو غلط روشنی مین پیش کیا جاتا ہے، مخاطبین کے جذبات خوف، رشک، خواہش اقتدار، اور مخفی تحریکات سے ناجائز طور پر کاربرآری کیجاتی ہے، یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن اگر ہم خود اپنی حالت پر غور کرین، تو ان کا شائبہ ہم کو اپنی ذات مین بھی نظر آئیگا جونہی ہم کسی مبحث پر منھ کھولتے ہین، یا قلم اٹھاتے ہین، ہم بھی زعیم بنجاتے ہین، کوئی مقرر کیسا ہی صاف دل کیون نہ ہو پھر بھی جب وہ اپنی ترغیب کا آغاز کرتا ہے تو تہدید یا خوشامد کو کسی نہ کسی شکل مین، غیر شعوری طور پر استعمال کرہی جاتا ہے، خواہ یہ استعمال بے غرضانہ ہی کیون نہ ہو،

ترغیب مین، ع

ہرچہ برخود نہ پسندی، بہ دیگران مپسند

کے مقولہ پر عمل ہونا چاہیئے، جو ذہنی کیفیات خود ہمارے دماغ مین پیدا ہوچکی ہون، دوسرون کو ترغیب دیتے وقت اونھی کیفیات کو ان مین بھی پیدا کرنا چاہیئے، جو خیالات ہم مین موجود نہ تھے انھین دوسرون مین بھی پیدا نہ کرنا چاہیئن، جو دلائل خود ہم نے استعمال نہین کئے ہین، انھین دوسرون کے سامنے بھی استعمال نہ کرنا چاہیئے، اگر ایسا کیا جائے، تو خود ہماری ترغیب منطقی نقطۂ نگاہ سے غلط ہی کیون نہ ہو، لیکن کم از کم صاف دلی تو اس مین ضرور پائی جائیگی، لیکن سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اچھی طرح نہین جانتے اور ہماری ذاتی ترغیبات بھی غیر شعوری خواہشات اور تحریکات پر مبنی ہوتی ہین، ان کے فریب سے بچنے

کی ترکیب یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی ان تحریکات کو ذہن اور شعور کی روشنی مین دیکھین، اگر یہ کیا جاے تو البتہ ہماری ترغیبات زیادہ باطل اور پر فریب نہ ہو سکین گی، بلکہ غیر شخصی اور موضوعی ہونگی، ذاتیات سے اون مین بحث نہ ہوگی،

باب ہشتم

مستقبل کی ترغیبات،

زمانہ جدید کا رجحان، شخصیت کی عظمت، آئندہ ترغیبات کا رخ

چند حالیہ تغیرات

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرت انسانی کبھی تبدیل نہین ہوتی، ہمیشہ ایک ہی سی رہتی ہے، اس بیان سے اگر یہ مراد لیجائے کہ انسانی فطری خامیان، اور جبلی کمزوریان زمانہ کے ساتھ تبدیل نہین ہوتین، تو یہ البتہ کسی قدر سچ ہے، لیکن انسانی دماغی رجحانات ضرور تغیر پذیر ہین، زمانہ کی گردش نے جو اثر افراد، اور اقوام کی دماغی حالت پر کیا ہے، اوسکی مثالین ہر طرف نظر آرہی ہین، جاپانی قوم کی خصلت مین تھوڑے ہی سے زمانہ مین کیا کچھ تبدیلیان نہ ہوگئین، ہندوستانیون کے نقطۂ خیال کی تبدیلی، افغانی قوم کی وسیع النظری اور قدامت پسندی کو چھوڑ کر جدید باتون کی طرف ان کا میلان، یہ سب باتین بھی بہت تھوڑے ہی عرصہ مین ظہور پذیر ہوئی ہین، افراد کی ترغیبات بھی اسی طرح بدلتی رہتی ہین، زمان اور مکان کی خاص خاص تبدیلیان ان کو بھی اپنے ہی رنگ مین رنگ دیتی ہین،

ابھی کچھ دنون پہلے تمام متمدن اقوام مین ایک عام رجحان یہ پیدا ہوگیا تھا کہ علوم صحیحہ کے مسائل ونتائج کا انطباق، انسانی مباحث، امور معاشرت، سیاست، وغیرہ پر بھی کیا جائے ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ انسان بے جان پتلی اور آہنی کل پرزون کا مجموعہ نہین، بلکہ احساسات

جذبات، اور خیالات کا پتلا ہے، موجودات غیر ذی حس کی تم حسب دلخواہ تقسیم وتبویب کر سکتے ہو، اپنی مرضی کے مطابق ان پر تجربات کر کے ان کے متعلق کلیات قائم کر سکتے ہو، لیکن معاملات انسانی مین ایسا ہونا قطعًا ناممکن ہے، خود کوئی شخص اپنے متعلق یہ حکم نہین لگا سکتا کہ فلان حالات وعوارض مین وہ فلان طرز عمل اختیار کرے گا، جب اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا تو خفیہ دباؤ اور انتفاع ناجائز کا ظہور ہوا، جماعتی امتیازات وخصوصیات پہلے سے زیادہ معین ہوگئین اور ہر شخص اپنی جماعت کی فکر کرنے لگا، بجائے انفرادیت اور شخصیت کی عظمت کے، سب کو ایک ہی قانون کے ماتحت فرض کر لیا گیا، متمول سرمایہ دارون کی دولت مین ذرا سے اضافہ کی خاطر انسانی ہستیون کا بے جان آلون کی طرح استعمال کیا گیا، اور انکے جذبات واحساسات کو بکمال خود غرضی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا،

کسی قدر مقام شکر ہے کہ اب اس حالت کا رد ہونا شروع ہوا ہے، لوگ محسوس کرنے لگے ہین کہ اس نقطۂ خیال کی پابندی جماعتون، اور قومون کی لڑائی کا باعث ہوتی ہے، جنگ نے ہماری آنکھین کھولدی ہین، اور ہم صاف طور پر دیکھ رہے ہین کہ کیسی ہی قوی سے قوی سلطنت کیون نہ ہو، اگر دوسری سلطنتون یا قومون کو مطلب برآری کے آلہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیگی تو نقصان اٹھائیگی، شخصیت کی عظمت کا سبق جنگ ہی نے ہم کو سکھایا ہے، اب خود وہ شخصیت' افراد کی ہو، یا قومون کی اعلیٰ ہو یا ادنی، اگر انسان افراد، اور فرقون کی ترقی کی خواہش رکھتا ہے، تو اُسے اپنی آئندہ ترغیبات مین اس اصول کی پابندی کرنی چاہیئے، زندگی کے ضروری شعبون مثلاً، فن تعلیم وتربیت، سائنس، سیاسیات، معاشیات وغیرہ مین ہم کو اس تبدیلی کے آثار بھی نظر آنے لگے ہین

فن تعلیم اور سائنس پر ان تغیرات کا اثر

آج کل "فن" کا خاص الخاص معیار یہ مانا جاتا ہے کہ انسانیت' کے عمیق اور پوشیدہ پہلوؤن پر نظر ڈالی جائے، صرف مظاہرات سے قیاس نہ کیا جائے، بلکہ

عورتون اور مردون کے انفرادی خیالات، تخیلات اور جذبات کو ظاہر کیا جائے، جدید ترین ناولون
مین یہ بات خاص طور پہ مد نظر رکھی جاتی ہے، بجائے فتح و شکست کے کارنامون، یا حسن و محبت
کے افسانون کے آج کل کی ناولین طبیع انسانی کے نفسیاتی مطالعہ پر بہت زور دیتی ہین، فرضی
کے بجائے اصلی اور حقیقی زندگی سے بحث کیجاتی ہے، انسانی طبیعتون مین جو انفرادی اختلافات
پائے جاتے ہین، انھین ظاہر و روشن کیا جاتا ہے، اس تبدیلی سے ظاہر ہے کہ اس مخصوص شعبہ مین
لوگون کو شخصیت کو پامال کرنے کے بجائے اسے اس کے مناسب حال عظمت، دینے کا خیال پیدا
ہو چلا ہے، یہ خیال جائز ترغیب کی ضروریات مین سے ہے، شفقت، تحمل، جبر و طاقت کا استیصال
یہ باتین اسی خیال سے ظاہر ہو سکتی ہین،

فن کی طرح کسی ملک کا رائج الوقت نظام تعلیم بھی اس وقت کے ملکی اور قومی رجحانات کا اچھا
خاصہ مظہر ہوتا ہے، چنانچہ تعلیم مین بھی ہم کو انفرادیت کا میلان نظر آتا ہے، آج تک جماعتی تعلیم ہر
قومی نظام تعلیم کا بڑا جز تھی، کئی کئی طلبا اپنی ظاہری مساوات استعداد کے لحاظ سے ایک جماعت
مین شریک کر دیئے جاتے تھے، اور ایک ہی طریقہ تعلیم سے ان کو فیض حاصل کرنے کا موقع حاصل تھا،
لیکن پیمائش ذہنی (Intelligence Tests) اور دوسرے جدید ترین نفسیاتی وسائل کی مدد سے اب معلوم ہو گیا ہے، کہ
لڑکون کو اس طرح جماعتون مین تقسیم کرنا درست نہین ہے، ہر لڑکا مختلف استعداد ذہنی، اور
صلاحیت رکھتا ہے، جماعت بندی، کی بدولت قابل طلبا اپنی قابلیت کے اندازہ کے موافق ترقی
نہین کرنے پاتے، اور جو ناکارہ ہوتے ہین ان کی درستی کی کوئی خاص ترکیب نہین کیجاتی، امریکہ
اور انگلستان مین جدید نظام تعلیم انھی اصولون کی بنا پہ مرتب کیا جا رہا ہے، انفرادی کوشش
اور سعی کو زیادہ قابل ترجیح خیال کیا جاتا ہے، نئے نئے تعلیمی طریقے ایجاد کئے جا رہے ہین جن سے
کہ انفرادی طور پہ ہر لڑکے کی اس کے ذہنی اور دماغی استعداد کے اندازہ سے تعلیم و تربیت کیجا سکے،

اب تک مدرس جماعت کو بحیثیت مجموعی پڑھاتا تھا، سوالات وجواب کے علاوہ کوئی اور ذریعہ انفرادی جد وجہد کے مستقل کرنے کا نہ تھا، اب استاد بہت کم گفتگو کرتا ہے، اور طلبار انفرادی طور پر زیادہ کام کرتے ہین، شخصیت اور انفرادیت، کی عظمت کی یہ دوسری روشن مثال ہے،

شعبۂ سائنس کے بعض جدید انکشافات، اس مین بھی مذکورۂ بالا رجحانات کی موجودگی کا پتہ دے رہے ہین، نفسیات مین جسکی حیثیت آج تک علوم صحیحہ کی سی مانی جاتی تھی، اب انفرادی اختلافات اور تغیر پذیر شخصی و ذاتی عوامل پر بہت کچھ زور دیا جارہا ہے، منطق استقرائی کا حلقۂ اثر بھی بہت کچھ وسیع ہوگیا ہے، کسی نتیجہ کا استقرار کرتے وقت صرف مادی اور طبیعی واقعات کی بنا پر فیصلہ نہین کیا جاتا ہے، بلکہ نفسیاتی واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے، بالخصوص جذبات، الہامات فطری، جبلی رجحانات کا لحاظ ہر انسانی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ضرور کیا جاتا ہے، ان مادی حالات وعوارض کے علاوہ جنکے ماتحت ہمارے افعال سرزد ہوا کرتے ہین، ان احساسات اور تاثرات کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے، جو ان افعال کے محرک ہوتے ہین، یہ چیز بھی شخصیت کی طرف ہمارے میلان کا کافی ثبوت ہے، سیاسیات مین، لوگون کے سیاسی رجحانات، مدنیت کی طرف ان کا میلان، خواہشِ اقتدار، حب الوطنی، غرور، جنگ پسندی، ذاتی محبت ان سب باتون کو مدنظر رکھا جاتا ہے، اور انسانی معتقدات اور افعال پر ان کے اثر کو تسلیم کیا جاتا ہے،

ہر اہم مسئلہ مین انسانی طبیعت اور اسکے متعلق جو کچھ معلومات ہوتی ہین، اسے بھی اہمیت دیجاتی ہے، اس کی توضیح ذیل کے واقعات سے بخوبی ہوتی ہے،

ا۔ جنگ کے شروع مین انگلستان مین ایک کثیر تعداد انسدادِ مے نوشی کی حامی تھی، عقلی اور استدلالی لحاظ سے اس تجویز کے موافق دلائل بھی بہت کچھ قوی تھے، اور سب کو یقین تھا کہ عنقریب شراب فروشی کو بند کرنے کا قانون جاری ہونے والا ہے، لیکن ایسا نہین ہوا،

زبردست سیاست دانون نے محسوس کیا کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے دلون مین اس خیال نے اعتقاد کی شکل اختیار کرلی ہے، کہ شراب نوشی سے اون کی کارکردگی مین اضافہ ہوتا ہے، اور اس کا انسداد انفرادی آزادی پر حملہ ہوگا، ان لوگون کے جذبات کا لحاظ کرکے مدبران سلطنت نے اپنی تجویز کو بدلدیا، اور کہتے ہین کہ جتنی زیادہ آمدنی شراب فروشی سے دوران جنگ مین ہوئی اتنی پہلے کبھی نہین ہوئی تھی،

۲- انگلستان مین جب جبریہ فوجی خدمت کا زور شور تھا اس وقت آئرلینڈ کو بھی اس مین شامل کرنے کی تجویز کیگئی تھی، تجویز معقول تھی، آئرلینڈ حکومت انگلستان کا جز تھا، اس کی حمایت سے فائدہ اٹھاتا تھا، اور انگلستان کو لڑنے والون کی بہت کچھ ضرورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ تجویز بھی مسترد کردی گئی، آئرلینڈ کی کیتھلک آبادی کے جذبات کا لحاظ کیا گیا، اور جبریہ فوجی خدمت سے وہان کے لوگ بری کردیئے گئے،

۳- ذیل کی مثال سے معلوم ہوگا کہ ججان عدالت بھی جو عام طور پر نظائر، اور سند پر اعتماد کامل رکھتے ہین اور ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہین کرتے، کس طرح وقتیہ رجحانات، اور جذبات سے متاثر ہوکر وسیع النظری سے کام لینے لگتے ہین،

دارالامرا کے سامنے ایک وراثت نامہ کو منسوخ قرار دینے کے متعلق اپیل پیش ہوئی، ایک شخص نے کچھ جائداد Secular Society کے نام چھوڑی تھی، اور اس کا مصرف یہ بتایا گیا تھا کہ "وقتاً" فوقتاً مختلف طریقون سے اس اصول کی حمایت کیجائے کہ انسانی . . . طرز عمل کی بنیاد طبعی معلومات پر ہو نہ کہ مابعد الطبعی، اور حیات مابعد الممات پر، اور بجائے اس کے کہ لوگون کو یہ ہدایت کیجائے کہ "اپنی زندگی" دوسری دنیا کی زندگی کو پیش نظر رکھکر بسر کرین، ان کو یہ تلقین ہونا چاہیئے کہ خیالات اور اعمال کا منتہی انسانی بہبودی کو قرار دین" وصی کے وارث قانونی نے اس

وقف کی منسوخی کی درخواست اس بناپر دی کہ یہ خلاف قانون ہے، اور اس سے عیسویت، اور دوسرے مذاہب کا ابطلان ہوتا ہے،

جسٹس Joyce جوئیس نے اس درخواست کو مسترد کر دیا، اور محکمۂ اپیل سے بھی یہ نامنظور ہوئی۔ لیکن جب اپیل دارالامرا کے سامنے پیش ہوئی تو لارڈ چانسلر نے اپیل کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، اون کا استدلال یہ تھا کہ زمانہ کے رجحان کی وجہ سے اصول قانونی کیون بدلے جائین، اگر ایک کام قانوناً برا ہے، توحالات کی تبدیلی اوسے اچھا کس طرح بنا سکتی ہے، یہ اور بات ہے کہ خود وہ قانون ہی جو اس فعل کو برا قرار دیتا ہے بدل دیا جائے، اس استدلال سے عدالتون کا قدامت پسندی کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن جب رائے لینے کی نوبت آئی، تو غلبۂ آرا سے اپیل مسترد کر دیگئی، اور وہ زمین وقف کے قبضہ ہی مین رہی،

کیا ہندوستان کی حکومت بھی وسیع النظری، اور احساسات کے پاس ولحاظ کی ایسی مثالین پیش کر سکتی ہے؟

کسی مسلمہ اصول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کارآمد نہ فرض کر لینا، اور یہ سمجھنا کہ بعض حالات کے اضافہ یا واقعات کی تبدیلی سے اس مین تبدیلی کا امکان ہے، ترغیب جائز، کا محرک ہوتا ہے، وہ اصول ہی غلط ہے کہ جس مین تمام ضروری متعلقہ باتین شامل نہ کر لی گئی ہون، یا ان کا لحاظ نہ کیا گیا ہو، یہان تک تو کسی کو بھی کچھ اعتراض نہین ہو سکتا، لیکن اگر معاملہ کی دوسری سمت نگاہ دوڑاؤ تو یہ بھی ممکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی اصول کو جو حقیقی معنون مین سچا اور قابل عمل ہو، محض اس وجہ سے مسترد کر دیا جائے کہ بعض عارضی اور فرضی نئے حالات رونما ہوئے ہین جنپر اس اصول کا انطباق نہین ہوتا، بعض حاکمانِ عدالت جو جذبات کی اپیل سے مرعوب ہو جاتے ہین، ایسا ہی کرتے ہین، اور انسانی جذبات کے پاس ولحاظ مین اس حد تک مبالغہ سے کام لیتے ہین کہ اصول کی صداقت

کو قربان کر دیتے ہین، مثلاً کوئی سپاہی جنگ پر چلا گیا، وہان وہ چھ یا سات سال تک رہا، وہان سے واپس آکر اس نے اپنی بیوی کو بے وفا پایا اور جوش رقابت مین کوئی خلاف قانون جرم مثلاً قتل عمد یا ضرب شدید وغیرہ اس سے سرزد ہوا، اکثر جج صاحبان نے ملزم کو ایسی صورتون مین رہا کر دیا ہے، اور انسانی جذبات (جوش رقابت، انتقام وغیرہ) کی قربان گاہ پر ایک اہم قانونی اصول (قتل عمد کی سزا موت ہے) کو نذر کر دیا، اکثر اوقات ایسے فیصلون کے جواز کی کوشش ان الفاظ مین کیجاتی ہے کہ یہ "قانون غیر منضبط" (UNWRITTEN LAW) پر مبنی ہین، یہ ایک صریح تلبیس ہے، اس سے انکار نہین کہ بہت سے مسلمہ اصول ضروری واقعات وحالات کو فروگذاشت کر دیتے ہین، اور ان مین ضرور تبدیلی ہونا چاہیئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے اصول ایسے بھی ہین جو فی الواقع مسلمہ ہین، اور جن کے وضع کرتے وقت تمام ضروری باتون کا لحاظ رکھا گیا ہے، صداقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی اصول کو مسترد کرتے وقت، یا اسے آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے پہلے مذکورۂ بالا باتون کا ضرور لحاظ کیا جائے،

ترغیب مین کمی (Quantitative) طریقون کا استعمال،

جہان ایک طرف، عصر جدید کا تقاضا یہ ہوتا جاتا ہے کہ ترغیبات مین وسیع النظری کو دخل دیا جائے، وہان ساتھ ہی ساتھ ترغیب کے کمی یا مقداری طریقون کے استعمال کا رجحان بھی پایا جاتا ہے، صرف عام اصول اور کلیات لوگون کی تشفی کے لیے کافی نہین رہے ہین، وہ واقعات چاہتے ہین اور واقعات بھی کیسے؟ جو اتنے واضح اور معین طور پر بیان کئے گئے ہون کہ اخذ نتائج مین ان سے مدد ملے، اس رجحان کا عام ترین نتیجہ ترغیب مین اعداد وشمار کا استعمال ہے، حکومت کا ہر شعبہ ان کا استعمال کثرت کے ساتھ کرتا ہے، اور اگر نہ کیا جائے، تو اخبارات اسکی طرف توجہ دلاتے ہین، اور گورنمنٹ کو تفصیلی حالات ظاہر کرنے پر مجبور کرتے ہین، اس قسم کے اعداد وشمار سے صحیح اندازہ لگانے مین

بہت کچھ مدد ملتی ہے، گذشتہ زمانہ مین اعداد و شمار کا وجود نہ تھا اور معطیات، (DaTa) کی طرف سے مجبور رہو کر لوگ صحیح نتائج کا استقصا نہین کر سکتے تھے، آج یہ کمی بڑی حد تک پوری ہو گئی ہے،

اعداد و شمار کی اہمیت ترغیب مین بہت کچھ ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے ہم کسی حالت کا صحیح صحیح تصور کر سکتے ہین، اور اسے وضاحت کے ساتھ اپنی آنکھون کے سامنے دیکھ سکتے ہین، ساتوین باب مین عنصر تخیلی کے استعمال سے بحث کرتے وقت ہم نے جو اقتباس، جان برائیٹ صاحب کی تقریر کا دیا وہ اسی قسم کی ترغیب کی بھی ایک مثال ہے، ۱۲ ارب پونڈ کا تصور دلانے کی کوشش کس قدر واضح طور سے کیگئی تھی، ذیل کی مثال بھی اسی قسم کی ترغیب کی ہے۔ "دوران جنگ مین جب ہر شیڈ مین (Herr Scheidemann) ریشتاگ (ReichsTag) کے سامنے یہ سوال پیش کر رہے تھے کہ باہمی مراعات دے کر صلح کر لیجائے تو آپ نے فرمایا۔

"فرض کرو کہ باہمی سمجھوتے کی بنا پر صلح کرنے کا دن گزر گیا، اور اس کے ۱۰۰ دن بعد تک لڑائی جاری رہی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ۵ کرور پونڈ زائد صرف ہو جائینگے، اس زاید صرف مین مقامی طبقون کا بار، معاشی زندگی کے ناقابل تلافی صدمات اور ان قربانیون کا شمار نہین کیا گیا، جو بے شمار خاندانون کو اپنے ارکین کے مصروف جنگ رہنے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑینگی، اگر روزانہ ۱۲۰۰ جرمن مقتول اور ۳۰۰۰ مجروح ہون تو سو دن کا تخمینہ ۳ لاکھ مجروحین اور ایک لاکھ بیس ہزار مقتولین ہوتا ہے، فتحمندی کی یہ کیسی خوشنما تصویر ہے؟"

اعداد و شمار کے علاوہ ترغیبانہ خیالات کے کمی یا مقداری اظہار کی اور صورتین بھی

ممکن ہین، بقول ایک انگریزی مصنف کے بعض اوقات ایک تصویر، اعداد کی کئی قطارون کی بہ نسبت کہین زیادہ وضاحت سے اصل صورتِ حالات کا اظہار کرسکتی ہے، اور زیادہ آسانی سے حافظہ مین محفوظ رہ سکتی ہے، آغازِ جنگ سے ۱۹۱۹ء تک مصروفِ پیکار ملکون کی سالانہ آبادی ترسیم (Graph) کی شکل مین ظاہر کیجائے تو وہ گنجلک ہندسون کی قطارون سے کہین زیادہ آسانی کے ساتھ آبادی کی کمی کو ظاہر کرسکتی ہے، اخراجاتِ جنگ کے متعلق "پنچ" کا کوئی ظریفانہ کارٹون جس مین ترازو کے ایک پلڑے مین ایک گولا (شیل) رکھا ہو، اور دوسری طرف پونڈ کا انبار ہو، دیکھنے والون کو مختلف اعداد و شمار سے کہین زیادہ روشن تصور اخراجاتِ جنگ کا دلاسکتا ہے۔

ترغیب مین کمّی طریقون کا استعمال بہت کچھ محدود ہے، مثلاً اس طریقہ سے کہ تم ایک ہی طرح کی ذہنی حالتون کے مختلف درجہ معلوم کرسکتے ہو، کسی شخص کی قوتِ حافظہ یا تیزیِ مشاہدہ کو ناپ سکتے ہو، لیکن جس وقت ایک دوسرے سے بالکل الگ جذبات اور وجدانات کا سوال درپیش ہو، وہان یہ طریقہ تم کو زیادہ مدد نہین دیسکتا، ترغیب مین چونکہ یہی دیکھنا ہوتا ہے، کہ کونسے وجدانات و جذبات کی تشفی کے لیے کونسا طرزِ عمل انتخاب کیا جائے، اسلئے اس مین یہ طریقہ زیادہ کارآمد نہین اگر کوئی مدبرِ سلطنت یہ فیصلہ کررہا ہو، کہ فلان سلطنت سے جنگ کیجائے یا نہین، تو اسے ایک طرف تو روپیہ کی بچت اور صلح سے حاصل ہونے والے مادّی وسائل کا خیال کرنا پڑے گا، اور دوسری طرف جنگ نہ کرنے کی صورت مین قومی نفوذ مین کمی، وقار مین فرق وغیرہ کو دیکھنا پڑے گا، اب یہ دو صورتین ایک دوسرے سے مختلف ہین، ان کا توازن ممکن نہین، اور ان مین کمّی طریقہ کی گنجائش نہین، مسٹر گریہم ولیس (Graham wallace) اپنی کتاب موسومہ "سیاسیات مین فطرت انسانی کا حصہ" (Human Nature in Politics) مین کمّی طریقہ کے محدود و ناقص العمل ہونے کو تسلیم کرتے ہین، لیکن مذکورۂ بالا اعتراض کا

وہ یہ جواب دیتے ہین کہ مدیرانِ سلطنت کو عملی طور پر کام کرنا پڑتا ہے اور جو شخص کام کرتا ہے، وہ اپنے پیش نظر تمام ممکنہ صورتون کا کسی نہ کسی طرح سے توازن کر ہی لیتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ "ممکنہ صورتون کا توازن" کوئی کمی عمل نہین ہے، بلکہ ان ممکنہ صورتون کے کیف، اور ماہیت پر بہت کچھ منحصر ہے، جب کبھی بھی ہم کو دو یا زائد مختلف افعال مین سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے تو ہم لازماً "مقدار" اور "کم" کو چھوڑ کر معاملات کے "کیف" پر اتر آتے ہین،

باوجود ان نقائص، کے کمی طریقے کا استعمال اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آجکل اصولون یا روایتون کو خواہ مخواہ قبول کرنے کے بجائے، آزادانہ اور بے غرضانہ تجسسِ واقعات سے کام لیا جاتا ہے، مسائل سے مبہم طور پر بحث نہین کیجاتی بلکہ واضح طور پر انفرادی حالات، ضروری عوامل وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس قسم کے تبصرہ مین کمی طریقے سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، یہ طریقہ، جدید زمانہ کی ترغیبات مین طرزِ استقراء کے وسیع استعمال کا کافی ثبوت ہے،

ترغیب کے دو اصول

ضمنی اور ذیلی، مباحث سے قطع نظر کر کے اگر ذرا غور کرو تو تم کو ترغیبات کے دو اہم اصول اس کتاب مین نظر آئین گے، (۱) ایک تو اصولِ استثنائیت ہے جسکی رو سے ہر گروہ اپنے آپ کو ہر دوسرے گروہ سے علیحدہ تصور کرتا ہے، اور اس خیال کو سامنے رکھکر باطل اور پر فریب ترغیبات سے کام لیتا ہے (۲) دوسرا اصول طبع انسانی کی عظمت کا ہے جسکی رو سے کسی فرد یا گروہ کو، الگ اور سب سے جداگانہ حیثیت نہین دیجاتی، اور یہ خیال ہمہ وقت پیش نظر رہتا ہے، کہ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے، اس مین شک نہین کہ جب تک انسانی جذبات اپنی حالت پر قائم ہین، تب تک انسانی ترغیبات ان دو اصولون مین سے کسی ایک کے زیر اثر رہین گی، لیکن جہان تک قیاسات کا دخل ہے، ہمارے زمانہ کے رجحانات، اور اہم حالیہ واقعات بتلا رہے ہین،

کہ دوسرے اصول پر زیادہ عمل کیا جائے گا، بالخصوص جماعتی ترغیبات مین تو اس کا اور زیادہ احتمال ہے، گذشتہ زمانے مین جماعتون کی تنظیم اصولِ استثنائیت پر ہوتی تھی، شاید مستقبل کی ترغیبات عظمت انسانی کے تصور پر منحصر ہون آج کل کی حالت کو دورتکون کہا جا سکتا ہے، اور اسکی مثالین بھی موجود ہین، انجمن ہائے اتحاد مزدوران (TRADES UNION) گذشتہ زمانہ مین جارحانہ حیثیت رکھتی تھین، اور آجر (Employer) اور مصرف (Consumer) دونون سے برسرپیکار رہتی تھین، لیکن آج کل ایسی کونسلون کے انعقاد کی ضرورت محسوس کیجارہی ہے کہ جنمین سرمایہ دارون اور مزدورون کے نمائندے بحیثیت ایک ہی جماعت کے رکن کے داخل ہون، جنگ سے کچھ زمانہ قبل ایک تجویز پیش کیگئی تھی کہ مختلف انجمنین ایک طرح کے بین الاقوامی رشتۂ اتحاد مین منسلک ہوجائین، ظاہر ہے کہ یہ دوسری تجویز پہلے کی بہ نسبت کہین زیادہ وسیع النظری پر مبنی ہے، اور اگر منظور ہوگئی، تو انسانی زندگی پر اس کا معتد بہ اثر پڑے گا، بعض حالیہ واقعات کی بنا پر یہ بھی پیشینگوئی کیجا سکتی ہے کہ مستقبل مین ہمارے تمام معاشری، سیاسی، معاشی مسائل بین الاقوامی اہمیت اختیار کرلین گے لیگ آف نیشنز (انجمن اتحادِ اقوام) اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ سلطنت کے معاملات مین بھی بین الاقوامی عمل آج پہلے سے کہین زیادہ مقبولیت حاصل کئے ہوئے ہے، ان باتون کی بنا پر یہ امید شاید بیجا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ دنیا بین الاقوامی قانون کے ماتحت ہوجائے گی جو آجکل کے قوانین کی طرح خارجی حکومتون کا اوربزور شمشیر منوایا ہوا قانون نہ ہوگا، بلکہ وہ انسانی ضروریات کے تقاضے سے وجود مین آئے گا، اوس کی اساس انسانیت کی عظمت پر ہوگی، اور اسکا محرک یہ خیال ہوگا کہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

:- تمت بالخیر -:

سلسلۂ برکلے

اس سلسلہ مین تین کتابین داخل ہین

"برکلے"

اس مجموعہ مین برکلے کے سوانح اسکی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقدانہ تلخیص اور

اُسکے فلسفۂ تصوریت کی تشریح و تنقید ہے، از پروفیسر عبدالباری ندوی قیمت عہ

"مبادی علم انسانی"

برکلے کی سب سے معرکۃ الآرا کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا ترجمہ جسمین مادیت کا

ابطال ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہین" از پروفیسر عبدالباری

ندوی، قیمت ... ... عہ

مکالمات برکلے،

برکلے کے "ڈائلاگس" کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے اپنے خاص

فلسفہ کی تشریح کی ہے، از مولوی عبدالماجد بی اے قیمت :- عہ

"منیجر"
دارالمصنفین اعظم گڈھ،

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۲۸

نِٹشے

یعنی مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کے سوانح، تصنیفات، خیالات، افکار، اور نظریوں پر بحث و تبصرہ

مؤلفہ

ایم، اے، مگے

مترجمہ

پروفیسر سید مظفر الدین ندوی ایم، اے

لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی، رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

فہرست

باب اوّل
سوانحعمری اور تصنیفات
از صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۴۲

باب دوم

"ماورائے خیر وشر"

ازصفحہ ۴۲ تا صفحہ ۶۴

باب سوم

مسیحیت کی تردید

ازصفحہ ۶۴ تا صفحہ ۷۶

باب چہارم

"فوق البشر"

از صفحہ ۷۶ تا صفحہ ۱۰۲

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

مقدمہ از مترجم

فلسفۂ نٹشے (از ایم۔ اے مگ) کا ترجمہ کرنے کا خیال مجھے ۱۹۲۱ء مین ہوا جب مین بی، اے مین پڑھتا تھا، اور خارجی طور پر پیغام کلکتہ کے لیے انگریزی مضامین کا ترجمہ کرتا تھا، میرے محترم دوست مولوی عبد الرزاق ندوی (فاضل مصر) اڈیٹر پیغام نے مجھے یہ کتاب لاکر دی اور اس کو اردو جامہ پہنانے کی فہمایش کی، چونکہ کتاب پیچیدہ اور مغلق ہے، علاوہ ازین اس مین جرمن الفاظ بھی موجود ہین، اسلیے قدرتی طور پر مجھے پس و پیش ہوا، لیکن جب فہمایش حدِ اصرار تک پہنچگئی تو تعمیلِ حکم کے لیے آمادہ ہوا، دو ماہ کی کد و کاوش کے بعد ترجمہ ختم ہوا لیکن مجھے اپنی کارگذاری پر اعتماد نہ تھا مجھے برابر یہ اندیشہ رہا کہ یہ خدمت کما حقہٗ انجام نہین پائی، اسلیے اس وقت سے مسودہ رکھا رہا اور طباعت کی نوبت نہین آنے پائی،

اس اثنا مین استاذی مولنا سید سلیمان ندوی اڈیٹر معارف کی تحریک پر مین نے نٹشے کے فلسفہ پر متعدد مضامین لکھے جو یکے بعد دیگرے معارف مین شائع ہوئے، قارئین کرام نے ان مضامین کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو شرفِ قبولیت بخشا، اس قدردانی نے میری ہمت

بڑھائی، چنانچہ مین نے از سرِ نو مسودہ پر نظرِ ثانی کی، حاشیہ پر نوٹ لکھے، ترجمہ پر مقدمہ لکھا اور اب بحمداللہ اس قابل ہوا ہون کہ یہ ناچیز ہدیہ پبلک کی خدمت مین پیشکش کرون، ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف،

نٹشے کے حالاتِ زندگی اور سوانح عمری مؤلف نے خود بالتفصیل لکھے ہین، ان مین اضافہ کرنا دشوار بھی ہے اور غیر ضروری بھی، مین فقط یہ کہنا چاہتا ہون کہ جو شخص اسکے واقعاتِ زندگی کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرے گا وہ ضرور اس نتیجہ تک پہنچیگا کہ نٹشے مجدد اور ریفارمر کی شان رکھتا تھا، علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور نے مجدد یا ریفارمر کے لیے حسب ذیل شرطین لازمی قرار دی ہین[1]

۱- مذہب، علم یا سیاست مین کوئی مفید انقلاب پیدا کرے،

۲- جو خیال اس کے دل مین آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو،

۳- جسمانی مصیبتین اٹھائی ہون، جان پر کھیلا ہو، سر فروشی کی ہو،

اس تعریف کی رو سے نٹشے بھی دنیائے اخلاقیات کا مجدد اور ریفارمر تھا، اس نے مروجہ اخلاقیت کی دھجیان اڑائین اور مسیحیت کے پرزے پرزے کر دیئے اور ان کی جگہ ایک بہتر فلسفۂ اخلاق دنیا کے سامنے پیش کیا، اُسکے نظریئے اکثر اجتہادی تھے، نہ اس نے کسی کی تقلید کی اور نہ وہ کسی کو قابلِ تقلید سمجھتا تھا، اُسے اس راہ مین جسمانی، روحانی، دماغی غرض ہر قسم کی مصیبتین جھیلنی پڑین اور اسی مین اس نے جان دی،

نٹشے نے جو انقلاب پیدا کیا وہ مفید ہے یا مضر اس کا جواب مستقبل دیگا، لیکن اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ اس کے بعض اصول نہایت معقول ہین، ڈاکٹر سر اقبال جن سے بڑھکر حقیقت کی ترجمانی اور کون کر سکتا ہے، نٹشے کے متعلق لکھتے ہین[2]:-

[1] مقالاتِ شبلی - ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی مین، [2] پیام مشرق

اگر خواہی ز پیشش او گریز   در نئے کلکش غریو تندر است

نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد   دستش از خونِ چلیپا احمر است

آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت   قلبِ او مومن دماغش کافر است

خویش را در نارِ آن نمرود سوز   زانکہ بستانِ خلیل از آذر است

نٹشے کے فلسفہ کے خاص خاص اصول اور مسائل پر کتاب کے اندر کافی بحث موجود ہے، جس سے قارئین کو بخوبی پتہ چلیگا کہ اس کا فلسفہ کس شئے سے عبارت ہے اور اس کے فلسفہ کو دیگر فلسفیون کے فلسفہ سے کیا نسبت ہے، لیکن مؤلف نے اس کے تمام فلسفیانہ نظریون کو مجتمع نہین کیا ہے، اور یہ بہت ممکن ہے کہ اس کے فلسفہ پر مجموعی رائے قائم کرنے مین وقت ہو اس لیے مین اس کے فلسفیانہ خیالات کو یہان نمبروار درج کرتا ہون :-

۱- جتنے مسلک و نظریئے عالمِ وجود مین آئے یا جتنے تصورات وقتاً فوقتاً قائم کئے گئے، سب مجموعۂ اغلاط ہین، اور دنیا کی موجودہ تہذیب و تمدن سے تزکیۂ اخلاق ناممکن ہے، اس لئے انسان کا نصب العین یہ ہے کہ ایک جدید فلسفہ، ایک جدید اخلاقیت اور ایک جدید تمدن قائم کرنا چاہیئے،

۲- اشیاء کی قدر و قیمت مین کسی کی نیت و ارادہ کو دخل نہین ہے، نتائج اور صرف نتائج پر تمام اشیائے عالم کی نیکی و بدی موقوف ہے،

۳- شوپن ہار کا فلسفہ "فلسفۂ عزم" تھا، نفس عزم مین نٹشے اس کا ہمخیال تھا، لیکن اس کا دعویٰ تھا کہ یہ عزم و ثبات اور جد و جہد صرف حیات کے لیے نہین ہے (جیسا کہ ارتقائین وغیرہ کا خیال ہے) بلکہ قوت و طاقت کے لیے، پس نٹشے کا فلسفہ "فلسفۂ عزم للقوۃ" تھا، اسی پر وہ سائنس اور تمام حقائق و معارف کی بنیاد قائم کرنا چاہتا تھا،

۴- "دماغ" "حسیات" کے ہاتھ مین صرف ایک اوزار ہے جسے ہم عقل خرد (LITTLE REASON)

کہتے ہین، اور یہ دماغ یا عقل خرد "جسم" کا ساختہ وپرداختہ ہے، سب سے بڑی عقل خود "جسم" ہے،

۵- علم اسی حد تک مفید شے سمجھا جا سکتا ہے جس حد تک وہ بقائے حیات اور حصول قوت مین معاون ہو، اس رو سے "مغالطہ" اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ "حق"

۶- حق وباطل، حسن وقبح، خیر وشر، نیکی وبدی یہ سب تعبیری اوصاف اور اضافی الفاظ ہین ان کی کوئی مستقل ہستی نہین، ان کا وجود بالعرض ہے نہ کہ بالذات،

۷- انسانی ترقی کی آخری منزل "فوق البشر" ہے، پس ہر اس مذہب یا مسلک کو ملیامیٹ کر دینا چاہیئے جو اس کے لیے سدِ راہ ہو،

۸- دنیائے انسانی درحقیقت حسیات وجذبات کی دنیا ہے، اب تک دنیا کے متعلق جتنی رائین قائم کیگئی ہین، ان کی تہ مین یہی حسیات وجذبات پنہان رہے ہین، اور ان تمام حسیات وجذبات کا واحد مرکز "عزم للقوۃ" ہے،

۹- بنی آدم اپنے اوضاع واطوار اور اخلاق وعادات سے ہر زمانہ اور ہر ملک مین دو طبقون پر منقسم رہے ہین، اور یہ تقسیم "تفریقِ اخلاقیت" کو مستلزم ہے، طبقۂ خواص کے واسطے معیارِ اخلاق شرافت ورذالت اور قوت وضعف ہے، طبقۂ عوام کے لیے معیارِ اخلاق نفع وضرر اور حظ وکرب ہو،

۱۰- چونکہ صنفِ نازک، عزم وثبات مین صنفِ غالب کی ہمسری نہین کر سکتی، اسلیے قدرتی طور پر عورتون کو مردون کے برابر حقوق واختیارات نہین ملنے چاہئین،

ترجمہ کے بارے مین یہ عرض ہے کہ اندازِ بیان کی پیچیدگی اور جرمن الفاظ کی موجودگی کی وجہ سے مجھے اس کام مین بہت دقت پیش آئی، میری تمنا تھی کہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہو اور لفظی بھی، لیکن اکثر مقام پر اس تمنا کا پورا ہونا ناممکن تھا، اسلیے مین نے تمام پیچیدہ عبارات کا آزاد ترجمہ کیا ہے، تاکہ قارئین کرام کو مطالب اخذ کرنے مین سہولت ہو، بہرحال مین نے اس کا التزام کیا ہے کہ کوئی

ضروری بات ترجمہ سے نہ رہ جائے، جہان کسی شخص یا کسی کتاب کا حوالہ آگیا تو مین نے وہین اسے اردو مین لکھدیا ہے اور حاشیہ پر اسے انگریزی مین لکھا ہے، مین نے تقریبًا تمام مشاہیر کے حالات زندگی مختصرًا حاشیہ پر لکھدیئے ہین، جرمن اسمار کا تلفظ عمومًا انگریزی قاعدہ سے کیا ہے، اس لیے لغزش ہونی لازمی ہے، (حاشیہ پر ان کا صحیح املا درج ہے تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو)

اس سلسلہ مین مین اپنے محترم عزیز مولوی سید نورالہدیٰ ندوی بی اے (آنرز) مرحوم ومغفور کا ذکر کئے بغیر نہین رہ سکتا، مرحوم ترجمہ مین برابر میرے معاون ومددگار رہے، ترجمہ کو اوّل سے آخر تک دیکھا، جابجا تصحیح کی، مشورے دیئے اور حواشی پر نوٹ لکھنے کی مجھ سے فہمائش کی، مرحوم کی سعی اگر میرے شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بہت زیادہ دشواری ہوتی، کاش مرحوم اس وقت زندہ رہتے اور اپنی دیرینہ آرزو کو پورا ہوتے اپنی آنکھون سے دیکھتے، مالک دوجہان کی درگاہ مین یہ دعا ہے، کہ وہ مرحوم کو اپنی آغوش رحمت مین جگہ دے آمین، قارئین کرام سے بھی میری التجا ہے کہ وہ مرحوم کو ذکر خیر اور دعائے مغفرت سے یاد کرین،

آخر مین یہ گذارش ہے کہ ترجمہ مین غلطیان بھی ہونگی لغزشین بھی، زبان کی خامی بھی ہوگی اور عبارت کی پیچیدگی بھی، لیکن چونکہ اس میدان مین یہ میرا پہلا قدم ہے اور یہ میری پہلی علمی کوشش ہے، اسلیے قارئین سے خطاپوشی اور عیب پوشی کی امید رکھتا ہون، اگر پبلک نے میری حوصلہ افزائی کی تو بہت ممکن ہے کہ مین کسی دوسری علمی خدمت مین ہاتھ لگانے کی ہمت کرون،

خاکسار

سید مظفرالدین ندوی، لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ از مؤلف

علمی اور اصطلاحی معنون مین نٹشے فلسفی نہ تھا، لیکن خود نٹشے کا قول ہے کہ "حقیقی فلسفی وہ لوگ ہین جو مقنن ہین، حکمران ہین اور اپنے عہد کے خلاف جنگ کرتے ہین"۔ اس تعریف کی رو سے وہ یقیناً فلسفی تھا،

نٹشے فطرۃً صنّاع واقع ہوا تھا، لسانیات کی تعلیم نے اس کے اس وصف کو اور زیادہ چمکا دیا، چنانچہ اس کی تصنیفات خاصکر "خطبۂ زردشت" مین جابجا ایسی عبارتین ملتی ہین، جو لطافت وشیرینی اور شان وشوکت مین نغمون کی ہمسری کرتی ہین، اسکی دلکش عبارت آرائی اور لطیف مضمون نگاری اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیگی، نٹشے شاعر اور فلسفی دونون تھا،

لسانیات کی پروفیسری کے زمانہ مین اُسے نہایت تلخ تجربہ ہوا اور الفاظ کے ہیر پھیر سے بہت کچھ برداشتہ خاطر ہوا، آخر اس نے چونتیس سال کی عمر مین "الفاظ" کا مطالعہ چھوڑ کر "معانی" کا مطالعہ شروع کیا، وہ اب عضویات کا سرگرم متعلم ہوگیا، اور اسکی تحریرون مین علم حیات کا امید افزا رنگ غالب ہوگیا، یہ سچ ہے کہ نٹشے نے "کتابون" سے بہت زیادہ اور "زندگی" سے بہت کم استفادہ کیا، نیز یہ کہ وہ علم حیات کا دلدادہ تھا لیکن ماہر نہ تھا، لیکن اس نقص کی تلافی یون ہوگئی تھی کہ وہ انسان کے مستقبل پر بہت زیادہ اعتماد رکھتا تھا،

سرفرینسسؔ[1] گیلٹن نے بھی (جو تمدنیات کا بانی تھا) نٹشے سے زیادہ (جو "فوق البشر" کا موجد تھا) اعتماد اور امید نہین ظاہر کی، نٹشے تمدنیات کا علمبردار تھا، نٹشے کے دعوے اور نظریے جنپر اس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی بالاختصار یہ ہین :-

۱- دنیا مجموعی حیثیت سے نہ اچھی ہے نہ بری، اسکی نہ کوئی غرض ہے نہ غایت، یہ ایک پُر صنعت منظر ہے جس کا اعادہ ہمیشہ ہوتا رہیگا،

۲- اب تک نوعِ انسان کا کوئی نصب العین نہ تھا ایک خود ساختہ نصب العین کارآمد ثابت ہوگا اور انسان کی قوت کو بڑھائے گا، "فوق البشر" کے ہاتھون یہ نصب العین قائم ہوگا، "فوق البشر" زندگی کو بہتر بنانے والی تحریک اور "عزم للقوۃ" کا مظہر ہے،

۳- ہر اس مذہب کو اور ہر اُس مجموعۂ قوانینِ سیاست و اخلاق کو جو زندگی کے منافی ہو اور جو "فوق البشر" کے ظہور مین موجب توقف ہو، نیست و نابود کر دینا چاہیے، صرف زبردست اور قوی الارادہ اشخاص کا تیار کردہ مجموعۂ قوانین زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے شایان شان ہو سکتا ہے،

۴- مسیحی مذہب جسمین صرف غلامون کی اخلاقیت ملحوظ ہے، حیات انسانی کا سب سے بڑا خوفناک دشمن ہے، مسیحیت "انتخابِ طبعیۃ" کا مقابلہ کرتی ہے، مسیحیت دنیا کی سب سے بڑی بدکاری اور دامنِ انسانیت کا ہمیشہ رہنے والا لابدنما داغ ہے،

۵- چونکہ "فوق البشر" کے ظہور مین ابھی عرصہ درکار ہے، اسلیے ہمارا مقصد سردست ممتاز اشخاص کی ایک جماعت پیدا کرنا ہے، یہ ممتاز اور سربرآوردہ اشخاص صرف عارضی چیز ہونگے،

---

[1] Sir Francis Galton انگلستان کا ایک مشہور معاشری مصلح تھا، ۱۸۲۲ء مین پیدا ہوا، اس نے تمدن پر متعدد کتابین اور رسالے لکھے، اس نے اپنی ساری کوشش ناکارون اور اپاہجون کے توالد و تناسل کی روک تھام مین صرف کر دی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا،

ان کے بعد ایک نئی صنف (فوق البشر) پیدا ہوگی،

۶- انسانی ترقی کی راہ مین ہماری فوری تدابیر یہ ہین، (ا) موجودہ قوانین مناکحت پر تمدنی ضروریات کے مطابق نظر ثانی کرنا، (ب) نوجوانون کو مناسب تعلیم دینا، (ج) متحدہ یورپ قائم کرنا (د) مسیحیت کو نیست و نابود کر دینا،

اس چھوٹی سی کتاب مین نٹشے کے فلسفہ کے خاص خاص مسائل پر صرف بحث ہوسکتی ہے، جو شخص اسکے فلسفہ کو بالاستیعاب پڑھنا چاہے، وہ اسکی تصانیف کا مطالعہ کرے، فولس نے اٹھارہ جلدون مین ان کا انگریزی اڈیشن شائع کیا ہے، ہم اس انگریزی ترجمہ کے اڈیٹر ڈاکٹر لیوی کے شکر گذار ہین کہ انھون نے ہمین اس کتاب مین جابجا اقتباس کرنے کی اجازت دی،

نٹشے کی صحت اکثر خراب رہی جسکی وجہ سے وہ اپنے فلسفہ کو یکجا مجتمع نہین کر سکا، اسکی تحریرین گویا اوراق پریشان تھین، اسکی نصف کتابین (یعنی "حادثہ کا آغاز" "خیالات بے وقت" "خطبۂ زردشت"۔ "اخلاقیت کی ابتدا" "واگنر کی حیثیت" "مسیحیت کی تردید") صحیح معنون مین مسلسل تصانیف کا حکم رکھتی ہین، اور بقیہ نصف کتابین ۴۰۰۰ کم و بیش غیر مربوط کہاوتون، خطبون اور امثال کا مجموعہ ہین، اسلیے اس کے فلسفیانہ مسائل کو مرتب کرنا بیحد مشکل ہے، اس اعتراض کا دفاع یون کیا جاتا ہے کہ نٹشے غیر مستقل تھا، اس کے مزاجی نشیب و فراز کی یہ کیفیت تھی کہ مشکل سے کوئی مضمون ایسا ملے گا جسکا ایک بیان دوسرے بیان کی تردید نہ کرتا ہو، لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے، نٹشے کی مدافعت ایک اور طریقہ سے کی جاتی ہے جو اس کے موزون حال ہے اور جو قارئین کے نزدیک اس کے پیغام عمل کو وسیع اور پر اثر بنا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے: نٹشے کی کمزوریان اور غلطیان کچھ ہی ہون، اگر اس کی پر امن اور محفوظ طرز زندگی پر نظر کی جائے، اسکی آزادی اور بے فکری کا خیال کیا جائے اور اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ

اُسے غریبون اور بیکسون کے حالاتِ زندگی کا رتی برابر بھی علم نہ تھا تو یہ کمزوریان قابلِ نظرانداز اور یہ غلطیان لائقِ درگذر ہین، نٹشے کی مدافعت مین یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی خرابی صحت کے باوجود اپنے عہد کے خلاف جنگ کرتا تھا اور حق ہو یا ناحق وہ ہمیشہ شہسواری کے حملہ کو پاپیادہ حملون پر ترجیح دیتا تھا، یہ درست ہے کہ اس نے "کہان" "کدھر سے" اور "کیون" کے مسائل کا حل نہین کیا، ہم اب تک افلاطون کے غارمین ہین، لیکن اس نے "فوق البشر" کی شاندار تحریک ہمارے سامنے پیش کردی ہے جو مشہور شاعر سوئنبرن[1] کے قصیدہ "مدح انسان" کا نہایت لطیف مظہر ہے، اس قصیدہ کا ماحصل یہ ہے:-

"انسان نے جنبش کی اور اپنے پاؤن کی بیڑیان کاٹ ڈالین، "نفس" انسان کیلئے دستور العمل ہے اور "دماغ" انسان کے لیے مشعلِ ہدایت، "روح" اور "حق" ایک دوسرے سے وابستہ ہین اور علم کا خزانہ انسان کے پاس محفوظ ہے، افراد انسانی فانی ہین مگر "انسان" غیرفانی، افراد کی زندگی کو فنا ہے، مگر "حیات انسانی" کو فنا نہین، "انسان" ایک نہایت شاندار جوہر ہے کیونکہ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے۔"

---
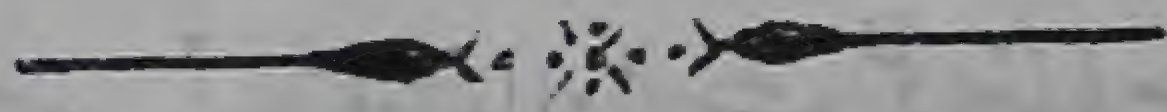
[1] A. C. Swinburne انگلستان کا مشہور شاعر اور انشاء پردازتھا، سنہ ۱۸۳۷ء مین پیدا ہوا، اس نے متعدد نظمین اور قصیدے لکھے، ٹریجیڈی مین بھی اُسے خاص دخل تھا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

فریڈرک نٹشے کی سوانح عمری

نام جرمن زبان مین "نزکی" (Nizki) اور "پکورنی" (Pakorni) کے معنی "خاکسار" کے ہین، جرمنی مین اکثر اشخاص "پکورنی" کہلاتے ہین، لیکن "سلیوک خاندان" کے لوگ عموماً "نزکی" کہلاتے ہین؛ یہ لفظ مختلف طریقون سے لکھا جاتا ہے، جن مین ایک نٹشے (Nietzsche) بھی ہے،

نسب نٹشے اور اس کی بہن نے اپنا خاندان بہت اعلیٰ بتایا ہے، اس اعلیٰ نسبی پر اول الذکر کو خصوصیت سے ناز تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے خود دار فلسفی کے اخلاق و عادات پر اس کی خاندانی رفعت کا بہت کچھ اثر پڑا ہے، نٹشے اپنے آپ کو "کونٹ" یعنی "نواب" کے خاندان سے بتاتا ہے، جو مذہبی عقائد کی بنا پر پولینڈ سے فرار ہو گیا تھا، اس سے بچپن مین کسی نے یہ بات کہدی ہو گی اور اسے یقین آگیا، چنانچہ ایک روز فخر یہ کہنے لگا کہ "کونٹ نٹشے"، کبھی جھوٹ نہین بولتا،

اب تک کسی نے یہ نہین ثابت کیا کہ آیا نٹشے کا یہ بیان واقعیت پر مبنی تھا یا نہین، ہمین
خود نہین معلوم، بہرحال یہ عجیب بات ہے کہ جمہوریت کا جانی دشمن، امارت و ریاست کا ولدادہ
اور تواضع و خاکساری کے خلاف ہر تحریک کا حامی ایسے نام سے مشہور ہوتا ہے، جس کے معنی
"خاکسار" کے ہین اور مسیحیت کا دشمن ایسے گھرانے مین پیدا ہوتا ہے جو نسلاً بعد نسل پادریون
کا خاندان تھا،

پیدائش فریڈرک نٹشے، راکن مین ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوا، اس کا باپ "کارل لڈوک نٹشے،
راکن کا پادری تھا جو پروشیا کا ایک چھوٹا سا گاؤن ہے، اسکی شادی "فرینسیکا اوہلر" سے
۱۰ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو ہوئی تھی، میان بی بی دونون کے آباؤ اجداد پادری تھے، فریڈرک نٹشے کے
بعد ان کی دو اولادین اور ہوئین ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکا دو برس کے اندر فوت ہو گیا
اور لڑکی (ایلیزبتھ) اپنے نامور بھائی کے بعد بھی زندہ رہی بلکہ اب بھی زندہ ہے، اور وایمار مین
سکونت پذیر ہے، ایلیزبتھ اپنے بھائی کے فلسفہ کی بیحد قدردان ہے اور اسکی زندگی کی ایک
پرجوش سوانح نگار،

ایام طفولیت فریڈرک نٹشے کی عمر مشکل سے چار سال کی ہوگی کہ اس کا باپ زینہ سے گرا اور اسکے
دماغ پر سخت ضرب پہنچی، یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ یہی حادثہ اس کے اختلال دماغ کا
باعث ہوا جس کا دورہ اُسے اکثر ہو جایا کرتا تھا، بہرحال اس حادثہ کے ایک سال بعد اس نے
وفات پائی، فریڈرک پر باپ کی موت نے بہت گہرا اثر ڈالا،

راکن جہان فریڈرک نے اپنی زندگی کے ابتدائی چار سال گذارے نامبرگ کے قریب ہے،
جو اُس وقت ایک مرکزی شہر تھا اور جہان عام ضروریات کا سامان مہیا رہتا تھا، اس کا
انتظام ایک مختصر جماعت کے سپرد تھا جسمین وکلاء، حکام، پیشوایانِ مذہب اور سربرآوردہ

حضرات شریک تھے، فرڈیرک کی بیوہ ماں کے اعزا نامبرگ مین رہتے تھے اسلیے یہ کنبہ بھی ۱۸۵۰ء مین وہین منتقل ہوگیا،

نٹشے اپنی عمر کے لحاظ سے بہت زیادہ سنجیدہ اور متفکر رہا کرتا تھا، وہ ایک سنسان گاؤن کو پسند کرتا تھا اور پادری ہونے کا ازحد شوق تھا، بلکہ اسکول کے طلبہ نے اُسے پادری کا لقب بھی دیدیا تھا، ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ بارش مین اسکول سے واپس آرہا تھا، اور اس وقت اسکے پاس نہ اورکوٹ تھا نہ چھتری، تاہم وہ نہایت اطمینان کے ساتھ پادریون کی طرح خرامان خرامان آرہا تھا، مان نے جو دریچہ مین کیساتھ اپنے بچہ کا انتظار کررہی تھی، جھڑک کر پوچھا کہ "بارش ہورہی ہے دوڑ کر کیون نہین آئے؟" نٹشے نے گھبرا کر جواب دیا "امان جان اسکول کا قانون ہو کہ راستہ مین دوڑنا نہین چاہیئے"

اگرچہ نٹشے کے بعض ہمجولی اور رفیق بھی تھے تاہم وہ زیادہ تر اپنا وقت ماں، بہن، دادی، اور چچی کیساتھ گذارتا تھا، عورتون کی یہ صحبت اس پر اثر کئے بغیر نہ رہی، چنانچہ اس کے مزاج مین ازحد نزاکت تھی، اسکی طبیعت مین خودنمائی کا عنصر غالب تھا، اور وہ شاعری و موسیقی کا ازبس دلدادہ اور گرویدہ تھا، نٹشے مجموعی حیثیت سے اچھا لڑکا تھا، لیکن اکثر قبل از وقت کام کر بیٹھتا تھا، دس بارہ برس کے سن مین وہ ڈرامے اور نظمین لکھتا، گھر مین ہر شخص کی سالگرہ پر وہ ایک نئی نظم ضرور تیار کرلیتا، علم موسیقی اسکی زندگی کا جزو لاینفک تھا،

ابتدائی تعلیم، نٹشے جب تک راکن مین رہا اپنے باپ اور وہین کے ایک معلم سے پڑھ لیا کرتا تھا، مگر جب نامبرگ مین آیا تو پہلے ایک ابتدائی اسکول مین ایک سال تک تعلیم حاصل کی اور پھر چند سال تک ایک غیر سرکاری اسکول مین پڑھتا رہا، ۱۸۵۴ء مین وہ نامبرگ کے گرامر اسکول مین داخل ہوا، اس کے باپ "کارل لڈوک نٹشے" نے پادری کا عہدہ خود ولیم شاہ پروشیا

کی سفارش سے حاصل کیا تھا اسلیئے اسکی بیوہ کو سفارشون کی کمی نہ تھی، چنانچہ ۱۸۵۸ء مین اسکے
لڑکے فریڈرک نٹشے کو سپفورٹا کے ایک مشہور و معروف اسکول لینڈ اسکول مین پڑھنے
کے لیے چھ سال تک وظیفہ مل گیا، نامبرگ کا مدرسہ خارجیہ تھا، (جہان دارالاقامہ نہ تھا) اور
پیفورٹا کے اسکول مین دارالاقامہ بھی تھا، جہان طلبہ کے عادات و اطوار کی بھی نگہداشت
کیجاتی تھی، نصاب تعلیم مین زیادہ تر یونانی اور لاطینی کتابین شامل تھین، جرمنی کے اکثر مشاہیر
نے ابتدائی تعلیم اسی اسکول مین حاصل کی ہے، مثلاً نوالس (Novalis نیچ) جو مشہور شاعر
تھا، شلیگل (Schelegel) جو ادبیات و لسانیات کا ماہر تھا، اور فکٹی (Fichte)
جو بڑا فلسفی اور وطن پرست تھا،

نٹشے چودہ سال کی عمر مین اسکول مذکور مین ۱۸۵۸ء کے ماہ اکتوبر مین داخل ہوا، عورتون
کی صحبت مین وہ اتنے عرصہ تک رہا تھا کہ اسکول کی زندگی شروع مین اُسے شاق گذری،
وہ اسکول کے قوانین و ضوابط کو اچھی نظر سے نہین دیکھتا تھا، وہ طلبہ کے سامنے شرماتا تھا،
اور باہر بہت کم نکلتا تھا، ہفتہ مین صرف ایک بار اپنی مان بہن سے ملنے کے لیے مکان جاتا تھا،
اس اسکول مین طلبہ کو بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی، سیر و تفریح کا موقع
بہت کم ملتا تھا، دل و دماغ کی تازگی کے لیے گاہے گاہے ان کو کھیلنے اور تیرنے کی اجازت
ملتی تھی، بہت زیادہ کدو کاوش اور تگ و دو کا منشا یہ تھا کہ اسکول سے لائق محصلین پیدا ہون،
جب کتب بینی اور قواعد کی پابندی سے نٹشے کا جی گھبراتا تھا (کیونکہ مختصر چھٹی سے کثرت
کار کی پریشانی بالکل دور نہین ہوجاتی) تو وہ ایک روزنامچہ مین اپنے تمام مشاہدات، احساسات
اور توقعات کو یکجا قلمبند کر کے اپنی دلبستگی کر لیا کرتا تھا، اس یادداشت کا مطالعہ دلچسپی سے خالی
نہین، کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر تخیل آرائیان کرتا تھا، اس کے تخیلات عموماً دور ازکار

اور قبل از وقت ہوتے تھے، غور کرو کہ چودہ برس کا لڑکا اور محاسن شاعری پر چہ میگوئیان،

اس روزنامچہ مین وہ چند سطرین بہت زیادہ اہم ہین جنسے ہمین یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے اپنے آبائی عقائد کو کس طرح بتدریج نسیاً منسیا کر دیا، وہ یکایک ایسا نہین کرتا، اول اول اُسکے دماغ مین شیلر[1]، ہولڈرلن[2] اور بیرن[3] کی تحریرین اور نیز اس کے اساتذہ کی نکتہ چینیان پیوست ہوتی ہین، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ دو ہزار سال کے مستند مذہب (مسیحیت) کی زنجیرون کو کاٹ کر اپنی زندگی کے جہاز کا لنگر اٹھاتا ہے اور یہ جہاز بلا ناخدا یا قطب نما کے شکوک و شبہات کے سمندر مین غوطہ کھاتا رہتا ہے،

نٹشے کے پر لطف دن تعطیل کے دن ہوا کرتے تھے جب کہ وہ نامبرگ مین اپنے اعزا کے ساتھ رہتا اور کبھی لوگون سے ملنے جلنے کے لئے دوسری جگہ چلا جاتا، چنانچہ ایام تعطیل مین

---

[1] J. C. F. Schiller جرمنی کا ایک مشہور شاعر تھا، ۱۷۵۹ء مین پیدا ہوا، اس نے ۱۷۸۰ء مین "انسان کی حیوانی اور دماغی قوت کے باہمی تعلقات" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مقبول ہوئی، اسکی دوسری مشہور کتاب "سی سالہ جنگ کی تاریخ" ہے، وہ جرمن شاعر گیٹے کا ہمعصر اور رفیق تھا، ۱۸۰۵ء مین اسکا انتقال ہوا،

[2] J. C. F. Hölderlin (۱۷۷۰ء تا ۱۸۴۳ء) جرمنی کا مشہور شاعر تھا، اُسنے یونانی ڈرامون کا ترجمہ کیا، وہ یونانی طرز شاعری کا تتبع کرتا تھا، اس کے اشعار یکجا مجتمع نہین ہین، صرف قطعات اور چیدہ چیدہ قصیدے شائع ہوئے،

[3] Lord Byron ۲۲ جون ۱۷۸۸ء مین پیدا ہوا، اسکول مین وہ مس کا ورتھ پر جو اس سے دو برس بڑی تھی عاشق ہوا، مگر اس نے بے التفاتی کیساتھ انکار کر دیا، ۱۸۱۵ء مین اسیلا سے شادی کی، مگر سال کے اندر ہی تفرقہ کی نوبت آئی، جسپر چہ میگوئیان خوب ہوئین، بیرن انگلستان سے بیزار ہو کر دیگر یورپین ممالک مین چلا گیا، جنوری ۱۸۲۴ء مین وہ ترکون کے خلاف یونانی جنگ مین شریک ہوا، اور سابق یونان کی عظمت و جلال پر نظمین لکھکر یونانیون کو ترکون کے خلاف بھڑکایا، فوجی خدمت مین اسے مصائب پیہم سے دوچار ہونا پڑا، ۱۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو بخار مین مبتلا ہوا اور چند روز مین دنیا سے رحلت کی،

ہم اسے کبھی جینا اور ڈرسڈن مین پاتے ہین اور کبھی ہارز کے پہاڑون پر،

اسکول مین اس کا آخری سال بہت پرامن گذرا، کیونکہ اعلیٰ جماعت کے طلبہ پر عموماً تشدد کم ہوتا تھا، اور دوسرے یہ کہ اس نے اس اثنا مین بے فکری اور آرام طلبی کی مشق کر لی تھی، کبھی وہ پروفیسرون کے ساتھ کھانا کھاتا تھا اور کبھی رفقار کی صحبت مین، پیانو بجاتا تھا، جرمنیہ (علمی انجمن) نے جسے نٹشے اور اس کے رفقار نے قائم کیا تھا، اس کے دل و دماغ پر بہت اچھا اثر کیا،

اس کے اسکول سرٹیفکٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل اور جرمن، یونانی اور لاطینی زبانون مین اسکی استعداد اچھی تھی، لیکن ریاضی مین وہ کمزور تھا، اس نے پیفورٹا کا اسکول ستمبر ۱۸۶۴ء مین چھوڑا اور اپنے دوست ڈیوسن (Deussen) کیساتھ بون یونیورسٹی مین داخل ہوا،

یونیورسٹی کی تعلیم جرمن یونیورسٹیون کے طلبہ عموماً آزاد اور فرحت افزا زندگی گذارتے ہین، جسکی یاد کبھی فنا نہین ہوتی بلکہ ضعیفی مین بھی سکون اور طمانیت کا باعث ہوتی ہے، شروع مین طلبہ کی شاندار اور پرشکوہ طرز زندگی نٹشے کو بہت مرغوب خاطر معلوم ہوئی اور چند ہی روز مین شرابی، گویا، اور جھگڑالو بن بیٹھا، لیکن باپ اور سابق استاد کی یاد اب تک تازہ تھی، اسلیے فوراً ہی اسے شراب نوشی، آوارہ گردی اور عشقبازی سے نفرت ہو گئی، اور مطالعۂ کتب مین منہمک ہو گیا، اس وقت بھی اس کی دلبستگی کا واحد سامان موسیقی تھا، ابتدا مین چھ ماہ تک وہ لسانیات اور مذہبیات دونون مین مصروف رہا، لیکن بعد ازان مؤخر الذکر کو چھوڑ کر اُسنے ساری توجہ لسانیات پر مبذول کی، وہ متعدد درجون مین شریک ہوتا تھا، اس کے خاص اساتذہ سیبلؔ، جانؔ، اور رگلؔ تھے،

طلبہ نے نٹشے کا نام سر گلکٹ[ع] رکھدیا تھا کیونکہ وہ موسیقی کا از حد دلدادہ تھا، فرنیکونیا (کلب) مین نغمہ و سرود کے سارے کام وہی انجام دیتا تھا، آس پاس کی مجلس سماع اسکے لیے شادی مرگ تھین،

نٹشے اب مسیحیت سے کوسون دور ہوتا جاتا تھا، ایسٹر کی تعطیل (۱۸۶۵ء) مین اس نے ایک مذہبی تقریب مین شریک ہونے سے انکار کردیا جسپر اسکی مان کو سخت قلق اور غصہ ہوا، اس واقعہ کے بعد اس نے اپنی بہن کو جو اس کے لیے بیحد پریشان ہو رہی تھی یہ لکھا "اگر تم روحانی سکون و مسرت چاہتی ہو تو مسیحیت پر قائم رہو، اور اگر تم حق کی حامی ہونا چاہتی ہو تو جستجو کرو"

اسی سال نٹشے بون یونیورسٹی چھوڑکر لیپسک یونیورسٹی مین داخل ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ ایک طرف ہم جماعت طلبہ سے اسکی کشیدگی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، اور دوسری طرف اس کا ہر دلعزیز پروفیسر رٹشل[۳] لیپسک چلا گیا تھا، دو سال تک وہ بڑی محنت و دلسوزی کیساتھ یونانی اور لاطینی

(حاشیہ صفحہ ماقبل) [۱] Heinrich von Sybel جرمنی کا ایک مشہور مورخ تھا، ۱۸۱۷ء مین پیدا ہوا، جرمنی کی مختلف یونیورسٹیون مین تاریخ کا پروفیسر رہا، فرانسیسی انقلاب کی تاریخ لکھی اور یہی کتاب اسکی شہرت کا باعث ہوئی،

[۲] Moriz Haupt (۱۸۱۳ء-۱۸۶۹ء) جرمنی کا ایک مشہور ماہر لسانیات تھا، مختلف یونیورسٹیون مین پروفیسری کی خدمت انجام دی، اوسنے "جرمن ادبیات" پر ایک زبردست کتاب لکھی، اُسنے یونانی اور لاطینی کے مشہور انشا پردازون کی تحریرونکو یکجا مجتمع کرکے شائع کیا، [۳] F. W. Ritschl جرمنی کا ایک مشہور ماہر لسانیات تھا، یونانی اور لاطینی زبانون مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اس نے لسانیات پر متعدد رسالے لکھے ہیں اور بون یونیورسٹیون مین وہ عرصہ تک پروفیسر رہا، ۱۸۰۶ء مین پیدا ہوا، [ع] C. W. Gluck (۱۷۱۴ء-۱۷۸۷ء) جرمنی کا ایک مشہور موسیقی دان تھا، اس نے بہت سے راگ اور نغمے ایجاد کیے، موسیقی پر اس نے رسالے بھی لکھے، بعد کے آنے والے موسیقی دان اسی کا تتبع کرکے مشہور و معروف ہوئے،

زبانون کو پڑھتا رہا، وہ کریٹس، رو شر، ٹیشنڈرف اور رکل کے درس مین برابر شریک ہوتا تھا، ہو خر الذکر پروفیسر خصوصیت کے ساتھ اس پر مہربان تھا، پروفیسر موصوف ہی کی سفارش سے اُسے یکایک نوکری ملگئی اور اسکی سرکاری زندگی کا آغاز ہوا، (تفصیل آگے آئیگی)

لیپسک مین دو سال کے عرصہ مین نٹشے نے شوپن ہار[1] کی تحریرون سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرلی، وہ اس زشت رو فلسفی پر فریفتہ ہوگیا جس کی مشہور کتاب "دنیا حقیقی اور خیالی حیثیت سے" نے اس کے خیالات مین انقلاب پیدا کر کے اس کو ہمیشہ کے لئے مسیحیت سے برگشتہ خاطر کردیا، چنانچہ اسکی تمام تصنیفات مین اسی فلسفی کے عقائد کی جھلک پائی جاتی ہے،

لیپسک مین اسکی زندگی پُر لطف گذری، ہمدرد اور مخلص رفقا کی صحبت تھی، ہردلعزیز اور شفیق اساتذہ کی زیارت ہوتی تھی، تھیٹر اور تماشا گاہون کی سیر ہوتی تھی،

فوجی خدمت سیفورٹا ہی مین نٹشے کی قوت بینائی کمزور ہو چکی تھی، باین ہمہ اس کو ۱۸۶۷ء مین ایکسال کے لیے فوج مین داخل ہونا پڑا، کیونکہ پروشیا کی فوج مین مزید سپاہیون کی ضرورت تھی اور حکام ان لوگون کو بھی بھرتی کر لیا کرتے تھے جو عموماً معذور خیال کئے جاتے ہین، اگرچہ یہ خدمت نٹشے کی خواہشات اور توقعات کے خلاف تھی، تاہم اس نے اس سے بہت کچھ فوائد حاصل کئے،

---

[1] Schopenhauer ۱۷۸۸ء مین "ڈینزگ" مین پیدا ہوا، باپ خزانچی اور مان ناول نگار تھی، بچپن مین کاروبار مین ہاتھ لگایا، طبیعت اچاٹ ہوئی، گاٹنجن یونیورسٹی مین (۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۱ء تک) اور برلن یونیورسٹی مین (۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۳ء تک) علوم مادی، فلسفہ اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کی، افلاطون اور کینٹ کا تتبع کرتا تھا، برلن مین اس نے ۱۸۲۰ء سے ۱۸۳۱ء تک فلسفہ پر لکچر دیئے، مگر ناکامی ہی سے ہر جگہ واسطہ پڑا، آخر مین اس نے عزلت نشینی اختیار کی، عرصہ کے غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے بعد اس نے اپنے فلسفہ کو مرتب کیا، اس کا فلسفہ "فلسفہ عزم" (Philosophy of will) کے نام سے موسوم ہے، ۱۸۶۰ء مین اس نے انتقال کیا،

نامبرگ کے توپ خانے مین کچھ دن کام کرنے کے بعد وہ اچھا خاصہ سپاہی بنگیا، وہ اپنے ساتھیون مین اپنی شہسواری پر ناز کرتا تھا، لیکن اسکی فوجی زندگی اور اعلیٰ نسبی دونون نے مل کر اس کو تندمزاج، جھگڑالو اور فرعون بنا دیا،

چند مہینے کام کرنے کے بعد ایک ناگہانی حادثہ نے اسکی فوجی زندگی کا خاتمہ کر دیا، ایک روز گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اس کے سینہ کی رگ پر ضرب پہنچی، نشتر دیا گیا، زخم تو اچھا ہوگیا لیکن کمزوری آخر دم تک باقی رہی، اگرچہ اس حالت مین بھی وہ اختتام سال تک فوجی خدمت پر مامور رہا، تاہم بہت زیادہ محنت و مشقت نہ کرسکا، خدمت سے علیحدگی کے وقت اسکو "لفٹننٹ" کا لقب عطا ہوا،

مزید تعلیم لیپسک مین نٹشے نے پھر اپنا سلسلۂ تعلیم جاری کیا، لسانیات مین اُسے اچھی دستگاہ حاصل تھی، جسکی وجہ سے وہ پروفیسر رکل کا منظور نظر بنا ہوا تھا، اسی نے اُس پر اگلے لوگون کی عظمت کا سکّہ بٹھایا اور یونانی تمدن کی محبت اس کے دل مین جاگزین کر دی، نٹشے پہلے غیر مستقل تھا اور بیک وقت متعدد کامون مین ہاتھ لگانا چاہتا تھا، رکل ہی نے اس کو اس آفت سے نجات دلائی اب نٹشے کا قول تھا کہ انسان کو ایک ہی فن مین کامل اور ماہر ہونا چاہیئے،

پروفیسر رکل اور حکمائے یونان کے علاوہ لیپسک کے اور دو اشخاص نے نٹشے کے خیالات و اعتقادات پر گہرا اثر کیا، ایک شوپنہار جس کا ذکر اوپر ہو چکا، اور دوسرا واگنر[1] عمر بھر نٹشے موسیقی کا

---

[1] W. R. Wagner لیپزگ مین ۱۸۱۳ء مین پیدا ہوا، اور وینس مین ۱۸۸۳ء مین انتقال کیا، وہ موسیقیت مین ماہر تھا، امرا و رؤسا اور نواب بادشاہ اسکے مداح اور قدر دان تھے، اس کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ڈرامون کے راگ و گیت مین اصلاح کی، اس کا خیال تھا کہ ڈراما کے دلکش بنانے کے لیے یہ ضروری ہو کہ شاعری اور موسیقی دونون کا عنصر مناسب مقدار مین موجود ہو، اگر اس تناسب کا نہ خیال کیا جائے تو ڈراما کی دلفریبی جاتی رہے گی،

شایق رہا، اسلیئے اس نے واگنر کی موسیقی اور پھر خود واگنر سے واقفیت حاصل کی، واگنر کی زبردست شخصیت کا جادو اس پر چل گیا اور وہ اس کا جان نثار چیلا بن گیا،

یونیورسٹی کی پروفیسری

بیل یونیورسٹی مین معلّم لسانیات کی جگہ خالی ہوئی، یونیورسٹی نے پروفیسر رِکل کو حقِ انتخاب دیا، اس نے مجلس انتظامیہ (سینیٹ) مین نٹشے کی سفارش ان الفاظ مین کی، "یہ جو چاہے گا کرے گا" جسپر ہمارا نوجوان فاضل چوبیس سال کی عمر مین لسانیات کا پروفیسر مقرر ہوا، اس نے اب تک "ڈاکٹر" کی ڈگری حاصل نہین کی تھی، مگر لیپسک کے "شعبۂ فلسفہ" نے امتحان لیے بغیر صرف اسکی سابق تصنیفات کے صلہ مین اُسے "ڈاکٹر" کی اعزازی ڈگری عطا کی، ۲۸ رمئی ۱۸۶۹ء کو پروفیسر نٹشے نے اپنا پہلا لکچر "ہومر اور لسانیات" کے موضوع پر دیا، ابتدا مین اسکی تنخواہ ایک سو بیس پونڈ سالانہ متعین ہوئی، یہ رقم کافی نہ تھی، لیکن چونکہ اسکی چچی روزلی اس کے تعلیمی مصارف کے لیے معقول رقم چھوڑ گئی تھی اور اس کا چچا جس نے انگلستان مین کافی دولت فراہم کرلی تھی اس کے خاندان کی امداد کیا کرتا تھا، اسلیے اسے اطمینان اور بے فکری تھی، پروفیسر نٹشے کو یونیورسٹی مین کام بہت کم کرنا پڑتا تھا، لکچر حسب دستور ہوتے تھے، مگر لسانیات کے بہرہ مین کل آٹھ طالب علم تھے، یونیورسٹی کے وقت کے علاوہ وہ مقامی اسکول کی اعلیٰ جماعت کے لڑکون کو "یونانی" پڑھاتا تھا،

ان لڑکون مین نٹشے کی زندگی پرلطف گذری، وہ عام نصابِ تعلیم چھوڑ کر ایک ادق کتاب پڑھاتا، اس کی تدریس کا نقطۂ نظر کمیت نہین بلکہ کیفیت تھا، وہ ایک ذہین اور ذکی لڑکے کو ماہرِ فن بنانے مین اپنی پوری قوت صرف کر دیتا اور دیگر طلبہ کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیتا،

بیل کے لوگ عموماً الگ تھلگ رہتے ہین، اسلئے نٹشے کو شروع مین تنہائی محسوس ہوئی مگر کچھ دنون بعد اسکی پریشانی دور ہو گئی اور دلبستگی کا سامان ہو گیا، نٹشے نے جس کے پیے شخصیت پرستی

فطرۃ ثانیہ بن گئی تھی اپنے ایک دوست کو لکھا۔ "مجھے ایک ایسا شخص (واگنر) ہاتھ آگیا ہے جو شوپنہار کے قول کے مطابق ذہین ہے اور جس کا سینہ دل ہلا دینے والے فلسفہ سے معمور ہے، وہ دنیا کو خواب و خیال سمجھتا ہے، اس کے دل مین درد ہے، اس کے حوصلے بلند ہین، مین اس کے قرب کو باعث تقدس سمجھتا ہون"۔ (اسی واگنر کو نٹشے نے ۱۸۸۸ء مین "تباہی کا پتلہ" اور "کھر کھرانے والا سانپ" کا لقب دیا تھا)

واگنر سے نٹشے کی ملاقات لیپسک ہی مین ہو چکی تھی، ان دنون واگنر ٹربشن مین رہتا تھا نٹشے وہین اس سے ملنے گیا، اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ واگنر کا جسکی موسیقی اور قومی تحریکون کے مخالف جرمنی مین بیشمار آدمی تھے، کٹر اور پکا چیلا بنگیا، نوجوان نٹشے پر واگنر کا سکہ پوری طرح بیٹھ گیا تھا اور اس کے اکثر خیالات و جذبات مین یہ اثر نمایان ہے، ٹربشن مین نٹشے کئی ہفتہ رہا، واگنر کے خاندان سے اُسے اس قدر ربط ہو گیا تھا کہ ۱۸۶۹ء کے بڑے دن مین اسکی بی بی کوسیما نے تحائف خریدنے کا کام اسی کے سپرد کیا،

جنگ | جولائی ۱۸۷۰ء مین فرانس اور جرمنی کے درمیان جنگ ہوئی، نٹشے سوئس پروفیسر ہونے کی وجہ سے سوئیزر لینڈ کی رعایا مین داخل تھا، اسلیے اس نے (اگرچہ بعد کو وہ قومی تفریق اور تنگ خیالی کو ناپسند کرتا تھا) زخمیون کی تیمار داری کی غرض سے گورنمنٹ سے جنگ مین شرکت کرنے کی اجازت طلب کی، اجازت ملتے ہی وہ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا، اس نے بیچون و چرا تمام سرکاری احکام و قوانین کی پابندی کی، وہ زخمیون کو جرمنی سے لے آرہا تھا کہ راہ مین پیچش واسہال مین مبتلا ہو گیا، اسلئے اُسے مجبوراً اپنا کمیشن چھوڑ دینا پڑا، جنگ مین جن جگر خراش واقعات کا اس نے مشاہدہ کیا تھا وہ ان کے متعلق لب کھولنے کی بھی جرأت نہین کر سکتا تھا،

نٹشے ابھی پوری طرح اچھا بھی نہ ہوا تھا کہ یونیورسٹی مین پھر سلسلۂ تدریس جاری کر دیا،

آخرکار اُسے فوجی خدمت نیز اپنی صحت سے لاپرواہی برتنے کی سزا بھگتنی پڑی، وہ بیمار پڑا اور امراض متعددہ مثلاً اعضا شکنی، بدخوابی، آشوب چشم، بدہضمی وغیرہ کا آماجگاہ بنگیا، لوگانو مین بغرض تبدیل آب وہوا دو ماہ تک مقیم رہا، رفتہ رفتہ اسکی صحت اپنی اصلی حالت پر عود کر آئی،

"حادثہ کا آغاز" اس اثنا مین نٹشے کی پہلی کتاب "حادثہ کا آغاز"[1] تیار ہوئی، شروع مین کوئی چھاپنے والا دستیاب نہین ہوا، خدا خدا کر کے ۱۸۷۱ء کے آخر مین کتاب چھپی، یہ کتاب درحقیقت واگنر کی مدح تھی، کتاب کا بنیادی اصول یہ ہے، " دنیا اور ہستی کو صرف ایک "جمالی شئی" سمجھنا چاہئیے ہنر خود انسان کی آنکھون پر التباس واشتباہ کی پٹی باندھ دیتا ہے، ہر امر کی تکمیل التباس پر موقوف ہے کیونکہ اگر ہستی کے بے سود ہونے کا علم الیقین پہلے سے ہوگیا تو پھر دنیا مین کوئی کام نہین ہوسکتا"،

نٹشے یونان کے اس تمدن پر اعتراض کرتا ہے جو سقراط کے پہلے اور اس کے بعد تھا، اس کے نزدیک سقراط سے پہلے کا تمدن صرف گیت اور افسانہ سے لبریز تھا اور اس مین ظلم، تعدی اور نمائش کا رنگ غالب تھا، سقراط کے بعد کے تمدن مین بے شبہہ معقولیت اور شائستگی تھی، مگر کمزوری اور بد اخلاقی کا پہلو لیے ہوئے، مصنف نے کتاب مذکور مین یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کا تمدن سقراط کے عہد کے تمدن سے بہت کچھ مشابہ ہے،

نٹشے کی نظر مین معاشری اصلاح کی واحد صورت یہ ہے کہ واگنر کے پراسرار نغمۂ وسرود کو حیات انسانی کا دستور العمل بنایا جائے، نٹشے کی صرف چند کتابون مین باضابطگی اور خوش نظمی پائی جاتی ہے، ان مین ایک کتاب یہ بھی ہے، جس مبتدی کو مصنف کے حالات زندگی مطالعہ کرنا ہے اس کو اوّل اوّل اسی کتاب یا "خیالات[2] بے وقت" کو پڑھنا چاہیئے، اور ان کتابون کو پہلے نہین پڑھنا چاہیئے، جو کہاوتون کا مجموعہ ہین (مثلاً خطبۂ زردشت وغیرہ)

---

[1] The Birth of Tragedy [2] Thoughts out of Season

واگنر اور اسکی بی بی نے کتاب مذکور کو ہاتھون ہاتھ لیا، لیکن عام خلائق نے ذرا بھی توجہ نہ کی کسی شخص نے تبصرہ تک نہین کیا، بیل یونیورسٹی کے پروفیسرون نے کتاب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، بون کے ایک پروفیسر نے طلبہ سے علانیہ کہا کہ یہ کتاب لغو اور مہمل ہے، ایک عالم لسانیات نے کتاب مذکور کے خلاف ایک رسالہ لکھا جسمین مصنف پر سخت وسست حملے تھے، اگرچہ نٹشے کے قدیمی اور قلبی دوست رہڈی نے اس رسالہ کا جواب بھی شائع کیا تاہم اُسے کتاب کی بے قدری پر سخت صدمہ پہنچا، تھوڑے دنون تک اس پر اعتراضات کی بوچھار رہی اور طلبہ کو اس کے درجہ مین شریک ہونے سے روک دیا گیا، بہرحال نٹشے کی علمی شہرت اب روز بروز بڑھتی جاتی تھی، گریفولڈ اور ڈورپاٹ کی یونیورسٹیون نے لسانیات کی پروفیسری اس کی خدمت مین پیش کی مگر اُسنے شکریہ کیساتھ مسترد کردیا، ہمارا خیال ہے کہ کتاب مذکور کی خبران یونیورسٹیون تک نہین پہنچی ہوگی، بیل یونیورسٹی نے اس جان نثاری کے صلہ مین اسکی تنخواہ ۵۸ پونڈ ۱۱ شلنگ سالانہ کردی،

نٹشے بڑا محنتی اور جفاکش تھا، سرکاری فرائض کی انجام دہی کے علاوہ وہ عام جلسون مین لکچر دیتا اور لسانیات پر رسالے لکھتا تھا، اس کے لکچر بعنوان "ہماری درسگاہون کا مستقبل" بہت زیادہ دلچسپ ہین، وہ عوام کی سطحی تعلیم پر اعتراض کرتا ہے اور لسانیات کے طلبہ کی بیجا خصوصیتون کو خلافِ مصلحت سمجھتا ہے، اسکی نظر مین تعلیم گاہین دو قسم کی ہین، ایک وہ جو تہذیب و معاشرت کی تعلیم دیتی ہین اور دوسری وہ جو زندگی کو کامیاب بنانے کا ڈھنگ بتاتی ہین، نٹشے کا نصب العین نفس تعلیم ہے، اس کا دعوے تھا کہ "زباندانی کے پُرخار راستہ کے علاوہ اور کوئی راہ صائب الرائے ہونے کی نہین ہے، زباندانی سے میری مراد مختلف زبانون کی چھان بین کرنا نہین ہے بلکہ اپنی مادری زبان مین کمال و مہارت پیدا کرنا"

"خیالات بے وقت" ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۶ء کے مابین نٹشے نے یکے بعد دیگرے چار مضامین شایع کئے،

جن کو وہ "خیالاتِ بے وقت"[1] (یا بے وقت کی شہنائی) کہا کرتا تھا، پہلے مضمون کا نام "ڈیوڈ اسٹراس بحیثیت معترف و انشا پرداز"[2] ہے جسمین وہ مشہور فلسفی اسٹراز[3] پر حملہ کرتا ہے، اور جنگ کے بعد جرمنون کی بیجا قناعت پر نکتہ چینی کرتا ہے، مصنف کا خیال ہے کہ جنگ کے بعد سے جرمنی کے باشندے حد سے زیادہ قانع اور خاموش ہو گئے ہین اور یہ ان کے لیے سخت مضر بلکہ مہلک ہے، دوسرے مضمون "تاریخ کا جائز و ناجائز مصرف"[4] مین وہ ان علمائے تاریخ پر اعتراض کرتا ہے جو تاریخی معلومات کو زندگی کا نصب العین قرار دیتے ہین، چنانچہ وہ لکھتا ہے، "ہم کو تاریخ کی اسی حد تک قدر کرنا چاہیئے جس حد تک یہ ہماری زندگی کے کام آئے، اس سے تجاوز کرنا زندگی کو بے لطف اور بدمزہ بنانا ہے، تاریخ سے زیادہ کام لینا مستقبل کے لیے خطرہ سے خالی نہین، کیونکہ اس سے التباس و اشتباہ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ اشیاءِ عالم کی ہستی اور بقا کے لیے اشد ضروری ہین"، تیسرے مضمون "شوپنہار[5] بحیثیت معلم" مین وہ شوپنہار کی از حد مدح و ثنا کرتا ہے اور اس کو "زبردست فلسفی" اور آنیوالی نسلون کے لیے "بہترین نمونۂ عمل" قرار دیتا ہے، چوتھے مضمون "بیرتھ[6] کا رچرڈ واگنر"

---

[1] "Thoughts out of season".

[2] "David Strausz, The Confessor & The Writer"

[3] David Strausz جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا (۱۸۰۸ء تا ۱۸۷۴ء) وہ ہیگل کا شاگرد تھا، اسکی مشہور کتاب "حیاتِ مسیح" ہے جس مین اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ انجیل کی تمام باتین انسانون سے زیادہ وقیع نہین ہین، قدرتاً عیسائی اس کے مخالف تھے، اس نے فلسفہ پر متعدد کتابین لکھین جنمین سے بعض کا ترجمہ انگریزی مین ہو گیا ہے، وہ مذہب کو غیر ضروری سمجھتا تھا،

[4] "The use and Abuse of History".

[5] " Schopenhauer as Educator

[6] " Richard wagner in Bayreuth".

مین وہ واگنر کی مدح کرتا ہے، اور لکھتا ہے کہ "بیرتھ مین واگنر کی کوششون کا نتیجہ فقط یہی نہین ہوا کہ کسی خاص فن نے اپنے چہرہ سے گمنامی کی نقاب اتار پھینکی بلکہ نفس "علم" عالم وجود مین آگیا، واگنر کی جرمن شاعری سلاست، روانی اور قادرالکلامی کا جو نمونہ پیش کرتی ہے، وہ گیٹے کے سوا اور کسی کے کلام مین نہین ملتا"۔ واگنر کے متعلق نٹشے کا آخری جملہ یہ ہے: "فہم و فراست اور ذہن و ذکاوت مین واگنر کا آج تک کوئی ہمسر نہین ہوا"۔

نٹشے ان چار مضامین کو "خیالاتِ بے وقت" کہتا تھا، کیونکہ اس نے ان چیزون مین عیب و نقص نکالنے کی کوشش کی جنپر اس وقت سارے ملک کو ناز تھا، چونکہ ان مضامین کا لہجہ تلخ تھا اس لیے مخالفون کی تعداد اور بڑھگئی، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کی اشاعت مصنف اور ناشر (پبلشر) دونون کے نقطۂ نظر سے بے سود ثابت ہوئی،

واگنر سے شکر رنجی | نٹشے نے واگنر کی مدح مین جو مضمون لکھا تھا وہ درحقیقت ایک قسم کی الوداع تھی، اگرچہ نٹشے نے واگنر کی تحریکون کو کامیاب بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا، مضامین بھی لکھے اور روپے بھی خرچ کئے، لیکن اسکے دل مین یہ بات برابر کھٹکتی رہی کہ "مین ایسا کرنے مین اپنی شخصیت کھو رہا ہون، اور پبلک مجھکو واگنر کا چیلا سمجھنے لگی ہے"۔ یہ خیال روز بروز مستحکم ہوتا گیا اور کشیدگی اندر ہی اندر بڑھتی گئی،

یہ صحیح ہے کہ واگنر نٹشے کو صرف اپنی کامیابیون کا ذریعہ سمجھتا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ کون صاحب ہنر ایسا ہے جو دوسرون سے اپنا کام نہین نکالتا؟ مزید برآن واگنر نٹشے پر بیحد مہربان تھا اور اس کے معاملات مین خاص دلچسپی لیتا تھا، اگر نٹشے واگنر کی اس نصیحت پر عمل کرتا کہ "شادی کرکے دنیا کی سیاحی کرو"، تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی عظمت و شخصیت دوبالا نہ ہوجاتی؟

۱۸۷۵ء مین بڑے دن کے بعد نٹشے کی صحت پھر خراب ہوئی اور اسے تبدیلِ آب و ہوا کیلئے سفر جانا پڑا، اتفاق کی بات کہ ماہ اپریل مین جب کہ وہ تندرست ہوچکا تھا، اس کو ایک اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑا، وہ ہالینڈ کی ایک خاتون "مس ٹر" کے دامِ محبت مین گرفتار ہوگیا، لیکن جب اُسنے عقد کی خواہش ظاہر کی تو مس موصوف نے صاف کہدیا کہ "مین اپنا دل دوسرے کو دیچکی ہون، اسلیے معذور ہون" نٹشے کو اس ناکامی کا قلق عرصہ تک رہا،

۱۲ جولائی ۱۸۷۶ء کو واگنر نے نٹشے کے مضمون کا شکریہ ان الفاظ مین ادا کیا "رفیق من تمھاری کتاب خطرناک ہے" اور اسے بیرتھ مین آنے کی دعوت دی، نٹشے کے نام واگنر کا یہ آخری خط تھا، اس کے چند روز بعد واگنر نے نغمہ وسرود کی ایک محفل منعقد کی جسمین نٹشے بھی شریک ہوا، شہنشاہ، بادشاہ، نواب، رئیس غرض بڑے بڑے اشخاص کا مجمع تھا، ان مین واگنر پیر اور مقتدے بنا ہوا تھا، وہ اپنی اس غیر معمولی کامیابی پر بیحد نازان تھا، اس کا دماغ ساتوین آسمان پر تھا، اور اب علانیہ نٹشے سے بے رخی اور بے اعتنائی کرنے لگا، علاوہ ازین نٹشے پہلے واگنر کی موسیقی کی بابت نہایت ارفع واعلیٰ خیالات رکھتا تھا، اب جو اُس نے بچشم خود واقعات و حقائق کا مشاہدہ کیا تو اسکی آنکھین کھل گیئن، وہ مایوس ہوکر بیرتھ سے روانہ ہوگیا،

اس واقعہ کے بعد سے نٹشے کی طبیعت مین انقلابِ عظیم واقع ہوا، پہلے اس مین جوش و خروش تھا، اب سنجیدگی ومتانت آگئی، اس کا اعتبار اب فنون سے اُٹھ گیا، اس نے اب سائنس کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا، پہلے اس پر شاعری کا رنگ غالب تھا، اب فلسفہ کا رنگ غالب ہوگیا،

اسکی صحت پھر خراب ہوگئی اور کامل ایک سال آرام کرنے کی ضرورت پیش آئی، وہ دو دوستون کیساتھ (جنمین ایک ری تھا جس نے اسکی توجہ انگریزی فلسفہ کی طرف مائل کرائی) وہ

نیپلس گیا، تینون نے مس مسبنگ کے ہان قیام کیا جو وہان کی ایک معزز خاتون تھین اور مصنفہ بھی، انکی زندگی یہان پُر لطف گذری، نٹشے چھ ماہ بعد پھر یونیورسٹی چلا گیا اور سلسلہ درس و تدریس جاری کر دیا، "طبیعت انسانی" اگرچہ نٹشے نے تصنیف و تالیف کا کام پھر شروع کر دیا، تاہم خرابی صحت کی وجہ سے وہ کسی موضوع پر مستقل اور مسلسل تصنیف نہ کر سکا، اب اس نے مثل و کہاوت کی طرف توجہ کی، وہ کہاوتون کو پہاڑ کی چوٹیون سے تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک پہنچنے کی قریب ترین راہ یہ ہے کہ ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک چلا جائے، البتہ اس راہ کے مسافرون کو دراز قدم اور طویل قامت ہونا چاہیئے،

نٹشے اکثر سنسان مقامات کی سیر کرتا تھا، اور خیالات بھی اسکے دماغ مین عموماً سیر ہی کے وقت پیدا ہوتے تھے، وہ چلتے چلتے اپنے خیالات کو قلمبند کر لیتا اور پھر ان کو اطمینان کیساتھ یکجا مرتب کر لیتا، مگر وہ اپنی صحت سے مجبور رہتا، وہ ان "اشارات" کو پھیلا کر کوئی مبسوط کتاب تیار نہ کر سکا، نٹشے اپنی کتاب "طلوعِ صبح"[ا] کے متعلق لکھتا ہے "یہ کتاب فی الفور یا بلند آواز سے نہین پڑھنا چاہیئے، اس کو صرف "حوالہ" کے مصرف مین لانا چاہیئے، خصوصاً سیر و تفریح کے وقت تھوڑی دیر پڑھکر کتاب بند کر دینی چاہیئے"، یہ نصیحت مندرجہ ذیل کتابون کے مطالعہ مین بھی پیش نظر رہنا چاہیئے،

۱ "طبیعتِ انسانی"[۲]

۲ "فرحت بخش دانائی"[۳]

مئی ۱۸۷۸ء مین "طبیعتِ انسانی" کی پہلی جلد شائع ہوئی جسمین چھ سو کہاوتین ہین، واگنر اور اس کے متبعین نے کتاب کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا کیونکہ مصنف اب بدل گیا تھا،

ا "The Dawn of Day" ۲ "Human all too human"

۳ "The joyful Wisdom"

نٹشے پہلے سقراط کی مذمت کرتا تھا، اب اسکی تعریف کرتا ہے، ذیل کی عبارت قابل غور ہے:-

"اعلیٰ تعلیم کا اقتضا یہ ہے کہ ہم سیدھے سادے واقعات اور معمولی حقائق کی قدر فلسفیون اور صناعون کی نظر فریب اور دل خوش کن اغلاط سے زیادہ کرین"

نٹشے کی طبیعت مین اب جمود آتا جاتا تھا، اس کا خیال تھا کہ انسان اپنے فعل مین مختار نہین ہے، ان کہاوتون کا ایک حصہ اسٹیونسن[1] کی کتاب "فن مطالعہ" اور سر فلپ سڈنی[2] کی کتاب "شاعری کی مدافعت" کے مقابلہ مین پیش کیا جا سکتا ہے، اس حصہ کا موضوع بحث "مصنفون اور صناعون کی ارواح" ہے، اس سے مصنف کی حیرت انگیز صناعی اور دماغی قوت کا پتہ چلتا ہے، اس قسم کی پر اثر کہاوتین کتاب مذکور کی دوسری جلد اور "فرحت بخش دانائی" مین بھی ملتی ہین،

نٹشے روز بروز اپنے خیالات اور طریق عمل مین خود رائی اور خود سر ہوتا جاتا تھا، اس نے شوپنہار اور واگنر کو بھلا دیا، وہ اپنی کتاب "طبیعت انسانی" کو (جس کی دوسری جلد ۱۸۷۹ء مین دو حصون مین شائع ہوئی) "نازک وقت کی یادگار" سے تعبیر کرتا ہے، اس جلد ثانی مین بھی جو سات سو کہاوتون کا مجموعہ ہے وہ سقراط کی تعریف و تحسین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کہ لوگ انجیل چھوڑ کر سقراط کی کتاب "میمو ربلیا" پڑھین گے،

---

[1] A. Stevenson (۱۸۰۷ء، ۱۸۶۵ء) گلیسگو کا باشندہ تھا اور فن معماری مین ماہر تھا، سائنس کا سرگرم فاضل تھا، اور اپنی زبان مین مشہور انشا پرداز تھا،

[2] Sir Philip Sidney ۱۵۵۴ء مین انگلستان مین پیدا ہوا، ملکہ ایلیزبتھ کا مشہور درباری تھا، جرمنی مین عہدۂ سفارت پر مامور تھا، وہ سپاہی تھا، مدبر تھا، شاعر تھا، انشا پرداز تھا، وہ مختلف خوبیون کا مجموعہ تھا، جسکی وجہ سے وہ ملکہ ایلیزبتھ کا منظور نظر تھا،

کتاب زیر غور کا اصل اصول یہ ہے کہ ہم کو اپنے خیالات کی صحت پر بہت زیادہ اصرار نہین کرنا چاہیئے، اعتقادات مین غلو کرنے کی کوئی وجہ نہین، ہمین تیار رہنا چاہیئے کہ موقع و محل کے لحاظ سے اپنے خیالات و اعتقادات کو خواہ باقی رکھین خواہ بدل دین"،

نٹشے پھر بیمار پڑا، اس دفعہ اسکی حالت نازک ہو گئی، آخر ۱۸۷۹ء مین جب صحت نے بالکل جواب دے دیا، اس نے یونیورسٹی کی خدمت سے سبکدوشی حاصل کر لی، مجلس انتظامیہ (سینٹ) نے ایک پُر زور خط مین اسکی خدمات جلیلہ کا شکریہ ادا کیا اور ابتدائی تنخواہ کے برابر اسکی پنشن مقرر کر دی، بعد ازان وہ سینٹ مارز گیا جہان کچھ دن قیام کرنے کے بعد اسکی حالت سنبھلی، وہ پھر کتاب مذکور کی دوسری جلد (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کی تیاری مین مصروف ہوا، مگر چند ہی روز مین اسکی صحت پھر خراب ہو گئی اور بڑے دن تک اسکی حالت مایوس کن ہو گئی، وہ اب سمجھنے لگا کہ موت آپہنچی،

نٹشے نے بعد ازان وینس مین موسم بہار گذارا، شہر کی پُر لطف آب و ہوا نے اسکی صحت پر بہت اچھا اثر کیا، وہ اب تن تنہا مختلف ممالک کی سیاحی کرتا، اٹلی، جرمنی، اور انگیڈن مین زیادہ تر وقت گذارتا تھا، ان تینون مین اُسے آخر الذکر سے خاص شغف تھا، اٹلی مین زیادہ اور جرمنی مین کم قیام کرتا تھا، اس طرح برسون سیر کرتا رہا، کبھی صحت کے خیال سے، کبھی خلوت نشینی کی غرض سے، کبھی احباب کی ملاقات کے لیے اور کبھی حق و صداقت کی جستجو کے لیے دنیا کی خاک چھانتا رہا، اس طویل و عریض سفر مین وہ وینس، جینوا، نائیس اور سلسمیری کے سوا اور کہین زیادہ نہین ٹھہرا،

نٹشے کے مزاج مین اب انکسار و سادگی آگئی تھی جینوا مین وہ اپنے ہاتھ سے ولایتی چولھے مین کھانا پکا لیا کرتا تھا، شام کو کبھی دردِ سر ہو جاتا اور وہ بلا چراغ جلائے سو رہتا، ایک دفعہ

پڑوسیون نے سمجھا کہ بیچارہ مسافر (نٹشے) اتنا تہیدست ہے کہ چراغ رکھنے کا بھی متحمل نہین، چنانچہ انھون نے اپنی طرف سے روشنی کا سامان کرنا چاہا مگر اس نے منع کر دیا، اس کے بعد سے لوگ اُسے "سینٹ" (پادری) کہنے لگے صبح کا وقت وہ دریا کے ساحلون اور پہاڑون کی سیر مین گذارتا، جب گرمی محسوس ہوتی تو وہین فرشِ خاک پر پڑ رہتا اور بحرِ خواب وخیال مین غرق ہو جاتا، اس کا روزنامچہ ہمیشہ ساتھ رہتا تھا۔

"طلوعِ صبح" ۱۸۸۱ء مین نٹشے نے ایک اور کتاب "طلوعِ صبح"[۱] کے نام سے شائع کرائی، اب تک اس نے جو کچھ لکھا تھا وہ فوری اور وقتی چیز تھی، اب وہ اپنا فلسفہ پیش کرتا ہے، یہ کتاب بھی بیشمار کہاوتون کا مجموعہ ہے، جسمین تقریباً ہر قسم کے عنوان پر بحث کیگئی ہے، مجموعی حیثیت سے کتاب بہت اچھی ہے، اس کے پڑھنے سے فطرت انسانی کی اندرونی حالت معلوم ہوتی ہے، اب وہ کھلم کھلا مسیحیت کی مخالفت کرتا ہے، چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے:-

"وہ خدا جو حق پر قابو رکھنے کے باوجود افرادِ انسانی کو طرح طرح کی پریشانیون اور الجھنون مین مبتلا رکھے، اور وہ خدا جو خلائق کو حق کی جستجو مین ہمیشہ سرگردان اور پراگندہ حال بنائے رہے کیا ظالم خدا نہ ہو گا؟"

ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ رے نے نٹشے کی توجہ انگریز مادیین کی طرف منعطف کرائی، اسکا اثر اس کتاب مین بین طریقہ سے نمایان ہے، اب اس کا دعویٰ تھا کہ "صرف عضویات اور علم طب پر ہم اپنے جدید تصورات کی بنیاد قائم کرسکتے ہین" اب نٹشے کے دل مین اسپنسر[۲] کی عزت

---

[۱] "The Dawn of day" [۲] "Herbert Spencer" انگلستان کا ایک مشہور و معروف فلسفی تھا، ڈربی مین ۱۸۲۰ء مین پیدا ہوا، اُسنے فلسفہ کے متعدد شعبون پر رسالے اور کتابین لکھین، اسکے فلسفہ خاص کے عناصر اربعہ یہ ہین، (۱) حیات (۲) نفس (۳) معاشرت (۴) اخلاق، انکے ارتقا پر اس کے فلسفہ کی اسکیم مبنی ہے، چنانچہ یہ اسکیم چار حصون مین (۱) "حیاتی اصول" (۲) "نفسیاتی اصول" (۳) "معاشری اصول" اور (۴) "اخلاقی اصول" کے نام سے شائع ہوئی، ان کتابون کا ترجمہ مختلف زبانون مین ہو گیا ہے،

کم ہو گئی تھی، وہ اب امپڈوکلس[1]، ہیراکلیٹس[2] اور گیٹے[3]، کا عقیدتمند تھا، وہ اب قدرت کی چیزون پر ناقدانہ اور مبصرانہ نظر نہین ڈالتا اور اشیائے عالم کے اغراض و مقاصد کا خیال تک ذہن مین نہین لاتا،

اس اثنا مین نٹشے کو اوّل اوّل سلسمیری کی بلند اور خوشنما چوٹیون پر یہ خیال ہوا کہ دنیا کی ہر شئے بار بار آتی ہے، اور نظر سے غائب ہو جاتی ہے، وہ اس خیال کو فخریہ "اکتشاف جدید" سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ یہ کوئی نیا خیال نہین ہے، ابتدائے آفرینش سے اس قسم کا خیال موجود ہے، علاوہ ازین آخر اس کا حاصل کیا؟ بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہے تو اس سے کوئی فائدہ نہین،

"فرحت بخش دانائی"

اس "تکرار ابدی" کے خیال نے نٹشے کو کچھ دنون کے لیے افسردہ کر دیا، رفتہ رفتہ افسردگی دور ہوئی اور پھر وہ نغمۂ و سرود مین لگ گیا، سنہ ۱۸۸۲ء مین اوسنے اپنی بہترین کتاب "فرحت بخش دانائی[4]"

[1] Empedocles قدیم یونان کا ایک مشہور فلسفی تھا، سسلی مین سنہ ۴۹۴ ق م مین پیدا ہوا، وہ یونان مین جمہوری حکومت کا بانی تھا، عوام اس کو پیغمبر بلکہ دیوتا سمجھتے تھے، ۶۰ سال کی عمر مین گمنامی کی موت مرا یا روپوش ہو گیا، ارسطو کا خیال تھا کہ وہ قصداً پہاڑ پر سے گر کر مر گیا تا کہ خلائق اسے اور زیادہ مقدس سمجھین، اس کے فلسفہ کا اصل اصول یہ تھا کہ آب و باد و خاک و آتش (عناصر اربعہ) سے دنیا خود بخود پیدا ہو گئی ہے اور تمام کائنات مین محبت و عداوت یا موافقت و منافرت کا عنصر ضرور پایا جاتا ہے،

[2] "Heraclitus" قدیم یونان کا ایک مشہور فلسفی تھا، افیسس مین سنہ ۵۱۳ ق م مین پیدا ہوا، دنیا کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اس کا دل زندگی سے اچاٹ ہو گیا، پہاڑون کے غارون مین رہنے لگا اور گھاس پات پر گذارا کرنے لگا، چندہی روز مین بیمار پڑا اور انتقال کیا، وہ "آگ" کو تمام کائنات کی جڑ سمجھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ "آگ" سے دنیا خود بخود منتج ہو گئی ہے، اور "آگ" روح انسانی کے لیے روح رواں ہے،

[3] Goethe (سنہ ۱۷۴۹ء تا سنہ ۱۸۳۲ء) جرمنی کا ایک مشہور و معروف شاعر گذرا ہے، وہ ڈراما نویس تھا، فلسفی تھا اور معلم اخلاق تھا، اسنے اپنی خداداد قابلیت اپنے ہموطنون کی اصلاح مین صرف کردی اسنے فی الحقیقت جرمنون کو سیاسی، اخلاقی اور علمی تنزل سے نجات دی،

[4] The Joyful Wisdom

پبلک کی خدمت مین پیش کی، اس خوش آئند روح پرور اور جان افزا کتاب کی بہترین تقریظ یہ ہو سکتی ہے، کہ اسکی ایک نظم کی چند سطرین یہان نقل کردیجائین،

نٹشے آندھی کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

"وہ تو جوانا فانا جھپٹتی ہے، بادلون سے آگے بڑھجاتی ہے، فکر و پریشانی کو رفع کرتی ہے، آسمان کو بہالیجاتی ہے: میری سچی رفیق ہے، ہم دونون ایک ہی آغوش مین پلے ہین، ایک ہی تقدیر ہم دونون کی رہنمائی کرتی ہے، اور ایک ہی انجام ہم دونون کے پیشِ نظر ہے، تو پہاڑون خلیجون اور دریا کی لہرون مین گشت لگا، نئے نئے مقامات کی سیر کر، لیکن اُسکے ساتھ ساتھ ہمارے علم کو پُر لطف اور فرحت بخش بنا، ہمارے ہنر کو سیر و تفریح کی مانند مرغوب خاطر کر، ہمارے تفکرات دور کر، خستہ حالون اور بیمارون کے منہ پر خاک ڈال، ہمارے پُر فضا اور دلکش مقامات سے غمزدون کو کوسون دور رکھ، ایسے لوگون کے لیے ہوا نہین چلاکرتی بلکہ صرف توانا وٗن کیلیے"

یہ کتاب نہایت دلکش ہے اور درحقیقت مصنف کی جدت طرازی کا تماشا گاہ ہے، اب "تکرار ابدی" کا خیال اس کے دماغ سے دور ہوگیا اور "فوق البشر" کے زبردست تصور نے اُسکی جگہ لی، زردشت[1] کا خیال اوّل اوّل اسکے دل مین اسی ضمن مین پیدا ہوا،

"خطبۂ زردشت" نٹشے نے اسی سال موسم بہار مین سسلی کا سفر کیا، کچھ دنون مین اسکی طبیعت وہان سے سیر ہوگئی، بعد ازان اسکی قدیم کرمفرما مس مسینگ نے اسے روم بلالیا، وجہہ ہوئی کہ نٹشے نے مس موصوف کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ "مین آپ پر اعتماد کرکے کہتا ہون کہ مجھے واقعی

---

[1] Zoroaster پارسی مذہب کا بانی تھا، قبلِ اسلام سارا ایران اس کا پیرو تھا، بعض لوگ اُسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ہمعصر سمجھتے ہین، "زنداوستا" مین اسکے تمام احکام و ہدایات محفوظ ہین، اسکے خیال مین "خیر" کی روح "ارمزد" اور "شر" کی روح "اہرمن" ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی ہین، اور انکی باہمی تکرار کی وجہ سے انسانی قلب ہمیشہ کلفتون کا آماجگاہ بنا رہتا ہے،

جس شئے کی ضرورت ہو وہ ایک وفادار رفیقۂ زندگی ہے"۔ اس خواہش کے مطابق مسٹر موصوف
نے ایک بست سالہ لڑکی کو (جس کا نام لوسلومی تھا) منتخب کیا، نٹشے دیکھتے ہی اُسپر عاشق ہو گیا،
مگر جب اس نے شادی کی تجویز پیش کی تو لوسلومی نے انکار کر دیا، یہ عجیب بات ہے کہ انکار کے
باوجود کئی مہینے تک دونون کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے، اور پھر یکایک منقطع ہو گئے،
یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ اس عرصہ مین کیا واقعات پیش آئے اور یکایک انقطاعِ تعلّق کی کیا وجہ
ہوئی، اب نٹشے کے جاننے والون مین صرف دو شخص زندہ ہین، ایک خود لوسلومی اور دوسرے
اسکی بہن ایلیزبتھ، یہ دونون بہ تقاضائے فطرت ان واقعات کا پردہ چاک کرنا نہین چاہتین
جو نٹشے کے لئے فرحت بخش بھی تھے اور جگر خراش بھی، اس سلسلہ مین ایک طرف نٹشے نے
ایک بہترین دوست یا رفیقۂ زندگی کے حصول کی امیدون کو ٹھکرا دیا اور دوسری طرف اپنے
قدیم خیرخواہ ریے کو اپنا مخالف بنا لیا، ریے نٹشے کو بدکاری کا مجرم سمجھتا تھا،

نٹشے اب دستور سے زیادہ خلوت گزین ہو گیا، وہ بالکل اکیلا تھا، سیر و گلگشت اسکا
مشغلہ تھا، اس تنہائی مین وہ "خطبۂ زردشت"[1] کی تیاری مین مصروف ہوا، یہ کتاب درحقیقت
نیرنگِ خیال ہے مصنف اب "تکرار ابدی" کا خیال دور کر دیتا ہے اور ہر شے کا ایک مرکز
اور محور تلاش کرتا ہے، وہ بنی آدم کو "فوق البشر" کے تتبع کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:
"مین تمہین "فوق البشر" کے معنی بتاتا ہون، انسان کی سطح عام سے تجاوز کرنا تمھارا
فرض ہے، بتاؤ تم نے اب تک اس راہ مین کونسا قدم اٹھایا، اورون نے اپنی حیثیت سے
زیادہ کام کیا اور تم ترقی معکوس کر کے آخری صف مین جانا چاہتے ہو، دنیا درحقیقت "فوق البشر"
سے عبارت ہے، تم کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے، میرے بھائیو! دنیا کے وفادار بنے رہو اور

[1] Thus Spake Zarathustra

لوگون کی جھوٹی اور خیالی توقعات پر ایمان نہ لایا کرو"،

متذکرۂ بالا خوش آیند تمہید کے بعد کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے، اس مین زیادہ تر خطبے اور لکچر ہین، جو زردشت نے فرضی حاضرین کے مجمع مین دیئے ہین، ایک مصنوعی قصہ ان خطبون کو ایک رشتہ مین منسلک کرتا ہے، کتاب کے ہیرو کا نام زردشت (جو قدیم ایران مین ایک مشہور فلسفی گذرا ہے) اوّل اوّل یون ہی رکھ لیا گیا مگر بعد کو متعدد توجیہین کی گئین کتاب کا پہلا حصّہ زیادہ تر "فوق البشر" پر بحث کرتا ہے اور دوسرا حصّہ "تکرار ابدی" کے نظریہ پر، اگرچہ نٹشے نے اپنی خود نوشتہ سوانحعمری مین "تکرار ابدی" کے خیال کو اپنے فلسفہ کا اصل اصول قرار دیا ہے؛ تاہم افسوس کی بات ہے کہ اس نے اس کتاب مین بھی یہ ذکر چھیڑ دیا، اگر یہ ذکر نہ ہوتا تو کتاب صرف پر لطف اور دلپذیر گیتون کا مجموعہ ہوتی،

"قدیم اور جدید معیار اخلاق" کے باب مین جو مصنّف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے، کہین وہ "فوق البشر" کے مضمون پر قلم اُٹھاتا ہے اور کہین "تکرار ابدی" کی تلقین کرنے لگ جاتا ہے، خود نٹشے کو اس "اجتماع ضدین" کا احساس تھا مگر وہ ان دو طرفہ خیالات کے ذریعہ سے متذکرۂ بالا دو نظریون مین مطابقت پیدا کرنا چاہتا تھا، بہرکیف کتاب زیر غور مجموعی حیثیت سے اچھی اور قابل دید ہے،

اس کتاب کے چار حصّے ہین جو یکے بعد دیگرے ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۴ء کے مابین شائع ہوئے خلائق نے اس کو لاپرواہی کی نظر سے دیکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کی اشاعت بالکل نہ ہوئی اور مصنف کو چوتھا حصّہ اپنے جیب خرچ سے چھاپنا پڑا اور وہ بھی صرف چالیس عدد جنکو وہ احباب مین مفت تقسیم کرنا چاہتا تھا، اس سے بڑھکر بیکسی اور کس مپرسی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے کل سات آدمی ایسے ملے جنکو وہ اپنی کتاب ہدیہ کر سکا، کسی ناقد نے کتاب کا ذکر تک نہین کیا، با این ہمہ

مصنف اس کتاب کو بنی نوع انسان کے لیے "دقیق ترین کتاب" اور بہترین عطیہ سمجھتا ہے
بعض طلبہ ہمارے خلوت گزین فلسفی کی ملاقات کو آتے، مگر کچھ دنون بعد وہ بھی عیب
سے کنارہ کش ہو جاتے، مقامِ حسرت ہے کہ نٹشے ان چند رفقار کو بھی اپنے ساتھ نہین رکھ سکا
جنسے زمانہ نے اسکو وابستہ کر دیا تھا، پھر بھی اس کا یہ حوصلہ تھا کہ لائق اور فاضل رفقار کی ایک
جمعیت "شاہی انجمن" کے پیمانہ پر قائم کیجائے جسکا صدر خود ہو،

"ماورائے خیر وشر" نٹشے کے روزنامچے اشارات سے بھرے ہوئے تھے، اسے کبھی کبھی خیال ہوتا تھا
کہ ان کو پھیلا کر ایک ضخیم اور مبسوط کتاب تیار کیجائے جسمین فلسفہ کا سارا ذخیرہ موجود ہو، لیکن
اس خیال نے کبھی عملی جامہ نہ پہنا، آخر مجبور ہو کر اس نے ان اشارات کے ایک حصہ کو مشرح کر کے
"فلسفۂ مستقبل" پر ایک کتاب لکھی جسکا نام "ماورائے خیر وشر" رکھا،[1] خلائق کو ایسی کتاب کی
مطلق ضرورت نہ تھی، اسلیے کسی مطبع نے اسے قبول نہین کیا، مجبور ہو کر ۱۸۸۶ع مین اس نے
اپنے ذاتی خرچہ سے کتاب چھپوائی، اس مین تین سو کہاوتین ہین جسمین بہت سی باتین وہی ہین
جنکو وہ "فرحت بخش دانائی" مین لکھ چکا تھا، کتاب نفیس، لطیف اور جراُت آموز ہے، اور صرف
ان طبیعتون کے لیے موزون ہے جو آزاد اور بیحد آزاد ہین،

مصنف نے جس خوش اسلوبی سے فلسفیون اور عام مصنفون پر حملہ کیا ہے اس سے
اسکی جودتِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے، آخری باب بعنوان "شریف کون ہے" نہایت دلچسپ
اور حوصلہ افزا ہے، قومی اتحاد کے متعلق اسکی رائے نہایت معقول ہے، وہ "متحدہ یورپ" کی تجویز
پر فخر کرتا ہے، مختلف اقوام پر رائے زنی کرتے ہوئے انگریزون کو "بد ترین قوم" سے موسوم
کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

---

[1] "Beyond Good and Evil"

"انگریز چھوٹی قوم کے لوگ ہین، اپنی مرضی پر چلنے والے جانور ہین، وہ اپنی مکاری سے ساری دنیا کو بیوقوف بنائے ہوئے ہین شکسپیر جسکی طبیعت مین مراکشی، اندلسی اور سکسینی تینون کا عنصر غالب تھا، اس کے کارنامون پر ایشولس[1] کے طبقہ کا یونانی فاضل، ہنسی یا غصہ کے مارے ادھ موا ہو جاتا، کارلائل[2] نہایت بد دماغ اور کند ذہن تھا، انگریزون کی قوم شرابیون اور اوباشون کی قوم ہے، انگلستان کے موجودہ کارنامے بالکل عامیانہ اور سوقیانہ ہین۔"

نٹشے خانگی زندگی مین خلیق ورحم دل تھا، سلسماریا مین جو لوگ اس سے گاہے گاہے ملتے تھے ان کی شہادت موجود ہے، ایک انگریزی خاتون نے جسکی صحت اچھی نہ تھی ایک دفعہ اس سے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ آپ مصنف ہین، اور مین آپ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنا چاہتی ہون"۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کیتھولک مذہب کی پیرو ہے، لہذا اس نے نہایت اطمینان کیساتھ جواب دیا کہ "نہین ہین نہین چاہتا کہ تم میری کتابین پڑھو کیونکہ اگر وہ برحق ثابت ہوئین تو تمھاری جیسی نازک عورت جانبر نہین ہو سکتی" اب نٹشے کی تنہائی اور بیکسی حد سے زیادہ وحشت انگیز تھی،

"عزم للقوۃ" نٹشے نے "عزم للقوۃ"[3] کے نام سے اپنے فلسفہ پر ایک مستقل کتاب لکھنی چاہی جسمین وہ اشیاء کی قدر و قیمت مین تغیر و تبدل کی ضرورت ثابت کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ ارادہ کبھی

---

[1] Aeschylus (۵۲۵ - ۴۵۶ ق م) یونان قدیم کا سب سے بڑا شاعر تھا، وہ مشہور ڈرامانویس تھا، اور ٹریجیڈی کا موجد تھا، وہ بہادر سپاہی بھی تھا، چنانچہ اوس نے ستر ڈرامے لکھے اور تیرہ فتوحات کیے، سات ڈرامے اب تک موجود ہین، جنکا ترجمہ انگریزی مین ہو گیا ہے۔
[2] A. Carlyle D.D. (۱۷۲۲ - ۱۸۰۵ء) اسکاٹلینڈ کا باشندہ تھا، عرصہ تک پادری کی خدمت انجام دیتا رہا، اواخر عمر مین اس نے اپنی سوانح عمری لکھی جو اسکی وفات کے برسون بعد (۱۸۶۰ء مین) شائع ہوئی، اس خود نوشتہ سوانحعمری مین اسنے اسکاٹلینڈ کے باشندون کے معاشری حالات پر[5]

پورا نہین ہوا، اس اثنا مین (۱۸۸۶ء کے موسمِ سرما مین) اس نے "حادثہ کا آغاز" "طلوعِ صبح" اور "فرحت بخش دانائی" کو دوبارہ شائع کیا اور ہر ایک مین دیباچہ کا اضافہ کیا جس سے اس کے روحانی جذبات پر روشنی پڑتی ہے،

۱۸۸۷ء کے اوائل مین نٹشے کی ملاقات ایک خاتون وی، پی نامی سے ہوئی، جس کا تفصیلی حال نہین معلوم، حتیٰ کہ ہم اس کا پورا نام بھی نہین جانتے، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ دونون سین رلیو اور مانٹے کارلو ساتھ گئے، کچھ دنون کے بعد پھر اسکی صحت خراب ہوئی، عرصہ تک کوایری (سوئٹزرلینڈ) مین زیر علاج رہا، یہان بھی اُسے اپنا فلسفہ مرتب کرنے کا خیال دامنگیر تھا، اوسنے عنوانات اور ابواب کا خاکہ بھی تیار کر لیا تھا، لیکن یہ حوصلہ پورا نہ ہونا تھا نہ ہوا، خرابی صحت اور دیگر عوائق ہمیشہ سدِ راہ رہے، خود نٹشے کو اس مجبوری کا احساس تھا، آخر لاچار ہو کر اس نے "اشارات" کے بعض حصون کو پھیلا کر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھنا شروع کئے، چنانچہ "مادرا اے خیر و شر" اور اس کے بعد کی تمام کتابین ("واگنر کی حیثیت"[۱] اور اوسکی خود نوشتہ سوانحعمری کے علاوہ) ان ہی اشارات کی توضیح و تشریح کا نتیجہ ہین،

ان مسودون مین جو نٹشے کی وفات کے بعد شائع ہوئے ہین، ہمین وہ اشارات بھی ملتے ہین جنسے وہ اپنی کتاب "عزم للقوۃ"[۲] تیار کرنا چاہتا تھا، یہ اشارات انگریزی اڈیشن مین دو جلدون مین ہین، اور کچھ اوپر آٹھ سَو صفحون پر مشتمل ہین، ان کو دیکھکر ہر شخص کو صدمہ ہوتا ہے کہ غریب نٹشے ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۹ء تک مسلسل اور پیہم کوششون کے باوجود اپنے فلسفہ کو یکجا مجتمع نہ کر سکا، اس کتاب کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ "تنازع للبقاء" نہین بلکہ "تنازع للقوۃ" حیاتِ انسانی کا نصب العین ہے، نیز اس کتاب مین مصنف "اشتراکیۃ" اور "مسیحیت" کی شدید مخالفت کرنا چاہتا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) بھی بحث کی ہے، [۱] The Case of Wagner [۲] The Will To Power

اور انگلستان کے فلسفیون پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اسکی نظر مین اسٹورٹ مل[1] کند ذہن اور اسپنسر کا فلسفہ چار فروشون کا فلسفہ تھا، مصنف اس کتاب مین "فوق البشر" پر بھی روشنی ڈالنا چاہتا تھا، مزید برآن وہ اور بہت سے مضامین پر بحث کرنا چاہتا تھا جنمین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر یہ ہین:

۱- عزم للقوۃ اور سائنس،

۲- جمعیت اور سلطنت،

۳- ترتیبِ مدارج،

"اخلاقیت کی ابتدا" سویٹزرلینڈ کے ایک ناقد نے "ماورائے خیر وشر" پر اعتراضات شائع کئے اور اس کو "شورش انگیز اور مفسدہ پرداز کتاب" سے موسوم کیا، چند ہی ہفتے مین نٹشے نے جواب مین تین مضمون لکھے جو ۱۸۸۷ء مین "اخلاقیت کی ابتدا"[2] کے نام سے شائع ہوئے، یہ دراصل "ماورائے خیر وشر" کی شرح ہے، اس کا موضوعِ بحث یہ ہے، "انسان نے اوّل اوّل کن حالات مین "خیر وشر" کی تفریق کی، اور بذاتِ خود "خیر وشر" کی کیا قیمت ہے؟" اس کتاب مین جرم و گناہ اور عقوبت و سزا کی ابتدا، اور تدریجی ترقی سے بھی بحث کیگئی ہے اور واگنر پر حملہ کیا گیا ہے مصنف نے خودستائی کے پیرایہ مین جو دیباچہ لکھا ہے اس سے اس کے دماغی نشیب و فراز کی کیفیت معلوم ہوتی ہے،

اکتوبر ۱۸۸۷ء مین نٹشے نائیس گیا، یہان دو قابلِ ذکر باتین پیش آئین، ایک تو یہ کہ

---

[1] John Stuart Mill لندن مین ۱۸۰۶ء مین پیدا ہوا اور اوگنون مین ۱۸۷۳ء مین انتقال کیا، وہ قدیم یونان کے فلسفیون کا تتبع کرتا تھا اور یونانی زبان مین خاص مہارت رکھتا تھا، اس کا خاص مضمون منطق تھا اسکی کتاب "The System of Logic" مقبول خاص و عام ہوئی، وہ استقرائی منطق کا بانی تھا،

[2] "The Genealogy of Morals"

اس کا قدیمی کرمفرما اروِن روڈی انتقال کر گیا جسکا قلق اسے عرصہ تک رہا اور دوسرے یہ کہ اُسے یہان دو معزز قدردان دستیاب ہوئے، ایک ڈین جارج برنڈیز اور دوسرا فرانسیسی مورخ ٹین، مؤخر الذکر اسکی ہمت افزائی کیا کرتا تھا،

موسمِ سرما مین پھر وہ "عزم للقوۃ" کی تیاری مین مصروف ہوا لیکن کامیابی کی رفتار سست تھی، کیونکہ اس کے دماغ مین ہزارون ایسے عقدے گشت لگاتے تھے جنکے حل کرنے کی صورت نظر نہین آتی تھی، تنہائی الگ عذابِ جان تھی، وہ اب رفاقت بلکہ مناکحت کا خواہان تھا، وہ اکثر خیال کرتا کہ "اگر مجھے واگنر کی بیوی کی طرح کوئی رفیقۂ زندگی ملجائے تو پھر میری زندگی خوش و خرم گذرے گی اور مجھے آئے دن کی مصیبتون سے نجات مل جائے گی"۔

نٹشے کی صحت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی، وہ اب تنگ مزاج ہوتا جاتا تھا، نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی اس سے رخصت ہوتی جاتی تھی، اپریل ۱۸۸۸ء مین ڈین جارج برنڈیز نے (ڈٹورن مین) اس کو خط لکھا کہ "مین تمہارے فلسفہ پر لکچر کا سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہون" اسکی مسرت کی انتہا نہ تھی کہ "میرے فلسفہ کی قدر ہوگی" وہ اب مانو کی کتاب (قانون) کا مطالعہ کرتا تھا اور اسے انجیل سے زیادہ کارآمد سمجھتا تھا، نٹشے کو اب یقین ہوگیا کہ مین جس اعلیٰ پیمانہ پر اپنا فلسفہ قلمبند کرنا چاہتا ہون اس کے لیے کافی مواد نہین ہے، اسلیے اس نے "عزم للقوۃ" کی تکمیل کا خیال چھوڑ دیا، اب وہ تخریبی رسالون کے لکھنے کی طرف متوجہ ہوا،

دیگر تصنیفات ۱۸۸۸ء مین نٹشے کے دماغ کا بالائی حصہ بیکار ہوگیا، دماغ کا نچلا حصہ اب تک بجا اور درست تھا، لیکن تحقیق اور فیصلہ کی قوت جس کے لیے صحیح و سالم دماغ کی ضرورت ہوتی ہے تقریباً مفقود ہوگئی تھی، اس کس مپرسی کی حالت مین وہ مس سبنگ کو لکھتا ہے "مین نے بنی نوعِ آدم کو دقیق ترین کتاب "خطبۂ زردشت" دیدی، مین یورپ کے لیے مجسمۂ حریت

ہون، مین جرمنی کا تنہا انشا پرداز ہون"۔ اس اختلالِ دماغ کی حالت مین اس نے اپنے سابق پیشوا اور رفیق واگنر کے خلاف مئی اور جون کے مہینون مین ایک زہرآلود رسالہ لکھا جو موسمِ خزان مین شائع ہوا، اس رسالہ مین وہ لکھتا ہے :۔

"واگنر علم موسیقی کا ماہر نہین ہے، وہ صرف نقال ہے، اسکی زندگی نقائص سے بھری ہوئی ہے، وہ کھڑکھڑانے والا سانپ ہے، وہ زوال وتباہی کا پتلہ ہے"۔

اس کے بعد نٹشے نے ایک کتاب "امید کی کرن" کے نام سے لکھی، مصنف مین اب جلد بازی اور زود پسندی کا مادہ آگیا تھا، چنانچہ اس نے یہ کتاب چند روز کے اندر لکھی اگرچہ یہ اس وقت چھپی جبکہ اسکی قوت جسمانی رخصت ہو چکی تھی، وہ لکھتا ہے :۔

"تم حقایق ومعارف کو ٹھکراتے ہو بلکہ ان کا خون کرتے ہو، خیر یہ کتاب ہر شخص کے لیے دلبستگی کا ذریعہ ہے، یہ امید کی کرن ہے، یہ عالمِ نفسیات کے لیے دلچسپ مشغلہ ہے"۔

نٹشے تو اپنی تصنیفات کی تعریف وتحسین کرتا ہے، مگر اس کے مخالفین کا بیان ہے کہ یہی خودستائیان اور خودنمائیان اس کے خللِ دماغ کا ثبوت دیتی ہین، بہرکیف ہمارا نامور فلسفی اب اچھا خاصہ ہجوگو بنگیا، وہ اب ہر ایک پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور انگریزون کی خصوصیت کیساتھ دھجیان اڑاتا ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے :۔

"انگریز مکر وحیلہ مین استاد ہین، کارلائل سے بلا ارادہ بھی جعل وفریب سرزد ہو جاتا تھا اور وہ ناشایستہ حرکات کو بھی بہادرانہ اور شریفانہ طرزِ عمل سمجھتا تھا، انگلستان مین جب کوئی مذہب سے آزادی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے تئین فخریہ اخلاق کا پرجوش اور سرگرم علمبردار بتانے لگتا ہے"

نٹشے نے اپنی مجوزہ تصنیف کی تیاری مین ایک دفعہ اور کوشش کی اور یہ اس کی آخری

---

(۱) "The Twilight of the Idols"

کوشش بھی، چنانچہ اس نے ایک ماہ کے اندر اپنے فلسفہ کا ایک حصّہ "تردید مسیحیت"[1] کے نام سے شائع کیا، طرز بیان مین یہ کتاب سابق دو کتابون سے بدرجہا بہتر ہے، مصنف کے خیالات کا ملخص درج ذیل ہے:-

"مسیحیت کو بھی اور مذاہب کی طرح کذب بیانی اور دروغگوئی کی ضرورت ہے لیکن جو شے مسیحی مذہب کو دنیا کا بدترین اور مہلک ترین مذہب قرار دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ اوسکی دروغگوئیان حیات انسانی کے لیے مضر اور خطرناک ہین، مسیحیت بہت بڑی لعنت، بہت بڑی گمراہی اور بہت بڑا انتقام ہے۔"

نٹشے ستمبر مین ٹورن گیا، دس سال کے عرصہ مین اوسکی صرف ایک تصنیف "واگنر کی حیثیت" کا ذکر اخبارات مین آیا، چند اخبارات نے یہ ریمارک کیا کہ واگنر کا سرگرم حامی اب انقلاب کا پیکر مجسم بنگیا، یہان اس نے ۱۸۸۸ء کے آخری چند مہینے خوشی اور بے فکری مین گذارے، ملو مین جارج برنڈیز کے ذریعہ سے اس کو ایک اور قدردان ملگیا جسکا نام اے اسٹرنڈبرگ تھا، نٹشے کو عمر بھر مین کل تین قدردان ملے، پیرس مین ٹین سویڈن مین اسٹرنڈبرگ اور ڈنمارک مین جارج برنڈیز یہ قدردانی بھی بعد از وقت ہوئی، نٹشے کو بھی اس کا احساس تھا، اس کے متعدد خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کے دل و دماغ مین آنیوالے واقعات چکر لگا رہے تھے،

نٹشے نے ایک اور کتاب لکھی اور یہ اُس کی آخری تصنیف تھی، یہ اسکی خود نوشتہ سوانحعمری[2] تھی جو چند ہفتون کے اندر لکھی گئی، کتاب دلچسپ ہے مگر حسرت انگیز، یہ انتہائی خودستائیون اور خودنمائیون کا مرقع ہے، طرز بیان بالکل اچھوتا اور نرالا ہے، عنوانات حسب ذیل ہین،

(۱) مین ایسا عقلمند کیون ہون؟

---

[1] "The Antichrist"

[2] "Ecce Homo"

(۲) مین ایسا چالاک کیون ہون؟

(۳) مین ایسی نفیس کتابین کیونکر لکھتا ہون؟

(۴) مین برگشتۂ تقدیر کیون ہون؟

مصنّف نے اس کتاب مین دعوی کیا ہو کہ "ہین[1] اور مین جرمن زبان کے دو سب سے بڑے ماہر ہین، مینے بیشمار کارہائے نمایان کئے ہین، اور وہ کام جنکو آج کوئی نہین کرسکتا، میری کتاب کا مطالعہ خلائق کے لیے باعثِ اعزاز ہے، مجھ سے پہلے نفسیات کا وجود بھی نہ تھا"،

وفات جنوری ۱۸۸۹ء مین نٹشے بالکل مختل الحواس ہوگیا، چلا کر باتین کرتا اور ذراسی چیز کیلیئے اشرفیان لٹاتا، کبھی خیال کرتا کہ "مین مشہور قاتل ہون" کبھی سمجھتا کہ "مین اٹلی کا بادشاہ ہون"، کبھی کہتا کہ "مین خدا ہون" وہ ادھر اودھر گشت لگاتا اور لوگون سے کہتا پھرتا کہ "ہم لوگون کو خوش وخرم رہنا چاہیئے، مین خدا ہون، اور مین ہی نے یہ گورکھدھندا (دنیا) پیدا کیا ہے"! اس کا قدیم دوست پروفیسر اوربک ٹورن سے اس کو لے آیا اور بیس کے ایک خانگی مدرسہ مین رہنے کی جگہ دی، اسکے بعد نٹشے کی مان آئی اور جینا مین اُسے ایک ڈاکٹر کے زیر علاج رکھا، اور پھر ۱۸۹۰ء مین اپنے گھر (نامبرگ) لے گئی،

نٹشے کے خللِ دماغ کے اسباب کیا تھے؟ ہمین نہین معلوم، ہان اگر اس کے معالجین کسی وقت مفصل حالات شائع کرین یا کسی اور ذریعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑے تو ہمین اصلی حالت معلوم ہوسکتی ہے، ممکن ہو کہ اس کا جنون خاندانی ترکہ ہو، تاہم یہ یقینی ہے کہ کثرتِ کار، پریشانی

[1] Heinrich Heine (۱۷۹۹ء، ۱۸۵۶ء) جرمنی کا ایک تسلیم شدہ شاعر اور انشاپرداز تھا، وہ یہودی خاندان سے تھا، اواخر عمر مین وہ پیرس مین بس گیا تھا اور وہین مرا، متعدد رسالے اور قصیدے لکھے، اسکی شاعری مین ظرافت کا عنصر غالب تھا بعض اوقات اسکی ظرافت تمسخر اور نقالی کی حدتک پہنچ جاتی تھی،

وناکامی، خلوت وتنہائی، فوجی زندگی کا حادثہ، ضعف چشم، امراض جسمانی وغیرہ وغیرہ اسباب جنون مین شامل تھے،

دس برس تک نٹشے اور زندہ رہا، اس عرصہ مین کبھی صحت کی امید ہوتی تھی اور کبھی مایوسی، آخر کار نٹشے جس نے اپنی جان اور جان کا آرام بنی نوع انسان کو "نصب العین" بتانے مین قربان کر دیا، اسکی زندگی حسرت سے ختم ہوئی، ۲۵ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو اس نے پھیپھڑے کی بیماری مین ویمار مین (جہان وہ اپنی مان کی وفات کے بعد سے اپنی بہن کے ساتھ سکونت پذیر تھا) انتقال کیا،

ذیل کی سطرین نٹشے کی لوحِ قبر پر کندہ ہین، اور حقیقتِ امر یہ ہے کہ "فوق البشر" کے بانی کے لیے شایانِ شان ہین:-

"وہ بہادر تھا مگر رقیق القلب، وہ فاتح تھا مگر اسکی بھوین تفکرات کی وجہ سے سیاہ، وہ تقدیر کا مارا بد نصیب تھا، وہ ثابت قدم تھا، وہ ماضی واستقبال دونون پر رائے زنی کرتا تھا"

باب دوم

"ماورائے خیر وشر"

اصول | واگنر سے علیحدگی کے بعد نٹشے کا نصب العین، قول نہین تھا بلکہ عمل، لسانیات کو چھوڑ کر وہ مادی علوم خصوصاً عضویات کی طرف متوجہ ہوا، جس نے مرتے دم تک ایک جان نثار رفیق کی طرح اس کا ساتھ دیا، یہ بد نصیبی تھی کہ وہ مادی علوم مین ید طولے نہین رکھتا تھا جس کا خود اسے اعتراف تھا، اس نے متعدد باران علوم کی تحصیل کی غرض سے پیرس، وائنا اور میونچ جانے کا قصد ظاہر کیا، مگر اس قصد نے کبھی عملی صورت اختیار نہین کی، باینہمہ اسکی حیرت انگیز قابلیت نے

جس مین یونانی تمدّن اور شاعرانہ بلند پروازی دونون کا عنصر غالب تھا مادی علوم کی ترقی مین بیش بہا خدمات انجام دین، علم حیات اور علم تمدن ایک روز نٹشے کا شکریہ ادا کرین گے جس نے ان کے خلاف تمام بدگمانیون کا قلع قمع کر دیا اور آنے والے محققین کے لیے راستہ صاف کر دیا،

لمارک[1] کی طرح نٹشے کا بھی دعوےٰ تھا کہ انسان کے خصائل و عادات مین "ماحول" کو بہت بڑا دخل ہے اور اکتسابی اوصاف بھی وراثت مین منتقل ہو سکتے ہین، اسپنسر کی طرح وہ بھی علم معاشرت اور علم اخلاق کی بنیاد علم حیات پر قائم کرتا ہے اور شدّ و مد کیساتھ اعلان کرتا ہے کہ کمزورون اور اپاہجون کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہین، اس نے شمڈ[2] اور ناجیلی سے جو علم حیات مین استادِ وقت تھے "مسئلہ نقل" اخذ کیا اور علم اخلاق مین اس سے کام لیا، یعنی جس طرح بعض حیوانات دشمنون سے محفوظ رہنے کے لیے ماحول کے مطابق کوئی خاص وضع اختیار کر لیتے ہین، اسی طرح بعض افراد انسانی بھی دشمنون کے ڈر سے عوام النّاس اور معاصرین کے خیالات اختیار کر لیتے ہین،

ایمرسن[3]، اشٹینیڈر اور رولف کی تاثیر صحبت سے نٹشے کو "ماحول" پر زیادہ اعتماد

---

[1] Lamark (۱۷۴۴ء۔ ۱۸۲۹ء) فرانس کا ایک مشہور فلسفی تھا، اس کا فلسفہ درحقیقت "دہریت" کے مرادف تھا، پیرس مین اس نے طب اور علوم مادی کی تحصیل کی، ڈاروِن کے نظریۂ ارتقار کا خاکہ اوّل اوّل اسی نے تیار کیا تھا، اس کے مذہبی خیالات مین وحدانیت اور شرک دونون کی جھلک پائی جاتی ہے،

[2] K. V. Schmidt (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۷۵ء) پروشیا کا مشہور و معروف سپہ سالار تھا، پروشیا کی فوج کا نظم و نسق اسی کا رہینِ منت تھا، اسی کے کارنامون سے پروشیا یورپ کے دیگر ممالک کی ہمسری کرنے لگا تھا،

[3] R. W. Emerson امریکہ کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا، ۱۸۰۳ء مین پیدا ہوا، کچھ دنون پادری کی خدمت انجام دیتا رہا، استعفار دیکر یورپ کی سیر و سیاحت کی،

نہین رہا، اور اب اسکی جگہ "عزم للقوۃ" کو حیات انسانی کا جزو اعظم سمجھنے لگا، اس نظریہ سے اس کا منشا یہ تھا کہ قدرت نے طبائع انسانی مین بڑھنے اور ترقی کرنے کی خواہش ازل سے رکھدی ہے اور اسی لیے طبائع کے اختلاف کی بنا پر اس نے غلام و آقا کی تفریق کی ہے،

مولف کے فیض صحبت سے نٹشے نے یہ بھی تسلیم کیا کہ افراط و خوشحالی ترقی کی پہلی منزل ہے، اُسے اب "تنازع للبقا" کی ضرورت نہین ہے بلکہ "تنازع للقوۃ" کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ "تنازع" کی نوعیت مین ڈارون[۱] اور مالتھوس[۲] کے خلاف ہے تاہم نفس "تنازع" مین وہ ڈارون کا ہمخیال ہے، آخرِ عمر مین جب اسکی قوت فیصلہ پر زوال کی گھٹا چھا گئی، اس نے جہان لمارک

(بقیہ صفحہ ماقبل) واپسی پر عرصہ تک مختلف علمی مضامین پر لکچر دیتا رہا، اس کے خطبات کا مجموعہ انگلستان مین چھپ گیا ہے، امریکہ کے شاعرون مین وہ ممتاز طریقہ سے نمایان تھا،

۴ C. Schneider جے (۱۸۲۳ء تا ۱۸۵۰ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا، قدیم زبانون مین دسترس تھی، اُسنے یونانی اور لاطینی انشا پردازون کے سائنٹیفک مضامین کا اقتباس شائع کیا، اس نے یونان کے فلسفیون اور خاصکر ارسطو کی تصنیفات کا ترجمہ کیا،

۱ C. R. Darwin (۱۸۰۹ء تا ۱۸۸۲ء) انگلستان کا مشہور و معروف دہری اور فلسفی تھا، تاریخِ قدرت اس کا خاص مضمون تھا، ۱۸۵۹ء مین اس نے "انتخاب طبیعۃ کی رو سے مختلف انواع کی اصلیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسنے علم حیات مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا، لمارک کے نظریۂ "ارتقا" کی اُسنے توضیح و تشریح کی، اسکی اکثر تصنیفات یا تالیفات اسی قسم کے مواد کی تشریح کا نتیجہ ہین،

۲ T. R. Malthus (۱۷۶۶ء تا ۱۸۳۴ء) انگلستان کا ایک مشہور ماہرِ اقتصادیات تھا، اس نے انسانی آبادی کے اضافہ و ترقی پر متعدد رسالے لکھے، اس کا خیال تھا کہ اگر تمام موانع ترقی کا انسداد ہوجائے تو انسانی آبادی کی ترقی اس قدر ہوجائے کہ سامانِ خورد و نوش کا مہیا ہونا مشکل ہوجائے، اور سب سے بڑی رکاوٹ اس راہ مین "بدکاری" "بخالت" اور "اخلاقی گرفت" ہے، اسکی ہدایت تھی کہ ہر قانون ساز کو ان کے استیصال کی کوشش کرنی چاہیے،

بلکہ ہر کس و ناکس پر حملہ کیا وہان ڈارون پر بھی ہاتھ صاف کیا، نٹشے لڑائی جھگڑے کو زندگی و معاشرت کے لیے لازمی چیز قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہمارے جسم کے مختلف اعضا، ہمارے مختلف خیالات وجذبات، ایک نوع کے مختلف افراد اور مختلف انواع کے مختلف افراد تفوق حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہین،

خیر و شر نٹشے نے "خیر و شر" ہر دو کی دو قسمین کی ہین جنکی تفصیل آگے آئے گی، سردست یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک وہ تمام چیزین اچھی اور وہ تمام افعال نیک ہین جو ہماری قوت کو مستحکم کرین اور "عزم للقوۃ" مین ہمارا ہاتھ بٹائین، اسی طرح وہ تمام چیزین بری اور وہ تمام افعال بد ہین جو کمزوری حسد اور انتقام سے پیدا ہون، اشیا کی قدر و قیمت کا معیار اخلاقی حیثیت سے یہ ہے کہ آیا وہ حیات انسانی کو آگے بڑھاتی ہین یا پیچھے ہٹاتی ہین، وہ تمام نیکیان جسمانی مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، اس نے اس خیال پر اتنا زور دیا ہے کہ اپنی خود نوشتہ سوانحعمری مین نفیس کھانا پکانے کے مسئلہ پر بھی کافی بحث کی ہے،

علم اخلاق کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ قومین اور جماعتین بدکاری اور عیاشی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی ہین، لیکن نٹشے کی تعلیم یہ ہے کہ جب کوئی قوم جسمانی حیثیت سے کمزور اور تباہ حال ہو جاتی ہے تو بدکاری و عیاشی مین اس کا مبتلا ہونا ایک ناگزیر امر ہے،

دنیا نہ اچھی ہے نہ بری نٹشے کی رائے ہے کہ دنیا اور ہستی کو جمالی شئے سمجھنا چاہیئے، دنیا نہ اچھی ہے نہ بری، خیر و شر یا حسن و قبح کا مفہوم صرف انسان تک محدود ہے (یعنی جب یہ اوصاف انسان کے لیے مستعمل ہوتے ہین تو ان کے معنی ہوتے ہین ورنہ نہین) دنیا مین صرف ایسے عزائم و افعال پائے جاتے ہین جو بذات خود نہ اچھے ہین نہ برے، اشیائے عالم کی قدر و قیمت کے متعلق نٹشے کا اصل اصول یہ ہے:-

"دنیا مین خیر و شر یا حسن و قبیح کے اوصاف بذاتِ خود موجود نہین ہین، یہ اوصاف در حقیقت اشیا، کی مختلف تعبیرین ہین جنکی علت بتانی علمِ اخلاق کے موضوع سے باہر ہے"

نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے :۔

"عہد حاضر کے ماہرینِ علمِ اخلاق مع ڈارون کے اپنے نظریہ "تنازع للبقاء" اور "بقا، اصلح" سے قوانینِ اخلاق کا کوئی مجموعہ تیار نہین کر سکتے، جب عملی زندگی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو کینٹ[1] کی طرح سب کے سب بغلین جھانکتے ہین، اور اپنے مسلک کے خلاف کچھ قوانین بنا دیتے ہین، یہ لوگ در حقیقت بزدل ہین"

اضافیت

نٹشے خیر و شر کو اضافی اور نسبتی چیز سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ ہر قوم کی اخلاقیت اس کے جغرافیائی اور تاریخی حالات پر موقوف ہے، زمانہ کے ساتھ ساتھ احساسات اور تصورات بھی بدل جاتے ہین، چنانچہ قدما مہربان اور فیاض دیوی ایرس کے اوصاف حمیدہ مین "حسد" کو بھی محسوب کرتے تھے"۔ "امید" کے متعلق یونانیون کے خیالات ہم لوگون سے بالکل جدا گانہ تھے، وہ "امید" کو نابینا اور مغالطہ آمیز سمجھتے تھے، یہودی "غصہ" کو مقدس سمجھتے تھے، اسی طرح بہت سی چیزین ایسی ہین جنکو ایک جماعت بچشمِ استحسان دیکھتی ہے اور دوسری جماعت بہ نظرِ حقارت

---

[1] Immanuel Kant (سنہ ۱۷۲۴ء، سنہ ۱۸۰۴ء) انتقادی فلسفہ کا بانی تھا، اسکا اسکاٹلینڈ کے خاندان سے تھا، مگر جرمنی مین اسکے آباؤ اجداد بس گئے تھے، فلسفہ مین ہاتھ لگانے سے قبل اسنے "نفس علم" پر نظرِ غائر ڈالی یعنی علم کی ماہیت کیا ہے؟ علم کی آخری سرحد کیا ہے؟ علم کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ اس کے بعد اونسے دعوٰی کیا کہ علم کی دو قسمین ہین ایک وہبی اور دوسری کسبی، علت و معلول کی گنجائش صرف مؤخر الذکر علم مین ہے، اس کا خیال تھا کہ دنیا کی ہر شئی مین "زمان" اور "مکان" جاری و ساری ہین، اور تمام انسانی احساسات ان مین محصور ہین، حصولِ علم کے تین ذرائع ہین (۱) حواس (۲) سمجھ (۳) عقل، پہلا ذریعہ مجہول ہے، دوسرا معروف ہے، تیسرا بہترین ذریعہ ہے، اخلاقیات کے متعلق اس کا خیال تھا کہ "خیر و شر" کا احساس اخلاقیت کی جڑ ہے،

خود انسان نے امتیازِ خیر و شر کی بنیاد ڈالی، یہ امتیاز پہلے سے موجود نہ تھا، انسان نے صرف اپنی حفاظت کی خاطر حسن و قبح کی تفریق کی، اور یہ تفریق مستقل نہین رہ سکتی، کیونکہ ہر آن اس مین تغیر ہو سکتا ہے، بہت سی چیزین جو پہلے معیوب اور قبیح تھین آج اُن کو کار آمد بنا کر مستحسن کر لیا گیا ہے،

نٹشے اخلاقی، مذہبی اور جمالی خیالات و حسیات کی ماہیت دریافت کرنا چاہتا تھا، اسکو کثیر تعداد مین محققین کی ضرورت تھی جو ایسے خیالات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرین، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"ہمین مواد جمع کرنے کی اشد ضرورت ہے، نیز اس امر کی ضرورت ہے کہ جذبات و احساسات جو کثرت سے پیدا ہوتے ہین، نشو و نما پاتے ہین اور پھر فنا ہو جاتے ہین، اُن کی چھان بین کیجائے اور ان کی صف بندی کر دیجائے، ہمین غالباً اس امر کی بھی ضرورت ہو گی کہ بار بار پیدا ہونے والے جذبات و حسیات کے متعلق کوئی خاص رائے قائم کیجائے تاکہ "معیارِ اخلاق" کا مسئلہ حل کرنے مین سہولت ہو"

لیکن مشکل یہ تھی کہ نٹشے علمائے سائنس کی طرح صابر اور متحمل نہین تھا، نہ تو اس نے اس قسم کی تحقیقات مین انہماک پیدا کیا اور نہ اپنے ارادہ کی تکمیل کے لیے مواد جمع کیا، تعجب ہو کہ اس کا مواد بالکل ناکافی تھا، اس کا علم اس میدان مین محدود تھا، اس نے صرف علمِ حیات کا مطالعہ کیا تھا اور وہ بھی صرف ضرورت کے لائق، بایں ہمہ اس نے اخلاقیت کے بناؤ اور بگاڑ دونون مین ہاتھ لگا دیا، اس نے موجودہ معیارِ اخلاق پر حملہ کیا اور اسکی جگہ ایک بہتر معیارِ اخلاق پیش کرنے کی کوشش کی،

افادیت کی ابتدا اور اجتماعی اخلاقیت کی تاریخ | نٹشے کا خیال ہے کہ عہد حاضر کا اخلاق درحقیقت ان روایات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶ ماقبل) جو بغیر تجربہ کے حاصل ہے، اس کے فلسفہ کو "کینٹ کی تنقید" بھی کہتے ہین،

وہ واقعات سے عبارت ہے جو کسی قوم یا جماعت کو قائم و دائم رکھین یعنی با اخلاق ہونا روایاتِ قدیمہ کا اتباع کرنا ہے، اس اصول سے اخلاق کی غرض و غایت نفع کی اُمید اور نقصان کا خوف ہے، تکمیلِ اخلاق کے لیے شخصی مفاد کو نظر انداز کر دینا چاہیئے اور قوم و جماعت کی قدیمی روایات کو مقدس سمجھنا چاہیئے، روایاتِ سابقہ پر نکتہ چینی کرنا ہی اکثر اشخاص کی رائے مین خلافِ اخلاقیت ہے، اشیار کی قدر و قیمت ضروریاتِ قوم یا مفادِ قوم پر منحصر ہے، تکمیلِ اخلاق کا منشا یہ ہے کہ ہر فردِ قوم جزوِ قوم بنجائے، چونکہ ایک جماعت انسانی کی ضروریاتِ زندگی دوسری جماعت کی ضروریات زندگی سے مختلف ہوتی ہین، اسلیے اشیار کی قیمت مختلف ممالک مین مختلف ہوتی ہے، پس انفرادی افعال کا حسن و قبح اجتماعی نفع و ضرر پر موقوف ہے "جماعت کی مسرت افراد کی مسرت سے زیادہ قدیم ہے اور جبتک اجتماعی مفاد پیش نظر رہے انفرادی مفاد کا خیال بھی نہین کرنا چاہیئے خوف اخلاق کی جڑ ہے، کسی شخص کا جماعت سے الگ تھلگ رہنا اور معقول سبب پر بھی جماعت سے علیحدہ رائے رکھنا خطرہ سے خالی نہین، ہر وہ شی جو کسی شخص کو جماعت کی سطح سے آگے بڑھا دے اور ہر وہ چیز جو پڑوسیون کے قلوب مین خوف پیدا کر دے قبیح اور معیوب ہے، جو شخص جماعت مین رہ کر مساوات، برابری، اعتدال وغیرہ قائم رکھے وہ فخر و مباہات کا مستحق ہے"

"اجتماعی صداقت" پر نظر ڈالو، اس کا اقتضا یہ ہے کہ "تم اپنا ما فی الضمیر صاف اور واضح الفاظ مین ظاہر کر دو، اگر ایسا نہین کرو گے تو تم خطرناک سمجھے جاؤ گے، تمھین اپنے خیالات کو پردہ مین نہین رکھنا چاہیئے تمھین بدلنا نہین چاہیئے" پس صدق پر زور دینے کا منشا یہ ہے کہ انسان مین ثابت قدمی اور بیباکی پیدا ہو، کیونکہ حق پرست اور نیک طینت شخص ہمارے دلون مین مساوات اور بے باکی کے خوش آئند جذبات پیدا کرتا ہے،

انسان اپنے ہمسایہ کی بے غرضی اور بے نفسی کی تعریف کرتا ہے، مگر یہ کیون؟ صرف

اسی وجہ سے نہ ؟ کہ اس بے غرضی سے اُسے بھی فائدہ پہنچتا ہے، اگر وہ شخص (تعریف کرنے والا) خود بھی بے لوث ہوتا اور نفع وضرر کی پرواہ نہ کرتا تو وہ تعریف وتحسین کا خیال تک نہین کرتا، کیونکہ اپنی بے لوثی کے ثبوت کے لیے اُسے ایسے ہمسایہ کی تعریف نہین کرنی چاہیئے،

زمانۂ تمیز کے قبل کسی فعل کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے نتائج پر موقوف ہوتا تھا، اس کے بعد سے (یعنی دس ہزار برس سے) لوگ افعال کے نتائج پر نظر نہین ڈالتے بلکہ اونکی حقیقت و ماہیت پر غور کرتے ہین، اور اسی پر ان کی نیکی وبدی کا دار ومدار ہوتا ہے، بے شبہہ یہ فائدہ ہوا کہ اس طور پر اشیار کی اصلیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کیگئی مگر نقصان یہ ہوا کہ توہمات اور تنگ خیالیان بھی زور پکڑ گئین، فعل کی "حقیقت" سے مراد فاعل کی نیت سمجھی گئی اور فعل کی اچھائی اور برائی فاعل کے ارادۂ ونیت پر موقوف کر دیگئی،

عہد حاضر مین فعل کا حسن و قبح ارادہ کے علاوہ اور کس چیز پر موقوف ہے؟ کیونکہ ارادہ و نیت سے صرف فعل کی ظاہری اور سطحی حالت پر روشنی پڑتی ہے، اور اسکی اندرونی حالت پوشیدہ رہتی ہے، پس اب تک اخلاق کا جو معیار رکھا گیا ہے وہ در اصل پیشینگوئی کے مرادف ہے، جسے علم نجوم اور علم کیمیا کی صف مین جگہ دیجا سکتی ہے، لیکن اس مغالطہ کا ازالہ اشد ضروری ہے،

اخلاق کے پہلے عموماً "جبر" ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات "جبر" ہی کا نام اخلاق ہے، کیونکہ لوگ تکلیف سے بچنے کے لیے مجبوراً با اخلاق بنجاتے ہین، رفتہ رفتہ یہ "جبر" "رسم" سے، "رسم" "اختیار" سے اور پھر "اختیار" "فطری میلان" سے بدل جاتا ہے جسے ہم "نیکی" سے تعبیر کرتے ہین، یہ فطری میلان ہر قدرتی شئے کی طرح خوشی ومسرت کے جذبات پیدا کرتا ہے،

چونکہ کوئی شخص اپنے فعل کا ذمہ دار نہین ہے (کیونکہ ارادۂ اختیاری کا وجود ثابت نہین ہے) اسلیے گئے گذرے واقعہ پر پچھتانا بزد لی ہے، پچھتانے اور افسوس کرنے کا آخر حاصل کیا؟ جب ایک کام

ہو چکا تو کیا افسوس کرنے یا معاف کرنے سے وہ واپس ہو جائے گا؟ قدیم زمانہ مین لوگون کا طرزِ استدلال یہ تھا کہ "چونکہ ضمیر اس کام کو برا کہتا ہے اسلیے برا ہے" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی فعل کو ضمیر صرف اسوجہ سے برا کہتا ہے کہ زمانہ اس کو ہمیشہ سے برا کہتا آیا ہے، ضمیر کا کام نقل کرنا ہے، اپنی طرف سے اختراع کرنا نہین، خلائق نے اوّل اوّل جو کسی امر کو قبیح اور معیوب سمجھا وہ ضمیر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسکے نتائج کی وجہ سے، ضمیر کا کسی فعل کی تحسین کرنا ویسا ہی ہے جیسا ایک صنّاع کا اپنی صنعت پر مسرت کا اظہار کرنا، ہم اتنے جاہل و نادان ہین کہ اپنے افعال کی قیمت کا اندازہ بھی نہین کر سکتے،

گنہگاری کوئی ایسی شے نہین جو نفس الامر مین موجود ہو، یہ درحقیقت ایک مخصوص کیفیت یعنی خلش اور پریشانی کا نام ہے، بے شبہہ لوگ اپنے تئین مجرم اور گنہگار خیال کرتے ہین، لیکن صرف ان کا خیال "گناہ" یا "جرم" کے وجود کی دلیل نہین ہو سکتا، جس طرح کوئی شخص صرف اپنے آپ کو تندرست خیال کر لینے سے تندرست نہین بنجاتا،

جہان نٹشے "ضمیر" کی قوت پر حملہ کرتا ہے وہان بعض لوگون کی دماغی کمزوری پر افسوس بھی کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اپنے معیارِ اخلاق سے خوب کام نکالتے ہین، جسے چاہا اچھا کہا، جسے چاہا بُرا کہا اور جب کوئی اعتراض کرتا ہے کہ یہ معیار قابلِ اعتبار نہین ہے تو شرم کے مارے اُن کی آنکھین بھی نہین جھکتین! عوام اس پر ایمان لانے مین ذرا بھی نہین جھجکتے، ان کو حسن و قبح یا خیر و شر کی حقیقت سے کیا واسطہ وہ نہ تو جانتے ہین اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہین، وہ صرف ہان مین ہان ملانا جانتے ہین، ایسے الجھاؤ مین جب کہ اشیائے عالم بہ یک وقت متحد اور مختلف دونون معلوم ہوتی ہین اور جب کہ "ہستی" کی نوعیت تیقن کیساتھ نہین معلوم ہے، تحقیق و تفتیش نہ کرنا اور بلا ردّ و کد کئے ہوئے تمام باتون کو تسلیم کر لینا میری نظر مین نہایت شرمناک حرکت ہے"

موجودہ غفلت شعاری اور لاپرواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے نٹشے کا متذکرۂ بالا اعتراض موزون اور مناسبِ حال معلوم ہوتا ہے، لیکن اسکی وقعت بالکل نہین رہتی جب ہم یہ خیال کرتے ہین کہ اس نے انسان کو اپنے فعل مین مجبور قرار دیا ہے، اس کے نزدیک کوئی شخص اپنے فعل کا ذمہ دار اور اپنی روش کا جواب دہ نہین، نٹشے "ارادۂ اختیاری" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"جب طوفان آتا ہے اور ہم کو اذیت پہنچتی ہے تو ہم قدرت کی بداخلاقی اور ایذارسانی کی شکایت نہین کرتے، پھر کیا وجہ ہے کہ جب انسان ہمین تکلیف پہنچاتا ہے تو ہم اسے بداخلاقی کا مجرم قرار دیتے ہین؟ وجہ عموماً یہ بتائی جاتی ہے کہ مؤخر الذکر صورت مین "اختیار" کارفرما تھا اور اوّل الذکر صورت مین "جبر" عمل پیرا تھا، لیکن یہ امتیاز درحقیقت مغالطہ اور دھوکہ ہے، علاوہ ازین ہم اپنے ناکافی اور ناقص مشاہدہ کی بنا پر چند چیزون کے مجموعہ کو ایک مفرد چیز سمجھ لیتے ہین، نیز ہم ایک فعل اور دوسرے فعل کے درمیان حد فاصل قرار دے کر دونون کو علٰحدہ تصور کر لیتے ہین، حالانکہ ہمارے افعال کا مجموعہ واقعات کا کوئی غیر مربوط سلسلہ نہین ہے، بلکہ وہ بہتے ہوئے چشمہ کی طرح روان اور مسلسل ہے، افعال انسانی کا ماخذ تاریک ماضی (خاندان) اور پراسرار حال (ماحول) مین مخفی ہے"

متذکرۂ بالا بیان سے "ارادۂ اختیاری" کا بطلان ظاہر ہے، کیونکہ "اختیار" اسی حالت مین ثابت ہو سکتا ہے، جب کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر فعل علٰحدہ اور مستقل ہے، نٹشے کا خیال ہے کہ یہ زبان کا نقص ہے کہ ہم اشیاء کو ضرورت سے زیادہ سہل اور سادہ سمجھتے ہین، اور زبان ہی نے "ارادۂ اختیاری" کا صور بلند آہنگی سے پھونکا ہے،

انسان جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے عضو کو حکم دیتا ہے جو اسکی تعمیل کرتا ہے، یا اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرتا ہے، پس "ارادۂ اختیاری" سے وہ مسرت آمیز کیفیت

سمجھی جاتی ہے جو انسان پر اپنے اعضاء سے کام لیتے وقت طاری ہوتی ہے، اس سلسلہ مین نٹشے لکھتا ہے :-

"یہ بہت بڑی شیخی اور غرور کی بات ہے کہ انسان "ارادۂ اختیاری" کا خواہان ہوتا ہے اور اپنے تمام کامون کا بار اپنے سر لے لیتا ہے، اور "خدا" "دنیا" "خاندان" "اتفاق" اور "جماعت" کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیتا ہے، "ارادۂ اختیاری" کا دعویٰ مذہب کی ایک زبردست چال ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے افعال کے ذمہ دار اور پیشوایانِ مذہب کے قبضۂ اقتدار مین رہین، انسان کی زندگی، اسکی ساخت، اس کا ماحول، اسکی مخصوص صورتِ حالات وغیرہ، یہ سب چیزین اسکی بس کی نہین، اسلیے وہ ان کا ذمہ دار نہین، انسان کی قسمت تمام گذشتہ اور آیندہ اشیاے عالم کی قسمت سے الگ نہین کیجا سکتی"۔

رحم نٹشے نے "ارادۂ اختیاری" سے بڑھکر "رحم" کی مٹی پلید کی ہے، ایک فلسفی اور ماہرِ علمِ حیات ہونے کی حیثیت سے اس نے "رحم" کو انسانی نشو و نما کے لیے سخت مہلک قرار دیا ہے، اس کے نزدیک "رحم" تضییعِ جذبات ہے، اور اخلاق کے پردہ مین خوشامد اور چاپلوسی ہے، "رحم" صحتِ انسانی کیلئے سمِ قاتل ہے، "رحم" کسی اصول کا نہین بلکہ جوشِ طبیعت کا نتیجہ ہے، اس کے اثرات ہمین شدید نقصان پہنچاتے ہین، "رحم" مرضِ متعدی ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"رحم ان حسیات و جذبات کی مخالفت کرتا ہے جو انسان کی رفعتِ خیالی کا باعث ہوتے ہین، رحم انسان کے حوصلون کو پست کرتا ہے، جب آدمی رحم کرتا ہے تو اس کا زور گھٹ جاتا ہے، رحم نشو و نما اور ترقی کے "قانونِ انتخاب" کو توڑ دیتا ہے، رحم اُن اشیاء کی پشت پناہی کرتا ہے جو موت کے لیے بالکل تیار بیٹھی ہین، رحم اُن لوگون کے لیے جھگڑا مول لیتا ہے جو محروم الارث اور موردِ عتاب ہین، "رحم" موجودہ آفات و مصائب کو باقی رکھتا ہے، بلکہ ان مین اور اضافہ کرتا ہے،

رحم تباہی و بربادی کا زبردست وکیل ہے"!

نٹشے کی رائے مین بزدلی اور کمزوری "رحم" کے اسباب ہین، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"زیادہ خیرات کرنے والے لوگ بزدل ہوتے ہین، جو لوگ اپنے اوپر قابو نہین رکھتے اور جو اخلاق کو خودداری اور بے نیازی کا مظہر نہین سمجھتے، وہ بے سمجھے بوجھے مہربانی، رحم اور فیاضی کی تعریف کرنے لگ جاتے ہین، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ اوصاف بیکار اور لاحاصل ہین"

مسیحیت کے متعلق جو "رحم کا مذہب" کہلاتا ہے، ہمارا فلسفی کہتا ہے:-

"مسیحیت کی وجہ سے یورپ مین سب سے بڑا تغیر اور نہایت عظیم الشان انقلاب یہ ہوا کہ آج جو شخص دوستانہ، ہمدردانہ، بے غرضانہ اور فیاضانہ کام کرتا ہے وہ بہت بڑا با اخلاق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ خود مسیحیت اپنے عروج کے زمانہ مین خود غرضی کا مجسمہ تھی، کیونکہ پہلے حامیانِ مسیحیت نے دیکھے صرف اپنی نجات کا خیال کرتے تھے اور بس، بہرحال اب مسیحیت کا اثر رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے، اور لوگ اس کے قبضۂ اقتدار سے نکلتے جاتے ہین اور یہ درحقیقت بنی آدم کی محبت کا نتیجہ ہے"!

فرانسیسی انقلاب کے بعد سے انگلستان کے جان اسٹورٹ مل، جرمنی کے شوپنہار اور دیگر ممالک کے اشتراکیین نے ہمدردی، محبت، رحم اور خیر خواہی کو تمام کامون کا اصل الاصول قرار دیا ہے اور ان ہی اوصاف پر اخلاق کی بنیاد رکھی ہے، نٹشے جو علمِ حیات کا پرجوش حامی تھا ان الفاظ مین رحم و مروت کی دھجیان اڑاتا ہے:-

"کمزور اور خستہ لوگون کو مر ہی جانا بہتر ہے، ایسے لوگون کا مرنا ہماری انسانیت کی شرط اولین ہے، ایسون کیساتھ رحم و مروت ہرگز نہین کرنا چاہیئے، بلکہ اگر موقع ملے تو ان کے مرنے مین ہمین مدد کرنی چاہیئے، کمزوری سے بڑھکر کوئی شئی موجبِ ضرر نہین، مسیحیت بس کمزورون اور خستہ حالون کی عملی ہمدردی کا نام ہے"!

نٹشے کہتا ہے کہ سب سے بڑھکر رونا اس بات کا ہے کہ ہر شخص اپنے دل مین یہی سمجھتا ہے کہ
مین نے اخلاق کا جو مفہوم لیا ہے یا اس کا جو معیار مقرر کیا ہے وہی صحیح ہے، اور سب لوگ غلطی پر ہین،

عزم للقوۃ | اب تک نٹشے کے فلسفۂ اخلاق کا "تخریبی حصّہ" بیان کیا گیا، اب اس کے "تعمیری حصّہ" کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے فلسفۂ اخلاق کے اصولِ اساسی صرف دو ہین (۱) عزم للقوۃ (۲) عوام و خواص کے اخلاق کی تفریق، اس کے نزدیک حیات انسانی کی غرض و غایت "تنازع للبقا" نہین ہے، جسے وہ لغو اور پست خیال سمجھتا ہے، بلکہ "عزم للقوۃ" یا "تنازع للقوۃ" ہے، دوسرے اصول کے متعلق یہ خیال ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیے کہ نٹشے کا فلسفۂ اخلاق عوام کے لیے نہین ہے بلکہ اعلیٰ دماغ اور بلند خیال اشخاص کے لیے، کم ازکم اس کے متبعین اور معتقدین ایسا ہی کہتے ہین، نٹشے نے موجودہ اخلاقیت پر جو اعتراضات کیے ہین وہ صرف خواص کی خاطر، ورنہ عوام النّاس کے لیے وہ مروّجہ قوانینِ اخلاق کو کافی ووافی سمجھتا ہے، اس کا خیال ہو کہ عوام کو ایسے مسلک سے علیحدہ نہین کرنا چاہیے جس پر ان کی زندگی اور زندگی کی خوشیون کا انحصار ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ طبقۂ خواص کے علاوہ اور کسی کا اس کے فلسفۂ اخلاق کو اختیار کرنا خطرہ سے خالی نہین،

پہلے اصول یعنی "عزم للقوۃ" پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہو:-

"جہان کہین مین نے جاندار چیز دیکھی، عزم للقوۃ کا جذبہ موجود پایا، نوکر کے دل مین بھی مالک بننے کا ارادہ ہوتا ہے، ضرورت یا خواہش نہین بلکہ "قوت کی محبت" حیات انسانی کی روح وروان ہے، تم ایک شخص کو ہر قسم کی نعمتین مہیا کر دو، اس کے خورد و نوش، بود و باش، عافیت وآسائش کا پورا سامان کر دو، مگر پھر بھی اس کا حریص دل سیر نہین ہوگا، اُسے "قوت" اور صرف "قوت" کی دھن ہو جس کے بغیر وہ نچلا نہین بیٹھ سکتا، قوت حاصل کرنے کا جذبہ ایک زلزلہ ہے جو تمام بوسیدہ اور خستہ چیزون کا قلع قمع کر دیتا ہے اور پرانی یادگارون کو علانیہ منہدم کر دیتا ہے،

اگر یہ جذبہ انسان مین نہ ہو تو وہ خنزیر اور سانپ سے بدتر ہے اور حقارت و ذلت کا پتلا ہے،

"حق" عزم للقوۃ مین مضمر ہے"،

نٹشے کے مندرجۂ بالا بیان (نیز دیگر بیانات) سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اخلاقیت کی بنیاد نتائج پر قائم کرتا ہے، اور اسی لیے وہ اسپنسر پر حملہ کرتا ہے جس کے نزدیک "معیار حق" یہ تھا کہ "کسی دعوے کی نقیض کا بطلان اسکی صحت کی دلیل ہے" مسئلۂ زیر بحث مین نٹشے پیرسی[ل] کا ہمخیال ہے جس کا مسلک یہ ہے کہ "اصول و قوانین صرف ذرائع ہین اور انکی قیمت کا اندازہ صرف ان کے نتائج پر لگانا چاہیئے، یعنی وہ اصول و قوانین جو ہمین راہ راست پر لیجائین، جو ہمین حقائق و معارف تک پہنچائین اور جو ہماری زندگی اور علم پر مفید اثر ڈالین، عملی طور سے برحق ہین (یعنی ضروریات انسانی کے مطابق ہین) "حق" ایک ایسی شئے ہے جو ہمارے خیالات کو ترقی دیتی ہے، جو ہمارے تجربات کو بڑھاتی ہے، جو علمی حیثیت سے کارآمد ہوتی ہے، جو ہماری بہترین رہنمائی کرتی ہے اور جو ہماری ضروریات زندگی کے حسب حال ہوتی ہے، پس کسی امر کے متعلق معقول رائے قائم کرنا ان تمام نتائج کے مجموعہ پر موقوف ہے جو مختلف صورتون اور مختلف حالتون مین پیدا ہوتے ہین" اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر شخص کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی جو صلاحیت عطا کیگئی ہے اور اس صلاحیت سے اُسے جو فطرۃً مسرت و خوشی ہوتی ہے وہی درحقیقت "عزم للقوۃ" کے وجود کی زبردست دلیل ہے،

نٹشے کا خیال ہے کہ ہماری قوتین اور ضروریات خود دنیا و مافیہا کی تشریح کر دیتی ہین،

[ل] FRANKLIN PIERCE (۱۸۰۴ء تا ۱۸۶۹ء) امریکہ کا چودھواں پریسیڈنٹ تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ اشیاء کی قیمت نتائج سے قطع نظر ہو کر متعین نہین کیجا سکتی، وہ افعال کی نیکی و بدی کو ان کے نتائج پر موقوف رکھتا تھا،

طبائع انسانی کی ہر استعداد بجائے خود "عزم للقوۃ" کا مظہر ہے، یعنی اس کے ذمہ جو کام سپرد ہے وہ دوسری استعداد سے پورا کرانا چاہتی ہے، یہی حال ہمارے اعضائے جسمانی کا ہے، ہماری رگون اور نسون مین غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے تکرار رہتی ہے" اس ضمن مین وہ لکھتا ہے :-

"انسان دراصل نہ تو خوشی کی جستجو کرتا ہے نہ غم سے احتراز، خوشی وغم کوئی ایسی شئے نہین ہے جو پہلے سے موجود ہو، خوشی وغم کے جذبات درحقیقت صرف نتائج اور بعد کو طاری ہونے والی کیفیات ہین، انسان بلکہ ہر جاندار شئے ترقی کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کوشش مین اُسے حظ وکرب اور خوشی وغم دونون سے واسطہ پڑتا ہے، کام کرنے مین جو رکاوٹ ہوتی ہے اسی کو کرب ومصیبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ رکاوٹ ہر کام کے لئے لازمی ہے، پس انسان غم ومصیبت سے گریز نہین کرتا بلکہ اور اسکی تلاش کرتا ہے، ہر کامیابی اور ہر خوشی بلکہ ہر فعل انسانی کیلئے "مشکلات کا ازالہ" لازمی اور لابدی ہے"

عوام وخواص کی اخلاقیت

نٹشے کا دعویٰ ہے کہ اب تک جتنے "فلسفۂ اخلاق" دنیا مین مروج تھے ان کی چھان بین کرنے کے بعد ہمین دو قسم کی اخلاقیت کا ثبوت ملتا ہے، جنمین بنیادی فرق پایا جاتا ہے، ایک خواص (مالکون) کی اخلاقیت اور دوسری عوام (غلامون) کی اخلاقیت، اعلیٰ اور متوسط طبقون مین ان دونون اخلاقیتون مین وقتاً فوقتاً صلح واشتی پیدا کرنے کی بھی کوشش کیگئی ہے

نٹشے نے مندرجہ بالا تفریق کی بنا پر "خیر وشر" کی تمیز کے لیے ایک نیا اصول تیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً جب اخلاق کا لفظ مستعمل ہو تو اس کے اور معنی ہوتے ہین اور جب قوم یا جماعت کے روایات سابقہ کے لگاؤ مین مستعمل ہو تو اور معنی ہوتے ہین، مثلاً "ذمہ واری" "سودمندی" "نفع رسانی" پر اجتماعی اخلاقیت کا دارومدار ہے، مگر عام معنی مین ان کو نظرانداز

کر دیا جاتا ہے اور اُن کی جگہ "عزم للقوۃ" لیتا ہے،

نٹشے "تقسیم اخلاقیت" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"خیر و شر" اور حسن و قبیح کا امتیاز اوّل اوّل یا تو حکمرانوں کی جماعت سے شروع ہوا جو اپنے آپ کو محکوم قومون سے ممتاز رکھنا چاہتی تھی یا خود محکومون اور غلامون کی جماعت سے شروع ہوا (جو اپنے آپ کو حکمران جماعت کے تشدّد سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی) "خیر و شر" اوّل الذکر طبقہ کے لیے "شرافت و رذالت" اور آخر الذکر طبقہ کے لئے "نفع و ضرر" کے مرادف ہے، عامۃ النّاس کی اخلاقیت "افادیت" کے ہم معنی ہے، ان کے ہر کام مین نفع و فائدہ مدِ نظر رہتا ہے اور یہ خیال اس قدر زبردست رہتا ہے کہ خود کام کرنے والے قوے اتنے زبردست نہین ہوتے، عوام کے اخلاق کا معیار نفع کی امید اور ضرر کا خوف ہے"

نٹشے کی رائے ہے کہ عوام "خیر" کے جو معنی لیتے ہین وہ ایک عقدہ ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے، مثلاً بکری کا درندون سے پرخاش رکھنا کوئی تعجب خیز امر نہین مگر درندون کو مجرم اور ملزم ٹھہرانے کی بھی کوئی وجہ نہین، اگر بکریان آپس مین کہین کہ یہ درندے بہت "برے" ہین اور جو جانوران سے الگ تھلگ رہین یا جو ان کے ہمجنس نہین ہین وہ بہت "اچھے" ہین، تو اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہین ہو سکتا، باانیہمہ درندے اس گفتگو کا مضحکہ اڑائینگے اور شاید آپس مین کہین کہ ہمین ان غریب بکریون سے کوئی عداوت نہین ہے بلکہ ہم تو ان کو محبت کرتے ہین، ہمین ان سے بڑھ کر کوئی غذا پرذائقہ اور مزہ دار نہین معلوم ہوتی،

نٹشے نے مذکورۂ بالا عقدہ کے حل کی ایک صورت پیش کی ہے جسے جمہوریت پسند لوگ ہرگز پسند نہین کرینگے، اس موقع پر یہ مدِ نظر رہے کہ اسکی زندگی رئیسون اور پروفیسرون مین گذری اُسے افلاس و مصیبت سے واسطہ نہ پڑا تھا، وہ درد آشنا نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ کبھی تو وہ مشکل

سے مشکل اقتصادی مسائل کو نہایت قابلیت وخوش اسلوبی کیساتھ حل کرتا تھا اور کبھی ایسی باتین کہہ جاتا تھا کہ خواہ مخواہ لوگون کو ہنسی آتی تھی، وہ تحریک "جمہوریت" کو نہ صرف نظام سیاست کی بدترین صورت بتاتا ہے بلکہ خود جمہوریت خواہون کو ذلیل، کم ظرف اور پست ہمت سمجھتا ہے، اور وہ حل یہ ہے کہ "تمام آدمی برابر نہین ہین" نظامِ عالم کے برقرار رہنے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ دو طبقے کے لوگ ہون، ایک خواص (مالکون) کی جماعت اور دوسرا عوام (غلامون) کی جماعت، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"اعلیٰ تہذیب وتمدن کا آغاز اسی وقت ممکن ہے جب کہ دو طبقے کے لوگ ہون، کچھ کام کرنے والے اور کچھ آرام لینے والے، بہ الفاظِ دیگر بعض جبریہ کام کرنے والے اور بعض اختیاری کام کرنے والے، تہذیب وتمدن کے لیے غلامی ضروری چیز ہے"

نٹشے کے فلسفۂ اخلاق کا وہ حصہ جو اعلیٰ طبقہ کے لوگون کے لیے مخصوص ہے بالکل عجیب و غریب ہے، بلکہ عوام کے متعلق بھی اس کے خیالات اورون سے جداگانہ ہین، اس کی رائے مین بہت سے مروجہ عقائد عوام کے لیے موزون نہین ہین، بہرحال اس مین شبہہ نہین کہ اس کے پیش کردہ اصول عہد حاضر کی "نمائشِ بیجا" اور "مساواتِ بےمعنی" کے لیے تریاق کا کام دینگے، خواص کی جماعت کے لیے اس کا فلسفۂ اخلاق بہت کچھ تعمیری ہے جس کا ثبوت ذیل کی سطرون سے ملیگا:۔

"ہر شخص کو اپنی ذات سے بیحد محبت کرنی چاہیئے تاکہ تنہائی مین وہ اپنے نفسِ نفیس پر اکتفا کر سکے اور ادھر ادھر مارا نہ پھرے، میرے بھائیو! اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ "شرفا" کی ایک نئی جماعت تیار کیجائے جو عوام وخواص کے موجودہ طرزِ عمل کا قلع قمع کر دے اور اور جو "شریف" کا لفظ کسی نئے معنی مین استعمال کرے، اب سوال یہ ہے کہ "شریف" کے کیا معنی ہین؟ جواب یہ ہے کہ "حاکم اور محکوم دونون کی صلاحیت رکھنا" حقیقی تمدن کے لیے

اطاعت و فرمانبرداری لازمی چیز ہے"۔

نٹشے شورش پھیلانے والون سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ ایسے تمدن کا استیصال کرنا چاہتے ہین، وہ خواص کے لیے قدیم روایات اور تاریخی واقعات کا احترام ضروری سمجھتا ہے نفع کا خیال، احسان کا شکریہ، بدسلوکی کا انتقام صرف لین دین کی نمائشی چیزین ہین "شرافت" کی اصلی علامتین یہ ہین:-

۱- اپنے فرائض کو عوام کے فرائض کے برابر نہ کرنا،

۲- اپنی ذمہ داریون سے سبکدوش ہونے یا ان مین کمی کرنے پر راضی نہ ہونا،

۳- اپنے اختیارات خصوصی کا برقرار رکھنا اور ان سے کام لینا،

نٹشے "تقسیم اخلاقیت" کو اشتقاقِ لفظ سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم لسانیات کے لیے یہ زیبا بھی ہے، اسکی کتاب "اخلاقیت کی ابتدا" کا پہلا حصہ جسکا نام "خیر و شر اور نیک و بد" ہے، تمامتر اسی موضوع پر بحث کرتا ہے جس کسی کو اس مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے، نٹشے دورانِ بحث مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ فلسفہ کو اس سوال پر محققانہ نظر ڈالنی چاہیئے کہ "قوانینِ اخلاق کی تدریجی ترقیون کے متعلق ہمین علم الالسنہ کیا بتاتا ہے خاصکر اشتقاقِ لفظ کے نقطۂ نظر سے"۔

نٹشے کا خیال ہے کہ یہ بدیہی ہے کہ ہر جگہ خیر و شر کا لفظ پہلے انسان کے حق مین مستعمل ہوا اور پھر کچھ دنون بعد اس کا اطلاق افعالِ انسانی پر ہونے لگا، دنیا کی مختلف زبانون کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "خیر" کے مفہوم مین "امارت و شرافت" بھی داخل ہے، غالباً تھیوگنس[۵] نے

---

۵ Theognis یونان کا ایک مشہور شاعر اور معلمِ اخلاق تھا، عہد سکندری کے قبل یونانی شعراء کا جو کلام یکجا جمع کیا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کا رہینِ منت ہے چھٹی صدی (ق م) مین یونان کے

اوّل اوّل اس کے دل مین یہ خیال ڈالا، یونانی مین "ایاوس" (یعنی نیک) کے معنی بہادر، ہنرمند اور لائق کے ہین، اور "گکوس" (یعنی بد) کے معنی ذلیل، عامی اور بزدل کے ہین، لاطینی مین "بونس" (یعنی نیک) کے معنی بہادر اور "ملس" (یعنی بد) کے معنی سیاہ کے ہین، (قدیم سلطنتِ روما مین نیچے طبقہ کے لوگ، مثلاً غیر ایرین باشندے سیاہ چہرے اور سیاہ بال کی وجہ سے پہچان لیے جاتے تھے) گیلک زبان (اسکاٹلینڈ کی ایک زبان) مین "فن" (یعنی نیک) کے اصلی معنی خوبصورت بال والے کے آتے تھے اور اب شریف اور ستھرا کے آتے ہین، جرمن مین "شلکٹ" پہلے "سادہ لوح" کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا، اب "خراب" کے معنی مین مستعمل ہوتا ہے، اس موقع پر نٹشے کو یونانی لفظ "نوپیا" (بمعنی "بد") کی مثال بھی پیش کرنی چاہیے تھی، کیونکہ یہ لفظ "نووس" سے مشتق ہے جس کے معنی "محنت و مشقت" کے ہین، اس کے نقطۂ نظر سے یہ مثال بیحد موزون ہوتی۔

اعلیٰ طبقہ کے لوگون کا زبان پر جو اثر ہوا وہ اوپر مذکور ہوا، اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو، جہان کہین غلامون اور ادنے طبقہ کے لوگون کی اخلاقیت غالب ہے، "گڈ" (اچھا) اور "اسٹوپڈ" (بیوقوف کودن) دونون قریب قریب ایک ہی معنی مین مستعمل ہوتے ہین، مثلاً "سیلی" (بیوقوف) پرانی انگریزی "سیلگ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "مسعود و مبارک" کے آتے تھے، پہلے "سمپل" (سادہ لوح) اس شخص کے لیے مستعمل ہوتا تھا جسکا ظاہر و باطن ایک ہو، اب ایک دیہاتی شخص یا مختل الحواس کو "انوسنٹ" (معصوم و بے ضرر) کہا جاتا ہے، جرمن لفظ "البرن" جس کے معنی "سادہ لوح" کے آتے ہین پہلے "سچا اور مخلصانہ" کے آتے تھے،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹ جمہوریت پسندون نے جو بغاوت و شورش کی تھی اس کے خلاف شاعر مذکور نے نمایان حصہ لیا، وہ شخصیت پسند تھا، اس نے ہر جگہ اپنے کلام مین شخصیت کو "خیر" اور جمہوریت "کو شر" سے تعبیر کیا اور اس طرح باشندگان یونان کو تحریکِ جمہوریت مین حصہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کی،

اخلاق کا مستقبل | خواص کی اخلاقیت کے متعلق نٹشے کا خیال ہے کہ موجودہ نسل کے مقابلہ مین آئندہ نسلون کا اخلاق بظاہر بدتر نظر آئے گا، لوگ اس وقت برے بھلے ہر طرح کے کامون مین دلیر اور بیباک ہون گے، وہ نیک کام نیکی کی غرض سے کرینگے عوام کی طرح نہین جو صرف جزائے خیر کے بھروسہ پر نیک کام کرتے ہین، آئندہ نسلون کی اخلاقیت پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:-

"ہمین ذی حس ہونے کی جرأت پیدا کرنی چاہیئے، ہمین حاصل کی ہوئی چیزون کو برقرار رکھنا چاہیئے، ہمین بوسیدہ اور مہمل معیارِ اخلاق سے نجات حاصل کرنی چاہیئے، کیونکہ ایسے معیار کی موجودگی مین ہم ان قیمتی چیزون کے اہل نہین رہتے جنکو ہم حاصل کر چکے ہین، اشیاء کی حقیقی قدر و قیمت کی بنا پر ان کی صف بندی ہونی چاہیئے تاکہ کسی کو افسوس و ندامت کا موقع نہ ہو، آنیوالی نسلون کے سربرآوردہ اشخاص ہمارے موجودہ طرز زندگی پر آوازے کسین گے، اور ہمارا اس وقت کا شرمندہ ہونا اور کفِ افسوس ملنا ان کی نظرون مین ویسا ہی فضول و بیکار ہوگا جیسا کتّے کا پتھر کو کاٹنا، وہ لوگ کسی کام کو معلق اور ادھورا نہین چھوڑین گے۔"

نٹشے اسی سلسلہ مین سابق زمانہ کی اخلاقیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اب تک دنیائے اخلاق مین تمام ترقیان جرائم کی وجہ سے ہوئین جنکی ابتدا پرومیتھس[1] کے آگ چرانے سے ہوئی، آئندہ بھی جرائم اور تشدد آمیز انقلابات کے بغیر ترقی نہین ہو سکتی، انسان بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج جو حاصل کر سکتا ہے وہ صرف کامیاب جرائم کی بدولت اب تک برابر یہی دیکھا گیا ہے کہ جس کسی نے مروجہ قوانینِ اخلاق کی خلاف ورزی کی اسے شروع

---

[1] Prometheus یونانی افسانون مین وہ "آگ چرانے والا" کے لقب سے مشہور ہے، یونانیون کا اعتقاد تھا کہ دیوتاؤن کے مقدس آتشکدہ سے وہ آگ چرا لایا تھا جسکی وجہ سے وہ عرصۂ دراز تک مقید رہا، اس کے بعد ہرکلس نے اُسے رہائی دلائی، دنیائے خاکی مین یہ پہلا جرم تھا جس سے انسانی ہاتھ ملوث ہوا، ایک انگریزی کتاب (Tales of Troy) مین یہ قصہ تفصیل کیساتھ درج ہے۔

مین "بدکار" کا لقب دیا گیا، لیکن جب بعد کو وہی قوانین برقرار نہ رہ سکے اور لوگ تغیر و تبدل کے خوگر ہو گئے تو اس کا لقب بھی رفتہ رفتہ بدل گیا، تاریخ کے صفحات ایسی مثالون سے بھرے پڑے ہین کہ "بدکار ہستیان" کچھ دن بعد "نیکوکار" تسلیم کر لی گئین، اخلاقیت مین اب تک جتنے تغیرات و انقلابات ہوئے وہ سب کامیاب جرائم کی وجہ سے، تمام اچھی چیزین پہلے بری تھین، ہر "قبیح" سے "حسن" اور ہر "شر" سے "خیر" خود بخود پیدا ہو گیا، مثلاً عقد کرنا جسے لوگ پہلے جرم سمجھتے تھے کہ اس سے جماعت کی حق تلفی ہوتی ہے، پہلے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے لیے مختص کرنے کا دعویدار ہوتا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا،

جنگ | آنیوالی نسلون مین (جو نطشے کے پیش کردہ قوانین اخلاق پر عمل پیرا ہونگے) امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ حد سے زیادہ جری اور بیباک ہونگے اور جنگ کرنے پر ہر وقت تیار رہین گے اور وہ انسانون، دیوتاؤن اور ستارون سے مقابلہ کرینگے، چنانچہ نطشے لکھتا ہے:

"اگر تم عالم و فاضل نہین بن سکتے تو کم از کم سپاہی بن جاؤ، جنگ نے دنیا مین صدقہ و خیرات سے بڑھکر کام کیا ہے، تم سوال کروگے کہ "خیر" کیا شے ہے؟ جواب "بہادر ہونا"، اپنی زندگی کے دن فرمانبرداری اور جنگجوئی مین گذار دو، زندگی کی بہترین خدمت یہ ہے کہ تم اپنے حوصلے بلند رکھو اور یہ بلند حوصلے تمہاری کوششون کا مرکز رہین، ہماری دنیا سے "یونانی دنیا" کو جو امتیاز حاصل تھا اس کی وجہ زیادہ تر جنگ کی محبت تھی، یونانی طبعاً حاسد ہوتے تھے، اور جنگجوئی کو "بدنما داغ" نہین بلکہ اپنے دیوتا کا "فضل و کرم" سمجھتے تھے، ان کے نزدیک ہر قدرتی نعمت کا ظہور جنگ اور لڑائی پر موقوف ہے، یونان کا ایک قوم پرست فاضل کہتا ہے کہ:-

اگر مین گاہے گاہے رزمیہ نظمین پڑھون تو لوگ مجھے معاف کرین کیونکہ اگرچہ جنگ اپنے ساتھ مصائب و آلام کا ذخیرہ لاتی ہے تاہم یہ ایک زبردست اور پاک دیوی ہے جو سلطنت

کے مواد فاسدہ کو دور کر دیتی ہے؛" ان اقوام کے لیے جو روز بروز کمزور اور ذلیل وخوار ہوتی جاتی ہیں جنگ اکسیر اعظم ہے اگر واقعی انھیں دنیا میں زندگانی کرنا ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی ہر قسم کی تباہی کا علاج تشدد آمیز ذرائع سے ہونا چاہیئے، ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا کرنا اور موت سے گریز کرنا درحقیقت جذبات وحسیات کے بوسیدہ ہو جانے کی نشانی ہے، اگر ہم عزت وناموری کیساتھ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ایک ایک خوشی کے بدلے جان قربان کر دینے پر تیار رہنا چاہیئے جو لوگ اس قسم کے جذبات رکھتے ہیں ان کو پھر جنگ کی ضرورت نہیں۔

جنگ کے متعلق نٹشے کے متذکرۂ بالا خیالات بے شبہہ قارئین پر ناگوار اثر ڈالیں گے، اور امن پسند اشخاص کو تو دہلا دینگے، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ آج تک تمام ترقی یافتہ اقوام ان ہی ہدایات پر عمل پیرا ہیں، زبردست سلطنتوں کی مہیب بلکہ مجنونانہ جنگی تیاریاں اس دعویٰ کا عملی ثبوت ہیں،

اگر قارئین ان خیالات کے اسباب دریافت کرنا چاہیں تو ان کو جرمن جنرل برنہرڈی[1] کی مشہور کتاب "جرمنی اور آئندہ جنگ" کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اس کتاب میں ذیل کی عبارت قابلِ غور ہے:۔

"جنگ لازمۂ زندگی ہے، لڑائی حیات انسانی کے لیے ناگزیر ہے، اگر دنیا سے لڑائی اُٹھ جائے تو ایسے نتائج نمودار ہوں گے جو بنی آدم کے لیے مضر اور تہذیب وتمدن کے لیے مہلک ہیں، ہیرکلیٹس کا قول ہے کہ جنگ تمام اشیاء کی جڑ ہے، اگر لڑائی نہ ہو تو کمزور اور بداخلاق اقوام تندرست اور نیک اخلاق قوموں کو نیست ونابود کر دینگی، اور ایک عالمگیر

---

[1] G. Bernhardi (۱۸۱۷ء-۱۸۷۵ء) جرمنی کا مشہور تاریخ دان اور ماہرِ لسانیات تھا، یہودی خاندان سے تھا، اسکی کتاب "قدیم روم ویونان کی تاریخ" مشہور ہے،

زوال وتباہی کا ظہور ہوگا، جنگ اخلاق کا جزو لاینفک ہی، بوقت ضرورت ارباب تدبر و
سیاست کو لڑائی چھیڑنے کا نہ صرف حق ہی حاصل ہے بلکہ ایسا کرنا ان کا اخلاقی اور سیاسی فرض ہے"

کتاب مذکور کے سرنامہ پر نٹشے کا یہ مقولہ جلی حرفون مین لکھا ہوا ہے، "جنگ اور دلیری
نے دنیا مین پڑوسیون کی محبت سے بڑھکر کارہائے نمایان کئے ہین" یہ کتاب اسی سال شائع ہوئی
اور ایک سال کے اندر اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہین،

نٹشے کے حسب ذیل جملون کی صداقت مین کس فرد بشر کو کلام ہو سکتا ہے؟ :-

"مین موجودہ زمانہ کی روز افزون بین الاقوامی تحریکون اور دنیا کی تابڑ توڑ مصیبتون مین
"خوف جنگ" کی علامات تو محسوس کئے بغیر نہین رہ سکتا ہین تحریرون مین زیادہ تر پرستاران
دولت کو پریشان حال اور خوف زدہ پاتا ہون جو اپنی قدرتی جہالت کی وجہ سے فن سیاست
کو ذریعۂ تجارت بنائے ہوئے ہین، اور جو حکومت اور جمعیت کو اپنی دولتمندی کا آلہ سمجھے ہوئے ہین
سلطنت کا خیال چھوڑ کر صرف دولت و ثروت کا خیال کرنا ایک مرض ہے جسکا واحد علاج جنگ
ہے، لڑائی چھیڑنے کی صورت مین کم از کم یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سلطنت کی بقا، (افراد انسانی
کی حفاظت کے لیے) جنگ سے گریز کرنے پر نہین بلکہ حکومت و حکمران کی وفاداری پر موقوف
ہے، اس سے جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ اعلیٰ کامیابی کا پیش خیمہ ہوتا ہے"

باب سوم

مسیحیت کی تردید

اصول | یونان کے مشہور اساتذہ ہیر کلیٹس[1] اور امپیڈوکلس[2] (جنکو نٹشے اپنا پیشوا سمجھتا تھا)

---

۱ صفحہ ۳۰ کے حاشیہ پر دیکھو ۲ صفحہ ۳۰ کے حاشیہ پر دیکھو،

نے زمانۂ حال کے بعض مسائل کا خاکہ پہلے سے تیار کر دیا تھا مثلاً اول الذکر نے "مسئلۂ ارتقا"
اور آخر الذکر نے "مسئلۂ انتخاب طبیعۃ" کی طرف اپنا میلان ظاہر کر دیا تھا، چنانچہ نٹشے کی رائے
مین ڈاروِن کا نظریہ امپڈوکلس کے نظریہ کی ایک خاص صورت ہے، بہرکیف بدنصیبی
کی بات ہے کہ نٹشے نے بھی اوروں کی طرح ان دو مسائل (ارتقا، اور انتخاب طبیعۃ) کی کما حقہ
تفریق نہین کی، نٹشے کا خیال تھا کہ "انتخابِ طبیعۃ" کی کامیابی کا دار مدار "استخراج" پر ہے،
(یعنی کمزورون کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے)

اسپنسر کی طرح نٹشے کا بھی خیال تھا کہ لوگون کا میلان "استخراج" کی طرف بہت
کم ہے، کیونکہ اسمین بہت سے موانع سدِّ راہ ہین سب سے بڑی رکاوٹ پہلے بھی اور اب بھی مسیحیت کا وجود
ہے کیونکہ مسیحیت صرف کمزورون اور ناکارون کی حمایت کرتی ہے، دوسری رکاوٹ
نٹشے اور اسپنسر دونون کی نظر مین "رحم" ہے، بے شبہہ "رحم" وقتی مصائب کا ازالہ کر دیتا ہے
لیکن اُن خطرات کو نظر انداز کر جاتا ہے جو اُسکی تنگ نظری کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین،

مسیحیت اور انتخاب مسیحیت کے متعلق نٹشے کے ابتدائی خیالات درج ذیل ہین:-

"مسیحیت پر اب تک جتنے حملے کیئے گئے وہ نہ صرف بزدلانہ تھے بلکہ غلط بھی جبتک
مسیحی اخلاقیت کے بدترین جرم ہونے کا احساس نہ تھا اس وقت تک حامیانِ مسیحیت کو
اطمینان تھا، مسیحی اخلاقیت کی قدر و قیمت کا مطالعہ کیئے بغیر "مسیحی مذہب" کی صداقت کے
متعلق سوال کرنا ہمارے موضوعِ بحث سے باہر ہے، خواہ یہ سوال وجودِ باری کے متعلق ہو خواہ
دین عیسوی کی ابتدائی تاریخ کی بابت ہو، پس اصل سوال یہ ہے کہ مسیحیت کے قوانینِ اخلاق کسی
کام کے بھی ہین یا صرف اذیت رسان اور مہلک ہی ہین، ہرچند کہ ان کا نفاذ تقدس و
عظمت کے پیرایہ مین ہو، مذہب کے برحق ہونے کے لیے ہر طرح کے مغالطہ آمیز ثبوت

پیش کئے جاتے ہین، اور پرجوش حامیانِ مذہب آخر مین اپنے مخالفین کے دلائل سے عاجز ہو کر یہ کہہ اٹھتے ہین کہ بعض اشیا، ایسی بدیہی ہین کہ ان کے ثبوت کی ضرورت نہین ہوا کرتی، اس طرح یہ لوگ ان دلائل کو نظر انداز کر جاتے ہین جو ان کے دعوے کی تردید مین پیش کئے جاتے ہین، آجکل یہ مغالطہ "کینٹ[1] کی تنقید" کے نام سے موسوم ہے"

مسیحیت انتخاب کا عکس ہے۔ | مسیحیت اور "انتخاب طبیعہ" پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہے :۔

"اگر ایک بیمار اور ضعیف شخص (عیسائی) کی منزلت وہی ہو جو ایک صحیح و تندرست شخص (کافر) کی ہوتی ہے تو ارتقا، کی قدرتی راہ مسدود ہو جائے گی اور خلاف فطرت چیز قانون بنجائے گی، قدرت کا اقتضا، یہ ہے کہ کمزور، بوسیدہ اور پست ہمت لوگ فنا ہو جائین لیکن مسیحیت خاصکر ایسے ہی لوگون کی حمایت کا ذمہ لیتی ہے، مسیحیت کمزورون اور اپاہجون کی اس صلاحیت و استعداد کو مستحکم کرتی ہے جو ان کو ایک دوسرے کی حمایت، حفاظت اور اعانت کی تعلیم دیتی ہے، مسیحی مذہب مین دوسرونکی خبر گیری کی جو تعلیم دیجاتی ہے اس کا مقصد صرف ناکارون کی اعانت ہے، جو شخص ایسی تعلیم کو خلافِ اخلاق اور زندگی کے منافی نہ سمجھے وہ خود پست ہمت لوگون مین شامل ہے اور ان ہی کی طرح ذلیل جذبات رکھتا ہے، نوعِ آدم کی خالص اور بے لوث محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ افراد انسانی اس کی خاطر ایثار و قربانی کرین، بے شبہہ یہ محبت ایک کٹھن چیز ہے کیونکہ یہ انسانی قربانی کی طالب ہے، مسیحیت نیچ طبقہ کے لوگون کی حمایت کا ایک مغالطہ آمیز ذریعہ ہے، کیا یہ واقعہ نہین ہے کہ صرف ایک شخص کی مرضی سارے یورپ پر اٹھارہ صدی سے بدین غرض حکمرانی کر رہی ہے کہ لوگون کا کمال خاک مین مل جائے، مسیحیت نے اعلیٰ طبقہ کے لوگون سے جنگ کر رکھی ہے اور ان کی مساعیِ جمیلہ

[1] صفحہ ۴۶ کے حاشیہ پر دیکھو،

مین روڑا اٹکا رکھا ہے مسیحیت نے ہمیشہ کمزور پست اور بوسیدہ اشیاء کا ساتھ دیا ہے مسیحیت نے طبائع انسانی کی تمام خود دارانہ قوتون کا استیصال کر دینا اپنا مسلک قرار دیا ہے مسیحیت نے زبردست دماغون کا ستیاناس کر دیا ہے کیونکہ اس کی تعلیم ہے کہ عقل و دماغ کے مشورہ پر چلنا گناہ ضلالت اور گمراہی ہے"،

نٹشے کی رائے مین تمام مذاہب مقدس دروغگوئیون کا مجموعہ ہین، وہ اپنے مضمون بعنوان "صدق وکذب" اور نیز دیگر مضامین مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ بسا اوقات دروغگوئی اور غلط بیانی حق گوئی اور راست بازی سے زیادہ مفید اور کارآمد ہوتی ہے، لیکن وہ مسیحیت پر اس وجہ سے حملہ کرتا ہے کہ "بائبل" (انجیل) کی دروغگوئیان منو[1] کی مشہور کتاب (قانون) کی غلط بیانیون کی طرح کارآمد نہین ہین، منو کی کتاب مدتہائے دراز کے تجربون اور آزمائشون کا نچوڑ ہے، مسیحیت نے جن چیزون کا بیدردی سے خون کیا ہے (مثلاً اضافہ نسل، عورت، مناکحت) منو کی کتاب مین ان کا پورا احترام کیا گیا ہے، اس کے مغالطے کارآمد ہین جن کے ذریعہ سے امراء، فلاسفہ، اور سپاہی عوام کی حفاظت کرتے ہین، لیکن انجیل مین یہ بات نہین، اس کے مغالطون کا انجام برا ہوتا ہے، زندگی زہر آلود اور پرخطر ہو جاتی ہے، جسم کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے، اور لوگون کو گناہ کا ڈر دلا کر بالکل بیکار اور نکما کر دیا جاتا ہے،" دروغگوئی" کے ذریعہ سے تعمیر مقصود ہو یا تخریب، ایک عیسائی اور ایک باغی دونون برابر ہین کیونکہ دونون کا نصب العین تباہی ہے،

مسیحیت کی اصل بنیاد ہر مذہب اوّل اوّل خوف اور ضرورت کی وجہ سے پیدا ہوا، مسیحی مذہب

---

[1] Manu قدیم یونان کا مشہور و معروف مقنن تھا، سنسکرت کا وہ متبحر عالم تھا، اس نے مذہبی، اخلاقی، اور معاشری قوانین کا مجموعہ تیار کیا جو" دہرم شاستر" کے نام سے اب تک موجود ہے،

یقیناً ادنیٰ طبقہ کے لوگون کا مذہب ہے، عوام کا طبقہ خواص کے طبقہ سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور وقتاً فوقتاً برسر اوج ہونے کی کوشش کرتا تھا، آخر کثرت تعداد کی وجہ سے غالب آگیا، اور یہی مسیحیت کے ظہور کی ابتدا ہے، مسیحیت کمزورون اور اپاہجون کی بغاوت کا نتیجہ ہے، مسیحیت ان لوگون کی پستی اور اخلاقی کمزوری کا نمونہ ہے جو اپنی توقعات سے مایوس ہو چکے تھے، اور بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے" "مسیحیت نامرادون اور پست ہمتون کی شورش و فساد کا نام ہے"

مسیحیت مین مشرقیت کا عنصر بہت غالب ہے، مثلاً "مسیحیت کو اس سے غرض نہین کہ ایک واقعہ صحیح ہے یا غلط، اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دنیا اس کو صحیح مان لے،، ،،خدا کو نوجوان اور کم عمر ہونا چاہیئے تاکہ خفیف سی خفیف حسیات کی آواز بھی اس کے کانون تک پہنچ سکے، عورت کی خاطر ایک "خوبصورت سینٹ" کو اور مرد کی خاطر "کنواری مریم" کو میدان مین آنا پڑا،، ،،جس کو خدا پیار کرتا ہے اس کو پاکباز بنا دیتا ہے، مشرق کی عورتون کا خیال ہے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنا اور ہر قسم کے تشدد کو برداشت کرنا شوہر کی محبت کی علامت ہے"

الغرض مسیحیت نٹشے کی نظر مین متعدد امراض کا مجموعہ ہے، جسکی تفصیل وہ یون کرتا ہے:-

جس عجیب و غریب اور مہمل دنیا مین مسیحی مبلغین ہمین لیجاتے ہین وہ دنیا صرف دستوا سکی[1] کی خامہ فرسائی کے لیے موزون ہے، یہ دنیا ایک "روسی ناول" سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے جسمین جمعیت کی تمام برائیان جسم کی تمام بیماریان اور لڑکپن کی تمام کمزوریان یکجا مجتمع نظر آتی ہین، اگر ان بوسیدہ اور دور از کار اعتقادات کی چھان بین کیجائے تو ہزاروان حصہ بھی صداقت کا

---

[1] M. Dostoiewsky مجھ (۱۸۲۱ء-۱۸۸۱ء) روس کا ایک مسلّم ناول نگار تھا، پہلے وہ انجینیر تھا، پھر ادبیات کے میدان مین گامزن ہوا، اسکی تمام کتابین مقبول خاص و عام ہوئین، چونکہ وہ اشتراکی تھا اسلیے سائبریا مین نظربند رہا کئی سال بعد واپس آیا اور آخر عمر تک ناول نگاری کرتا رہا،

نہین، یہ ظاہر ہے کہ ایک عالمِ لسانیات کسی تاریخی واقعہ کو تسلیم کرنے کے قبل اسکی تحقیق ضرور کریگا۔

حیات ابدی

"ہر شخص کا درجہ" غیر فانی روح" کے نقطۂ نظر سے مساوی ہے"۔ "ہر کس وناکس کی نجات حیات ابدی کی متقاضی ہے"۔ "متعصبون اور دیوانون کی خاطر قوانینِ فطرت بدل سکتے ہین"۔ اس قسم کی خودغرضی ونفس پرستی لائقِ ہزار نفرین ہے، باایں ہمہ مسیحیت کی فتح وکامرانی کا راز اسی فخر ومباہات مین مضمر ہے، اس ذریعہ سے مسیحیت نے تمام کمزورون، نکمّون، بیکارون یاغیون اور دشمنون کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے، روحانی نجات کے معنی صاف الفاظ مین یہ ہوئے کہ "دنیا میرے اردگرد گھومتی ہے"۔

گناہ

جرم وسزا اور نجات وبخشائش کی کوئی اصل نہین، یہ الفاظ صرف اس غرض سے اختراع کئے گئے ہین کہ انسان مین "علت ومعلول" کا جو احساس پایا جاتا ہے وہ فنا ہوجائے، علت و معلول کے تصور پر یہ حملہ گھونسے سے نہین، چھری سے نہین، بلکہ مکاری، چالبازی اور بزدلی سے کیا گیا ہے، یہ پادریون اور خوشامدیون کا حملہ ہے جو جونک کی طرح خون چوس لیا کرتے ہین، جب کسی فعل کے "فطری نتائج" کو "فطری" نہین سمجھا جاتا اور اوہام پرستی، خداپرستی اور روح پرستی کے اقتضار سے ان کو "اخلاقی نتائج" یعنی جزا وسزا سے تعبیر کیا جاتا ہے تو پھر علم کی ساری بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے اور بنی آدم کے قلب پر سخت صدمہ پہنچایا جاتا ہے، مین بار بار کہتا ہون کہ "گناہ" کا اختراع صرف اس وجہ سے کیا گیا کہ علوم وفنون اور تہذیب وتمدّن کا ستیاناس ہوجائے، صرف "گناہ" کا ڈر دلا کر عوام پر پادریون کی حکومت مسلط ہوسکتی ہے،

مسیحیت کے تاریخی نتائج

نٹشے مسیحیت کے اثرات ونتائج کو یون بیان کرتا ہے:-

"اگلے زمانہ کی تمام مساعی جمیلہ بیکار ہوگئین، مجھے ایسے الفاظ نہین ملتے جو اس سنگین جرم کے متعلق میرے خیالات کو پوری طرح ادا کرسکین، پہلے اعلیٰ تہذیب وتمدّن

کی ساری ضروریات مہیّا تھین، سائنس کے تمام لوازمات میسر تھے، تحصیلِ علم کا بہترین ذریعہ موجود تھا، علوم طبعیہ (مع علم ریاضی و علم جرثقیل کے) کا بازار گرم تھا، واقعات وحقایق جاننے کا عمدہ سامان صدیون سے مہیّا تھا، تمام چیزین جو ایک کام شروع کرنے کے لیے ضروری تھین فراہم ہوچکی تھین، کام کرنے کا اصول جو مشکل بھی ہے اور اہم بھی متعین ہوچکا تھا، غرض وہ تمام اشیا جو آج ہمنے محققانہ نظر، دور اندیشی، صبر و تحمل اور استقلال و سنجیدگی کے ذریعہ سے حاصل کی ہین، دو ہزار برس پہلے موجود تھین، ان تمام حقائق و معارف کا ستیاناس ہوگیا اور اب صرف خواب و خیال رہ گیا، فلسفۂ یونان، تمدنِ روم، فہم و فراست، ذہن و ذکاوت، تحقیقاتِ علمی، نظامِ سیاسی غرض تمام ضروریاتِ زندگی فراہم تھین اور یہ صرف نمایشی اور دکھاوے کی نہین بلکہ اصلی اور حقیقی، یہ سب چیزین ایک رات مین آنًا فانًا نیست و نابود ہوگئین، کسی قدرتی آفت کی وجہ سے نہین، کسی آسمانی مصیبت کے سبب سے نہین بلکہ مکاری، دغابازی اور چالبازی کے باعث، اندر ہی اندر خون چوسنے والے شیطان نے ان لوازماتِ تمدُّن کا خاتمہ کردیا، واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی نے ان لوازماتِ تمدن پر فتح نہین پائی بلکہ صرف ان کا خون چوس لیا گیا ہے، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنگ خیالیون اور ناپاک جذبات کا غلبہ ہوگیا، مسیحیت کے پرجوش علمبردارون (مثلاً سینٹ اغطین وغیرہ) کے حالاتِ زندگی پڑھو تو تمھین معلوم ہوگا، کہ صرف ادنیٰ طبقہ کے لوگون کو عروج حاصل ہوا۔"

ذیل کے جملے خاص طور سے قابلِ غور ہین:۔

"اگلے زمانہ کی تہذیب و تمدُّن سے ہمین جو پھل ملنے والا تھا مسیحیت نے اس کا ستیاناس کردیا، اور پھر بعد کو تمدُّنِ اسلام سے جو پھل ہمین مل رہا تھا اُسے بھی مسیحیت نے برباد کردیا، مسیحیت نے اندلس کے شاندار تمدنِ اسلام کا گلا گھونٹ دیا، صلیبیون نے مسلمانون سے بارہا لڑائیان

لڑین، لیکن اس سے کہین بہتر ہوتا کہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اندر سما جاتے، جنگ صلیبی اعلیٰ درجہ کی رہزنی تھی۔"

سینٹ پال

نٹشے حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کرتا ہے، وہ شاذونادر ان کی ذات اقدس پر حملہ کرتا ہے، وہ اپنا سارا غصہ سینٹ پال پر اتارتا ہے جسکو وہ مسیحی مذہب کا ذمہ دار بلکہ بانی مبانی قرار دیتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"سینٹ پال بہت زیادہ حوصلہ مند اور غرض کا بندہ تھا، وہ وہم پرستی اور عیاری کا مجسمہ تھا، مسیحیت کا جہاز کفرستان سے پار ہو کر ساحل تک جو صحیح و سالم پہنچگیا وہ اسی شخص کی کوششون کا نتیجہ تھا، اس کا دماغ بہت پست واقع ہوا تھا، اس نے قانونِ فطرت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، اس کا ضمیر نفرت، قتل، جادو، بت پرستی، آوارگی، شرابخواری غرض ہر قسم کے جذبات کا آماجگاہ تھا، وہ ابتدا مین قانونِ فطرت کی حمایت کر کے اپنے دل کو تسکین دینے کی کوشش کرتا اور برسرِ اقتدار ہونے کی خواہش کرتا، لیکن ہر لحظہ اور ہر آن اس کے دل و دماغ مین یہی خیال چکر لگاتا کہ "یہ سب بے سود اور لاحاصل ہین" انجام کار نجات کی صورت اس کے دل و دماغ مین آئی، سینٹ پال اب تک قانون کا زبردست حامی تھا مگر اب دل ہی دل مین اس سے بیزار ہوتا جاتا تھا، اس کشمکش مین حضرت مسیح علیہ السلام مع اپنی نورانی تجلّی کے اس کے سامنے ظاہر ہوئے، اس نے یہ الفاظ سن لئے "تم مجھے کیون ایذا دیتے ہو؟" اس کے بعد جو گذرا اسکا خلاصہ یہ ہے :۔

"سینٹ پال کا دل و دماغ نورِ تجلّی سے یکایک منور ہو گیا اور وہ اپنے جی مین کہنے لگا "یہ میری نجات کی صورت ہے، یہ میرے انتقام کا ذریعہ ہے، مجھے قانونِ فطرت کی بیخکنی کا ایک اچھا خاصہ ہتھیار مل گیا ہے۔" اس کے بعد سے وہ ہمیشہ قانون و ضابطہ کے استیصال

مین سرگرم کار رہا، وہ پہلا عیسائی تھا بلکہ دین عیسوی کا بانی تھا، اس کے پہلے صرف چند یہودی ایمان لائے تھے۔"

حضرت مسیح علیہ السّلام نے سولی پر جان دی، اس کے بعد جو شئے "گوسپل" (خوشخبری) کے نام سے موسوم ہوئی وہ درحقیقت اس "گوسپل" کے خلاف تھی جو حضرت مسیح علیہ السّلام نے دیا تھا، موجودہ "گوسپل" "خوشخبری" نہین ہے بلکہ بدخبری ہے نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے:-

"یہ سخت غلطی بلکہ حماقت ہے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السّلام کے ذریعہ سے نجات کی امید رکھتے ہین، انکی تعلیم کا مقصد صرف طرزِ زندگی بتانا تھا یعنی یہ کہ زندگی اسی طرح گذار دینی چاہیئے جس طرح سولی پر جان دینے والے نے گذار دی، آج بھی ایسی زندگی ممکن ہے، ان کی غرض طرزِ عمل بتانا تھا نہ کہ مذہب قائم کرنا، لیکن اب ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے بودھ کی طرح جس تسکین قلبی اور مسرتِ روحانی کی تعلیم دی ان کی وفات سے اس کا خاتمہ ہو گیا"

سینٹ پال کے متعلق نٹشے کی یہ رائے ہے:-

"سینٹ پال بدباطن تھا اور صرف اقتدار حاصل کرنے کا مشتاق، اس نے حضرت مسیح علیہ السّلام کی زندگی، ان کی تعلیم اور ان کی وفات کے واقعات کی تحریف کر دی، اس نے بنی اسرائیل کی تاریخ بدل دی تاکہ حصولِ مقصد مین سہولت ہو، حالانکہ تمام جانشینون نے اپنے پیشواؤن کی پوری تقلید کی ہے، جن چیزون پر خود سینٹ پال کو ایمان نہ تھا وہ ان کو نادانون اور جاہلون سے منوانا چاہتا تھا، اس نے ان عیسائیون کو جو یہودی مذہب کے مخالف تھے اور ان اشخاص کو جو اس وقت علم و ریاست مین ممتاز تھے، ایسی توقعات دلاکر اپنے قبضہ مین کر لیا جنکا پورا ہونا ناممکن تھا، اس نے ہر انسان کی روح کو غیر فانی قرار دے کر اور "ہمارا خدا" "خدائے واحد" "خدا کا اکلوتا لڑکا" کی رٹ لگا کر سب لوگون کو اپنے قابو مین

کرلیا، سینٹ پال نے جو ایک فریبی اور چالباز آدمی تھا ادنی درجہ کی اخلاقیت کی تعلیم دی، کیونکہ اس کا قول تھا کہ شرفار کی ضرورت نہین بلکہ خدائے پاک دنیا کی خراب اور بوسیدہ چیزون کو پسند کرتا ہے تاکہ اچھی چیزین برباد ہو جائین"

مسیحیت اور محبت انسانی | نٹشے کو ایسے زبردست الفاظ نہین ملتے جنسے وہ اپنا غصہ مسیحیت پر اُتار سکے، وہ لکھتا ہے:-

"مسیحیت نے محبت کے دیوتاؤن (ایروز اور افروڈٹ) کو شیطان اور جہنمی قرار دیا اور ہر عیسائی کے قلب مین اُن کی طرف سے نفرت و بیزاری پیدا کردی، ایروز کا طبقہ اگرچہ ظاہراً اُلٹ دیا گیا ہے تاہم بنی نوعِ آدم کے لیے اس شیطان کے قصے پادریون کے واقعات سے زیادہ دلچسپی کا سامان رکھتے ہین، اس پُراسرار مذہب کے باوجود آج بھی محبت کے افسانے بہت زیادہ دلکش اور مرغوبِ خاطر ہین، آجکل اِن افسانون کا جو اثر عوام پر پڑتا ہے اس کا وہم وگمان بھی اگلے زمانہ مین نہ تھا اور آسنے والی نسلین بھی بہت زیادہ محظوظ ہونگی"

مسیحیت اور علم وہنر | نٹشے کی نظر مین (جس نے اپنی کتاب "حادثہ کا آغاز" مین دنیا و مافیہا کو حماقت قرار دیا ہے) مسیحیت ایک کانٹا ہے جو اسکی کوششون مین سدِ راہ ہے، وہ مسیحیت کو علم و ہنر کے منافی سمجھتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"دین عیسوی خاص خاص مسائل (مثلاً وجودِ باری وغیرہ) کے سوا اور تمام علوم وفنون کو بیکار اور بے سود سمجھتا ہے اور اُن کو حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جو مذہب حیاتِ انسانی کی صرف آخری گھڑی کو مہتم بالشان قرار دے اور جو دنیوی زندگی کے خاتمہ کی پیشینگوئی کرے، وہ قطعاً تمام مساعی جمیلہ اور افکار عالیہ کے لیے سمِ قاتل ہے، میری رائے مین مذہب کسی شے کا اثبات نہین کرتا، پاگل خانہ کی اتفاقی سیر اس امر کو واضح کردے گی، آج بھی ایک

گمنام مذہب کو جس کا کوئی اثر نہ ہو چند دردانگیز واقعات کے اعادہ سے وقیع اور شاندار بنایا جا سکتا ہے، مسیحیت اب "اخلاقیت" کے قالب مین جلوہ گر ہوئی ہے، لیکن عقل سے بڑھکر ذوق سلیم اسکے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔"

خدا | خدا کے متعلق بھی نٹشے کا خیال مسیحی نقطۂ خیال سے بالکل جداگانہ ہے، وہ دین عیسوی کے "تصوّرِ باری" پر اعتراض کرتا ہے، قارئین غالباً عمر خیام کی ان رباعیات سے واقف ہون گے جنمین وہ انسان کی خلقت کا تذکرہ مکالمہ کے پیرایہ مین کرتا ہے، ان رباعیات کا ماحصل یہ ہے:-

"ایک نے کہا، بیشک میری پیدائش کے لیے زمین سے مٹی بیکار نہین لیگئی، جس نے مجھے اس وضع مین پیدا کیا، کیا وہ پھر مجھے اسی خاک مین پیوند کر دے گا؟

دوسرے نے کہا، ایک نادان لڑکا بھی اس تھالی مین چھید نہین کریگا جسمین وہ کھاتا پیتا ہے، جس نے محبت و شفقت کیساتھ ایک برتن بنایا، کیا وہ غصہ مین اُسے توڑ دیگا؟"

یہ خیال کہ "جب مخلوقات نے کجروی اختیار کی تو خدا نے انتقام کے طور پر ان کو فنا کر دیا" نٹشے کی نظر مین ذوق سلیم کے خلاف ہو،

نٹشے آگے چلکر لکھتا ہے:-

"خدا چھپی ہوئی ذات ہے جو اسرار سے بھری ہوئی ہے، خدا اپنے بیٹے کیساتھ کھلم کھلا نہین آیا جبتک خدا یعنی "مشرقی خدا" نوجوان تھا اُس کے مزاج مین سختی، درشتی اور انتقام کا مادہ تھا، لیکن جب وہ سن رسیدہ ہوا تو وہ شفیق، رحمدل اور سنجیدہ ہو گیا، بعد ازان وہ خلوت نشین ہو گیا، اس کے پاؤن کمزور ہو گئے اور وہ بالکل خستہ و ضعیف ہو گیا، لیکن ایک حاضر و ناظر اور عالم الغیب خدا جو اس بات کی پروانہ کرے کہ اس کے ارادون کے متعلق اس کی مخلوقات کو غلط فہمی ہو گی، کیا نیکی کا خدا ہو سکتا ہے؟ وہ خدا جو ان بے شمار شکوک و شبہات

کی روک تھام نہین کرتا جو قلوب انسانی مین آزادی کے ساتھ گشت لگاتے رہتے ہین (گویا وہ نجات انسانی سے کسی طرح کا علاقہ نہین رکھتے) اور پھر بھی راہ سے بے راہ ہونے والون کے لیے سنگین سزائین تجویز کرتا ہے، کیا ظالم خدا نہ ہوگا؟ خدا کو تمام باتون کا صحیح صحیح علم ہے تاہم اس نے اپنی مخلوقات کو بیچینی اور خلش کے عالم مین چھوڑ رکھا ہے۔ ہرچند کہ انسانی دل و دماغ حق کی جستجو مین سرگردان رہتے ہین، حق کا پتہ نہین چلتا۔ خدا کے متعلق عیسائیون کا تصوّر (یعنی یہ کہ خدا کمزورون کا دیوتا ہے یا خدا روح ہے) مہمل ترین تصوّر ہے، جو اوس کے زوال کا پتہ دیتا ہے، یہ تصور خدائے پاک کو اعلیٰ و ارفع ثابت کرنے کی جگہ اسکو زوال پذیر اور پست ہمت قرار دیتا ہے ۔

مسیحیت پر نٹشے کا فیصلہ | اس چھوٹی سی کتاب مین ان تمام اعتراضات کا استقصا نہین ہوسکتا جو نٹشے نے مسیحیت پر متعدد پہلوؤن سے کئے ہین، نٹشے مطلقاً مذہب کی خوبیون کا منکر نہین، اس کا خیال ہے کہ خواص کے ہاتھ مین "مذہب" ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے وہ عوام پر سہولت کیساتھ حکومت کرتے ہین، مذہب سے عوام اور غربا کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ایک طرف ان کی طبیعت مین (مذہب کی بدولت) اطاعت و فرمانبرداری کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اور دوسری طرف وہ اپنی غربت و افلاس کو بھولکر صبر و قناعت کرنا سیکھتے ہین،

مذہب کی ان خوبیون کے باوجود نٹشے مسیحیت کو ایک ڈراؤنی چیز سمجھتا ہے۔ اوسکی نظر مین مسیحیت کا وہی پایہ ہے جو فساد و شورش (انارکزم) اور اشتراکیت (سوشیلزم) کا ہے، وہ ان دونون تحریکون کو مسیحی مذہب کے ان مسائل و احکام کی فروع سمجھتا ہے جو عامۃ الناس کے لیے مختص ہین، وہ انجیل کو دستانہ پہنے بغیر چھونا نہین چاہتا، وہ اپنے مسیحی معاصرین پر رائے زنی

کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"عیسائی عوام کی طرح زندگی بسر کرتے ہین، ان کی عیسائیت صرف روح کی نمائشی رسومات سے عبارت ہے، ان کی صحبت مین میرا دم گھٹنے لگتا ہے، زمانہ ماضی کے متعلق مین صبر و تحمل سے کام لیتا ہون اور بنی نوعِ آدم کو ان کے خللِ دماغ کی وجہ سے قصور وار نہین ٹھہراتا، لیکن جب مین زمانہ حال پر نظر کرتا ہون تو میرے جذبات یکایک بدل جاتے ہین، آجکل عیسائی ہونا حماقت ہے "

نٹشے جو اپنے تئین مسیحیت کا فطری دشمن کہتا ہے اس آتش بیانی کے ساتھ مسیحیت پر اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے :-

"مین مسیحیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہون اور اس پر بڑے سے بڑا جرم عائد کرتا ہون جو ایک حاکم ایک ملزم پر کر سکتا ہے، مین مسیحی مذہب کو دنیا کی سب سے بڑی بدکاری سمجھتا ہون، میرے نزدیک مسیحیت بہت بڑی لعنت، بہت بڑی ضلالت اور بہت بڑا انتقام ہے، مسیحیت ہر قسم کے صفات ذمیمہ سے متصف ہے، مین مسیحی مذہب کو دامنِ انسانیت کا ہمیشہ باقی رہنے والا بدنما داغ سمجھتا ہون "

باب چہارم

"فوق البشر"

اصول | لڈوگ روتیمار نے جو بیل یونیورسٹی مین علم الحیوان اور علم تشریح کا پروفیسر اور نٹشے کا رفیقِ کار تھا، اس کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا، چنانچہ روتیمار کی طرح نٹشے کا بھی اعتقاد تھا کہ بندر اور انسان ایک ہی درخت کی دو شاخین ہین، اس نے بڑی دلیری کے ساتھ یہ بھی اعلان

کیا کہ اس دعوے کے اثبات کے لیے ایک عظیم الشان پیمانہ پر تحقیق و تفتیش کا سلسلہ شروع کرنا چاہیئے جو ہزاروں برس جاری رہے،

روتیمار کے سوا اور تمام ماہرینِ علم حیات کا جنکی کتابین نٹشے نے پڑھی تھین یہ دعویٰ تھا کہ اکتسابی اوصاف بھی وراثۃً منتقل ہو سکتے ہین، نٹشے کا بھی یہی دعویٰ تھا، لیکن تعجب اور افسوس یہ ہے کہ اس نے اس دعوے کو اس قدر وسیع کر دیا، کہ واقعات و حقائق سے اس کا ثبوت نہین ملتا، اگرچہ اس کا خیال تھا کہ اب تک کسی شخص کو "وراثت" کے اصلی معنی نہین معلوم ہین تاہم باستثنائے جز اس کی تمام تحریرین اس کے اس اعتقاد کو ثابت کرتی ہین کہ انسان نے "انتخاب طبیعۃ" کے مقابلہ مین جو نمائشی اور مصنوعی "انتخاب" ایجاد کر لیا ہے وہ بہت کارآمد شی ہے،

"انسان اپنے کو جو کچھ بنانا چاہے بنا سکتا ہے" اس مقولہ کیساتھ نٹشے نے جمعیت کو اس امر کی طرف رغبت دلائی ہے کہ موجودہ زمانہ کے پُرخطر اور مایوس کن مدارجِ زندگی کو اس طرح مرتب اور منتظم کیا جائے کہ وہ انجام کار ثابت ہون، نٹشے نے تہذیب و تمدن کی ترقی کیلئے منفیانہ پہلو اختیار کیا، یعنی یہ کہ کمزورون اور اپاہجون کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہیئے اور بعض لوگون کو (مثلاً مجرمین اور وہ مریض جنکا خون خراب ہو گیا ہو) اولاد پیدا کرنے کا موقع نہین دینا چاہیئے، ان دونون تحریکون کا نفاذ بعض امریکن ریاستون مین قانون کے ذریعہ سے ہو چکا ہے، نٹشے نے تمدن کی راہ مین کوئی ایجابی کوشش نہین کی اور وہ کر بھی نہین سکتا تھا، بہرحال مناکحت کے متعلق اُس نے جو چند تجاویز پیش کی ہین، وہ فائدہ سے خالی نہین، "فوق البشر" کی تحریک حیات انسانی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کی حیثیت سے تمدن کی ایجابی کوششون مین محسوب ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اس نے اس تحریک کے متعلق تفصیلی حالات نہین بتائے ہین اسلئے عملی طور پر یہ کارآمد نہین ہو سکتی ہر چند کہ اس کا تصور خوش آئند معلوم ہو،

لفظ "ابرمنشن" (یا "سپرمین" بمعنی "فوق البشر") اوّل اوّل ۱۶۸۸ء مین ایک مذہبی لکچر مین مستعمل ہوا، نٹشے نے شاید یہ لفظ گیٹے سے اخذ کیا، مشہور و معروف فلسفی ای، جی۔ ڈہرنگ[۱]، اپنی کتاب "قدر حیات" مطبوعہ ۱۸۶۵ء مین لکھتا ہے کہ ارتقا، کا اقتضا، یہ ہے کہ انسان ہمیشہ بہتر صورت مین منتقل ہوتا رہے، اغلب یہ ہے کہ نٹشے کی تحریک "فوق البشر" اسی کتاب سے ماخوذ ہو؛ بعض اوقات نٹشے کو خیال ہوتا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے با کمال اشخاص جو وقتاً فوقتاً عالم وجود مین آجاتے ہین، وہ قدرت کا ایک ناگہانی کرشمہ ہوتا ہے، اس خیال کی جھلک "فوق البشر" کے مفہوم مین بھی نمایان ہے، بہرکیف عموماً اس کا اعتقاد یہ تھا کہ انسانی ترقی تبدریج ہوتی ہے، چونکہ "فوق البشر" کے ظہور مین ابھی ایک عرصہ دراز درکار ہے، اسلیے وہ چند درمیانی مدارج پیش کرتا ہے، جنکا خلاصہ یہ ہے:۔

"موجودہ نسل انسانی سے ایک زبردست دل و دماغ والی امارت پسند جماعت پیدا ہونے والی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی، اس جماعت سے ایک خالص یورپین قوم نمودار ہوگی جو سربرآوردہ (ہائیرمین) کہلائے گی، اس قوم سے ایک نئی "صنف" پیدا ہوگی جو "فوق البشر" (سپرمین) کے نام سے موسوم ہوگی"۔

نٹشے کہتا ہے کہ "ہمین ایک صنف سے دوسری اعلیٰ صنف کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیئے"

علوم مادی اور جسم انسانی	"عرصہ سے دنیا پاگل خانہ بنی ہوئی ہے، خوش قسمتی ہے کہ اب تمام چیزین

[۱] E. G. Duhring (۱۸۳۳ء۔ ۱۹۰۱ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا، اس کا فلسفہ "فلسفۂ حقیقت" تھا، وہ تصوریت اور ہر اس مسلک کا مخالف تھا جو حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے،

سدھر رہی ہین، مگر افسوس یہ ہے کہ انسان اب تک متعصب، احمق اور خود غرض بنا ہوا ہے، انسان دنیا و مافیہا پر فلسفیانہ نظر نہین ڈالتا، وہ اپنی مختصر زندگی تک اپنی ساری کوششون کو محدود کرنا چاہتا ہے، وہ ان اشیار کی تعمیر کی کوشش نہین کرتا جو صدیون اس کے بعد قائم رہین، وہ درخت لگا کر خود ہی اس کا پھل کھانا چاہتا ہے، وہ اُن درختون کو اُگانا نہین چاہتا جنکے لیے صدیون کی محنت و مشقت درکار ہو، اور جنسے آنیوالی نسلین عرصہ دراز تک متمتع ہون، آجکل انسان روز بروز تنگ خیال ہوتا جاتا ہے جسکی وجہ صرف خود غرضی اور نفسانیت ہے، لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہین ہمدردی، خندہ پیشانی اور ظاہرداری کیساتھ پیش آتے ہین لیکن کسی کو نصب العین کی پرواہ نہین ہوتی، ہمین اب ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو اتفاق و قسمت پر اعتقاد نہ رکھین بلکہ دنیا کو اپنی مرضی پر چلائین"

"آج صرف علوم مادی (یعنی وہ علوم جنکا تعلق ہمارے تجربات و مشاہدات سے ہی) کامیاب ہون گے، فلسفہ، دینیات، نفسیات، علیات، منطق، ریاضی وغیرہ، دراصل سائنس نہین ہین، کیونکہ ان مین لایعنی امور پر بحث ہوتی ہے اور نفس حقیقت پر روشنی نہین پڑتی، عہد حاضر مین ہمارے تمام توقعات علوم مادی خاصکر علم حیات سے وابستہ ہین، "عضویاتی عمل" مین بھی عقل و منطق کو بہت زیادہ دخل ہے کیونکہ ان سے ہمین اشیائے خوردنی کے ہضم کرنے کی ترکیب معلوم ہوتی ہے"

"مین مسئلہ "وجود باری" سے بڑھکر مسئلہ "بالیدگی جسم" کے حل کرنے کا مشتاق ہون، اور اسی پر افراد انسانی کی نجات کا بہت کچھ دار مدار ہے، مین ہمہ تن جسم ہون اور کچھ نہین، روح بھی جسم کا ایک جزو ہے، بھائیو! تمھارے خیالات و احساسات کی تہ مین ایک زبردست حاکم اور ایک نامعلوم فلسفی مضمر ہے جسے "نفس" (سلف) کہا جاتا ہے، یہ تمھارے جسم مین رہتا ہے،

بلکہ یہ تمھارا جسم ہی ہے"۔

مندرجۂ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے کو عضویات پر بہت زیادہ بھروسہ تھا، اس کا خیال تھا کہ جس شے کو ہم "جسم" یا "گوشت" سے تعبیر کرتے ہین وہی ہمارے لیے نہایت ضروری اور اہم ہے، بقیہ تمام چیزین اسی کے لواحقات ہین، اسپنسر کا بھی قول تھا کہ زندگی کی کامیابی کا پہلا زینہ "اچھا حیوان ہونا" ہے۔ اور اچھے حیوانون کی قوم ہونا قومی خوشحالی کا دیباچۂ زرین ہے، نٹشے کا منشا یہ ہے کہ ہمین اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ برابر ترقی کرتے رہین، اور اسی طرز زندگی کے لیے وہ "فوق البشر" کی تحریک کو ہیچ عمل قرار دیتا ہے،

فوق البشر کا پیغام عمل

"مین تمھین "فوق البشر" ہونا سکھاتا ہون، ہر شخص کو انسان کی سطح عام سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیئے، تم نے آخر اس راہ مین کونسا قدم اٹھایا؟ اب تک تمام لوگون نے اپنی اپنی حیثیتون سے زیادہ کام کئے اور تم اس بہتے ہوئے پانی مین روڑا اٹکانا چاہتے ہو، تم ترقی معکوس کرکے بہائم کی صف مین جانا چاہتے ہو، لنگور کی حقیقت انسان کے مقابلہ مین کیا ہے؟ صرف دیوار قہقہہ یا بے شرمی کا پتلا، بعینہ یہی حقیقت انسان کی "فوق البشر" کے مقابلہ مین ہوگی"۔

"دنیا درحقیقت عبارت ہے "فوق البشر" سے تمھین بھی سمجھنا چاہیئے کہ دنیا صرف "فوق البشر" کا نام ہے، بھائیو! مین تمھین تاکید کرتا ہون کہ دنیا کے وفادار بنے رہو، ان لوگون کی باتون پر کان نہ دھرا کرو جو صرف توقعات دلاتے ہین، ایسے لوگ سم قاتل ہین خواہ ان کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو، "انسان" ایک رسی ہے، جو "حیوان" اور "فوق البشر" کے مابین پھیلی ہوئی ہے اور جس کے نیچے ایک عمیق غار ہے، اس غار کو پار کرنا یا اس راہ مین چلنا نہایت پر خطر ہے"

"مین اس شخص کی محبت یہ پیار کرتا ہون جسکی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ "فوق البشر"

عالم وجود مین آجائے، مین اس شخص سے محبت رکھتا ہون جو "فوق البشر" کی آمد کے لیے ہرطرح کا سامان درست اور دنیا کو اس کے استقبال کے لیے آمادہ رکھے، مین بجلی کا فرستادہ ہون اور بارش کی ایک وزنی بوند، یہ بجلی ہی در اصل فوق البشر ہے،

زندگی کیا ہے؟ | نٹشے کے نظریہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ مناسب ہے کہ پہلے نفس زندگی کے متعلق اس کے خیالات کو درج کیا جائے، اس نے "زندگی" کی متعدد تشریحین کی ہین، اور حسب ذیل ہین:-

۱- "زندگی" ان متعدد اجزا سے عبارت ہے جو اصولِ بالیدگی کے مطابق ایک رشتہ مین منسلک ہین،

۲- "زندگی" اس دیرپا صورت یا ہئیت کا نام ہے جو مختلف قویٰ کے باہمی تنازع کے بعد باقی رہ جاتی ہے،

۳- اندرونی تعلقات اور بیرونی تعلقات کے مابین مطابقت و موافقت پیدا کرنے کی پیہم اور مسلسل کوششون کا نام "زندگی" نہین ہے، بلکہ اس اندرونی قوت کا نام ہے جو تمام خارجی امور کو اپنے قبضۂ اقتدار مین کرلیتی ہے اور جسکو "عزم للقوۃ" کہا جاتا ہے،

۴- تصرف و استعمال، تشدد و سخت گیری اور بوسیدہ اشیاء کی بیخکنی کا نام زندگی ہے،

۵- زندگی بذاتِ خود نہ نیک ہے نہ بد،

جس طرح "زندگی" کی اور تعریفین ناقص اور غیر مکمل ہین، اسی طرح نٹشے کی مندرجۂ بالا تشریحین بھی ناکافی اور ناقص ہین، جسم کی ساخت اور اس کے اندرونی عمل کے متعلق ہمارے معلومات اس قدر محدود ہین کہ زندگی کی جامع و مانع تعریف کرنی مشکل ہے، اور دون کی طرح نٹشے کی تشریحین صرف پردہ کو سرکا دیتی ہین، اور بس، بہرحال ان مین صداقت کا بھی جزو

شامل ہے،

دور و تسلسل | "فوق البشر" اور "تمدن" کے متعلق نٹشے کے خیالات ظاہر کرنے کے قبل یہ ضروری ہے کہ پہلے "دور و تسلسل" پر روشنی ڈالی جائے، نٹشے کا خیال ہے کہ "دنیا مین ایسی قوتین کارفرما ہین جنکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، دنیا کوئی مبہم چیز نہین ہے اور نہ اس کا سلسلہ غیر متناہی ہے، دنیا کی چیزین متناہی ہین جو محدود مکانات مین جاگزین ہین، دنیا کی مختلف قوتون کی مثال سمندر کی لہرون کی ہے جو ایک طرف سے اٹھتی اور بڑھتی ہین اور دوسری طرف گرتی اور فنا ہو جاتی ہین، اس جزر و مد اور چڑھاؤ اتار کا سلسلہ نامعلوم زمانہ تک جاری رہیگا" یہ ہیر کلیٹس کے تتبع کا اثر تھا کہ نٹشے کے دل مین "دور و تسلسل" کا خیال آیا، وہ اس تصور کو جدید تصور سمجھتا تھا، بلکہ اس کو اس "انکشاف جدید" پر ناز بھی تھا، حالانکہ یہ کوئی نیا خیال نہین ہے، قدیم اقوام (اہل بابل اور اہل مصر) بھی تسلسل کی قائل تھین، بہر حال نٹشے کے نظریہ کے مطابق دنیا متناہی اشیا، کا نام ہے اور دنیا مین صرف متناہی قوتین کام کرتی ہین، اور اسلیے دنیا کوئی غیر معین یا مبہم شئے نہین ہے دنیا کے نظامات ترکیبی محدود اور متناہی ہین، دنیا یکے بعد دیگرے ان تمام نظامات مین جلوہ گر ہو گی، اور اس کے بعد از سر نو اعادہ ہو گا، یہ اعادہ ممکن ہے کہ بے شمار اور انگنت ہو اور پھر چونکہ ایک نظام ترکیبی اور دوسرے نظام ترکیبی کے درمیان دنیا ہر ممکن نظام ترکیبی کو اختیار کر سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام نظامات ایک ہی قاعدہ اور اصول سے اختیار کئے جائین گے، اسلئے ایک دائرہ اور حلقہ کی صورت مین دنیا کی وہی ہئیت کذائی بار بار نظر آئے گی، یہ سلسلہ غیر متناہی زمانہ تک جاری رہے گا، پس دنیا کی چیزین متناہی ہین لیکن ان کی تکرار دائمی اور ان کا اعادہ غیر متناہی ہے، دنیا کا یہ تصور کوئی مادی تصور نہین، دنیا کا اب تک "خطِ استوا" تک نہ پہنچنا تسلسل کو ثابت کرتا ہے، اگر یہ تصور مادی ہوتا تو

ایک ہی قسم کی چیزون کی تکرار بیشمار اور ان گنت نہ ہوتی، اگر دنیا کی انتہا ہوتی تو اب تک وہ انتہا آچکی ہوتی، یہ امر کہ دنیا کی انتہا اب تک نہین آئی ہے بذات خود ثابت کرتا ہے کہ مادیت ایک ناقص مسلک ہے،

نٹشے کی بہن (ایلیزبتھ) اس امر کے خلاف تھی کہ اس کا تصور" دور و تسلسل" فیثاغورس[1] کے "تصورِ دنیا" کے مماثل ہے، بہرحال اس کا یہ خیال نہایت پیچیدہ اور مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر ہم یہ فرض کر لین کہ دنیا کی چیزین غیر متناہی ہین اور زمانہ بھی غیر متناہی ہے تو پھر "دور و تسلسل" کی نوبت نہین آئے گی اور اگر ہم نٹشے کی طرح یہ تسلیم کر لین کہ دنیا کی چیزین متناہی ہین مگر زمانہ غیر متناہی ہے تو پھر ہر ریاضی دان بہ آسانی کہسکتا ہے کہ "دور و تسلسل" کا خیال غلط ہوجاتا ہے، اس کے مقابلہ مین فریڈرک ساڈی اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ "یہ خیال کہ دنیا کا ارتقا، بغیر ابتدا و انتہا کے جاری ہے اور ایک شے کی کمی دوسری شے مین پوری ہوجاتی ہے عہد حاضر مین اسی طرح صحیح ہوسکتا ہے جس طرح اگلے زمانے کا یہ خیال کہ ہمارے تجربات مین جو قوتین کارآمد معلوم ہوتی ہین وہی ہر جگہ کارفرما ہین۔"

---

[1] Pythagoras قدیم یونان کا مشہور و معروف فلسفی تھا، غالباً ۵۸۶ ق م مین پیدا ہوا، اس نے امراء و شرفا کا ایک حلقہ قائم کیا جو اسکی تمام ہدایات پر عمل پیرا ہوتا تھا، اس حلقہ کے تمام ارکان اخوان الصفا سمجھے جاتے تھے، رفتہ رفتہ اس جماعت نے اتنا زور پکڑا کہ حکومت مخالفت پر آمادہ ہوئی، آخر مجبور ہوکر فیثاغورس گھر چھوڑ کر دوسرے ملک مین چلا گیا اور وہین جلاوطنی کی حالت مین انتقال کیا وہ تناسخ کا قائل تھا، اس کے معتقدین کا خیال تھا کہ وہ مختلف پیکرون مین جلوہ گر ہونے کے بعد موجودہ صورت مین نمودار ہوا، اس کی زندگی سادگی و پاکیزگی کا مجموعہ تھی، وہ برابر نیکی کے اختیار کرنے اور بدی سے احتراز کرنے کی تعلیم دیتا تھا، موت کے بعد لوگ اسے دیوتا سمجھنے لگے تھے۔

نٹشے اس عجیب وغریب تصور پر کیون قائم رہا؟ جواب یہ ہے کہ وہ عوام کو قسمت و تقدیر پر اعتماد رکھنے کی تعلیم دیتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جن لوگون کی زندگی انتہائی درجہ تلخ ہے، ان کو تقدیر سے بہت کچھ تسکین و تسلی ہو جاتی ہے، نیز یہ کہ یہ تصور ان سر برآوردہ اشخاص (ہائیر مین) کی اخلاقی جرأت کے پرکھنے کی کسوٹی ہے جو نہ صرف دنیا سے احتراز نہین کرینگے بلکہ اس کے خوانِ نعمت سے بار بار لطف اندوز ہونگے اور دوبارہ زندگی کی تمنا کرینگے،

نٹشے نے زندگی کی جو تشریح کی ہے وہ ان لوگون کے لیے مہیجِ عمل ہے جو انسان کی آئندہ عظمت اور "فوق البشر" کا پرلطف خواب دیکھ رہے ہین، کیونکہ جب زندگی کمزورون پر غلبہ حاصل کرنے اور عوائق و موانع کی روک تھام کرنے کا نام ہے تو لوگ اپنے زورِ بازو سے فطرت کو زیرنگین کر لینگے اور ان تمام اشیا، کا استیصال کر دینگے جو حیات انسانی کی ترقی مین سدِّ راہ ہین، لیکن نٹشے کا تصور "دور و تسلسل" ان خواب دیکھنے والون کے لیے سوہانِ روح سے کم نہین ہے، کیونکہ جب دنیا کی کوئی حد و انتہا نہین ہے تو پھر "فوق البشر" کی کیا ضرورت ہے؟ جب دنیا صرف "جمالی شے" ٹھہری تو "نصب العین" یا "منزل مقصود" کا سوال ہی پیش نہین ہوتا (نٹشے "دنیا" کو صرف "جمالی شے" سمجھتا تھا) حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی آنکھون کے سامنے وعدہ، اُمید اور انجام کا خیال نہ ہو تو وہ دنیا کے لطیف سے لطیف کامون مین بھی زیادہ ٹک نہین سکتا،

بہرکیف یہ سمجھنا (جیسا کہ کبھی کبھی خود نٹشے سمجھتا تھا) سخت غلطی ہے کہ اس کے فلسفہ کا بنیادی اصول "دور و تسلسل" کا مہمل خیال ہے، اس کے تمام دعوے فراموش ہو سکتے ہین مگر "فوق البشر" کا تصور بہت دنون تک باقی رہے گا، "دور و تسلسل" کا خیال اوّل اوّل اس کے دل مین ۱۸۸۱ء مین ہوا اور "فوق البشر" کا تصور اس سے بہت پہلے

ہوچکا تھا، بلکہ اسکی ابتدائی تصنیفات مین یہ جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اس موقع پر یہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ خود نٹشے نے ایک دفعہ یہ رائے پیش کی کہ "دور و تسلسل" کا خیال فتنۂ و شر کی بدترین صورت ہے"۔

نصب العین کی ضرورت حیات انسانی کے نصب العین پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہے:

"عہد وسطےٰ مین مذہب کی عالمگیر حکمرانی کے سامنے دنیا کی تمام قوتین دب گئی تھین، بلکہ مذہب نے اپنی ہمہ گیری سے ان کو اپنا کر لیا تھا، لیکن جب مذہب کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کا اقتدار گھٹ گیا تو پھر یہ دبی ہوئی قوتین اُبھرین اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوئین، اب مذہب کی مسند پر "ارتقاء" متمکن ہے، ارتقاء کی غرض و غایت مسرت و خوشی نہین بلکہ ترقی اور صرف ترقی ہے، اگر انسان کا کوئی متفقہ اور مشترکہ نصب العین ہوتا تو ہم یہ کام یا وہ کام کرنے کی تجویز پیش کر سکتے تھے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اب تک کوئی متفقہ نصب العین نہین ہے، اگر تمام بنی آدم متحد ہو کر کوئی نصب العین متعین کر لین تو وہ قدرتی طور پر قوانینِ اخلاق کی پابندی کو اپنے اوپر فرض سمجھین گے، یہی خود ساختہ نصب العین "فوق البشر" ہے جو تمدن و ترقی کی آخری منزل ہے"۔

فوق البشر کی تشریح "فوق البشر" کے متعلق نٹشے کے خیالات وقتاً فوقتاً بدلتے رہے، شروع مین اُسے یقین تھا کہ صرف ایک شخص اس کا مصداق بن سکتا ہے، اسکی اکثر تحریرون سے مترشح ہوتا ہے کہ نپولین اس شرف کا مستحق تھا، نٹشے عمر بھر شخصیت پرستی کرتا رہا، کبھی وہ شوپنہار کو "متعدد قوتون کا مجموعہ" اور "دنیا کی مشکلات کا حل کرنے والا" بتاتا تھا اور کبھی واگنر کو "بنی آدم کا معلمِ اعظم" سمجھتا تھا۔

۱۸۷۴ء مین نٹشے نے "فوق البشر" کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا تھا:-

"آج جبکہ دنیا خود غرض ہو گئی ہے، لوگ خطا بین اور عیب چین ہو گئے ہین اور افراد انسانی قعرِ مذلّت مین جا گرے ہین، جدید "نمونۂ انسانی" کے قیام کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بہر کیف عہد حاضر مین ایسے تین نمونے موجود ہین جو بہت دنون تک آنے والی نسلون کے لیے دلیلِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہونگے، یہ تین نمونے روسو، گیٹے اور شوپنہار ہین، اول الذکر مین جوش و حرارت بہت زیادہ ہے اور عوام کو قابو مین رکھنے کی قدرت ہے، ثانی الذکر ان چند اشخاص کے لیے دستور العمل کا کام دیسکتا ہے جو رئیسانہ انداز سے رہتے ہین اور جن سے عوام کو بدظنی ہے، آخر الذکر اپنے متبعین سے سخت محنت و مشقت کا طالب ہے، اسلیے وہ صرف محنتی اور جفاکش اشخاص کے لیے مشعلِ راہ بن سکتا ہے اور ان لوگون کے لیے نہین جو سوچتے رہتے ہین اور کرتے کچھ بھی نہین"

اوپر کے آخری جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے ان تینون "نمونۂ انسانی" مین شوپنہار کو بہتر سمجھتا تھا، اس نے اپنے نامور ہیرو "زردشت" کے جو خصائل پیش کیے ہین وہ شوپنہار کے خصائل سے بہت مشابہ ہین،

اس امر کی کوشش کرنا کہ "فوق البشر" سے نٹشے کی کیا مراد تھی بالکل لاحاصل ہے، جس طرح ایک اشتراکی اپنے مسلک کی کماحقہ تشریح نہین کر سکتا، اسی طرح مخالفِ اشتراکیہ یعنی ریاست پسند

لہ J. J. Rousseau (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸ء) جینیوا کا ایک مشہور انشاپرداز اور ناول نگار تھا، ایک گھڑی ساز کا لڑکا تھا، ۱۷۵۰ء مین اس نے ایک زبردست مضمون لکھا جسکا ماحصل یہ تھا کہ موجودہ تہذیب و تمدن "اخلاقیت" سے بالکل معرّیٰ ہے، اس سے اسکی شہرت ہو گئی، اس نے زندگی نہایت غربت و افلاس مین گذاری، اگرچہ ۱۷۴۳ء مین وہ ایک سال کے لیے وینس کے فرانسیسی سفیر کا سکرٹری رہا تاہم عموماً اس کی کتابین صرف اس کا ذریعۂ معاش تھین، موسیقی پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی،

نٹشے بھی اپنے مسلک کی تفصیل نہین کرسکتا، وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہمارا نصب العین "نوعِ انسان" نہین بلکہ اسکی اعلیٰ صنف (یعنی فوق البشر) ہے، نٹشے قدرتی طور پر اشتراکیتہ کی مخالفت کرتا ہے اور ہراس تحریک کو قابلِ نفرت سمجھتا ہے جو افراد انسانی کو ساکن اور منجمد بنا دے اور جو انسانی قویٰ مین ضعف پیدا کر دے، اسے یقین تھا کہ اشتراکیتہ کے خلاف ایک اور تحریک زور شور سے پھیل رہی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ "نوعِ انسان کی ایک بہترین اور قوی ترین صنف عالمِ وجود مین آجائے جسکی خصوصیات و شرائط عامۃ الناس سے بالاتر ہون" اس صنف کو وہ "فوق البشر" سے تعبیر کرتا ہے،

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ نٹشے پہلے کارلائل اور ایمرسن کی طرح "فوق البشر" سے "اعلیٰ شخصیت" مراد لیتا تھا، اور بعد ازان "اعلیٰ صنف" مراد لینے لگا، جب تک نٹشے پر تصوریت اور لسانیات کا رنگ غالب رہا، "اعلیٰ شخصیت" پر ایمان رہا اور جب وہ عملیات کے میدان مین آیا اور ڈاروے کے صرف علمِ حیات کو اپنا مرجع قرار دیا تو اس کے دل مین "اعلیٰ صنف" کا خیال پیدا ہوا، اب اُسے نپولین جیسی زبردست شخصیت کی ضرورت نہ تھی بلکہ "نوعِ انسان کی بہترین صنف" کی جستجو منظور تھی،

اگرچہ نٹشے کا خیال تھا کہ "فوق البشر" مسیحیت اور شر و فساد کے استیصال کے لیے ضرور عالمِ وجود مین آئے گا لیکن دنیا کا رنگ دیکھکر کبھی کبھی وہ شبہہ بھی کرنے لگتا، اس شبہہ کو وہ یون بیان کرتا ہے "لوگون کو نجومیون کے کہنے پر اعتماد ہوگیا ہے کہ زندگی صرف وقتی اور فانی شے ہے اور دنیوی زندگی بالکل غیر اہم ہے، زمین ستارون کی طرح دو معدوم چیزون کے درمیان ایک حد فاصل کا نام ہے اور اسلیے ہر شخص اپنے آپ کو ابتدا اور انتہا سب کچھ سمجھنے لگا ہے" نٹشے نوعِ انسان کو ترقی دینے کا ادعا نہین کرتا اور نہ وہ جدید

دعویٰ پیش کرتا ہے، اس کی غرض صرف یہ تھی کہ موجودہ اعتقادات کی بیخکنی ہو جائے،

"فوق البشر" کا مذہبی پہلو | اگر "فوق البشر" کی توضیح و تشریح کیجائے تو پھر یہ ایک بیکار شے ہو جائیگی،

لیکن اگر اس پر ایک عام اور مجمل نظر ڈالی جائے تو مستقبل کے لیے ایک کار آمد چیز ثابت ہو گی، کیونکہ اسکی وجہ سے دینیات اور اخلاقیات کی عظیم الشان توقعات پوری ہو سکتی ہین اور حیات انسانی کی اصلاح و ترقی ہو سکتی ہے، نٹشے اپنی تحریک کے ذریعہ سے لوگون کو تعلیم دیتا ہے کہ "کمزورون اور ناکارون کا ساتھ نہ دو اور ہر اس کام مین حصہ لو جو انسان کی طاقت و عظمت کو مستحکم کرتا ہے" پس "فوق البشر" کی کامیابی "قوت" مین مضمر ہے، وہ قناعت و صبر نہین چاہتا بلکہ قوت اور صرف قوت، وہ ذلیل صلح پر جنگ کو ترجیح دیتا ہے،

اگرچہ "فوق البشر" کا تصور مبہم اور غیر متعین ہے تاہم حوصلہ افزا اور مہیج عمل ہے، جب ہمارے معاصرین کا اعتقاد ہے کہ زندگی اور جد وجہد دنیا کی زبردست چیزین ہین اور جب یوکن[1] تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد نہایت اعلیٰ وارفع قرار دین تاکہ روحانی زندگی مین ہم حصہ دار ہو سکین تو پھر نٹشے کی تحریک سے بہتر کوئی دستور العمل نہین، وہ ہمین تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنا ذاتی مفاد اس جماعت کے لیے قربان کر دین جو تمام جماعتہاے انسانی سے افضل ہے، نسل انسانی کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے کے لیے اس سے بڑھکر پاک اور بے لوث زندگی اور کیا ہو سکتی ہے؟" "فوق البشر" کی غرض و غایت یہ ہے کہ موجودہ نسل کو بے غرضانہ اور بے نفسانہ

---

[1] R. C. Eucken جرمنی کا ایک فلسفی مورخ اور ماہر لسانیات تھا، اس کا فطری رجحان یہ تھا کہ مذہب کو فلسفیانہ رنگ مین اور فلسفہ کو مذہبی رنگ مین رنگ دینا چاہیے اور دونون کی منافرت و اجنبیت کو اختلاط وارتباط سے بدل دینا چاہیئے ۱۹۰۸ء مین اسے "شعبۂ ادبیات" کا نوبل انعام ملا، اس کا فلسفہ فلسفۂ عمل تھا جو Activism (یعنی فلسفہ معروف) کے نام سے موسوم ہوا اُسنے فلسفہ پر متعدد کتابین لکھین،

اخلاق کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ ایسے نصب العین کے لیے سرگرم کار ہو جسکی تکمیل اس کے حین حیات نہین ہو سکتی، بہرحال نٹشے کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ "فوق البشر" کے ذریعہ سے ایک کثیر تعداد کو ذاتی مفاد ترک کر دینے اور انتہائی ایثار و قربانی کی ترغیب دیتا ہے،

نٹشے کی اصلی خواہش یہ تھی کہ ڈارون کا فلسفہ مسیحیت پر پوری طرح غالب آجائے لیکن اوس نے "نظریۂ ارتقاء" مین ترکِ خودی اور ایثار کا بھی اضافہ کر دیا، یہ اضافہ درحقیقت مسیحیت کے ہمہ گیر اثر کا نتیجہ تھا، چنانچہ ہم "فوق البشر" کی تحریک مین مذہب کا عنصر بھی پاتے ہین،

سر فرینسس گیلٹن[1] (بانیِ تمدنیات) لکھتا ہے کہ تمدن کو قوم کے سامنے ایک جدید مذہب کی طرح پیش کرنا چاہیئے کیونکہ اس مین اس امر کی صلاحیت ہے کہ آئندہ مذہبی قالب اختیار کرلے اور یہ بعید نہین ہے کہ آئندہ نسل انسانی کے لیے تمدن مذہب کا رکنِ رکین قرار پائے،

زردشت جس نے تیس سال کی عمر مین گھر چھوڑ کر پہاڑون کی سیر کرنی شروع کی اور جس نے دس برس خلوت و تنہائی مین گذارے، پادریون کے متعلق لکھتا ہے "مجھ کو پادریون سے رگ و خون کا تعلق ہے اور میری تمنا ہے کہ اس کی وجہ سے میری عزت افزائی ہو، تمھین نجات دہندگان سے بہتر اشخاص کی ضرورت ہوگی اگر تمھین آزادی کی شاہراہ معلوم ہو جائے، اب تک "فوق البشر" کا ظہور نہین ہوا ہے"

نٹشے سر فرینسس گیلٹن کا ہمعصر اور اسکی مانند تمدن کا علمبردار تھا، اسے خوب معلوم تھا، کہ دنیا فلسفی سے کہین زیادہ پیغمبر کا احترام کرتی ہے، اُسے یہ بھی خبر تھی کہ "فوق البشر" مین جو دلکشی اور اثر آفرینی پائی جاتی ہے، وہ صرف اس وجہ سے کہ اس مین مذہبیت بھی موجود ہے، وہ آخر پادری کا لڑکا تھا، اسکی خواہش تھی کہ جس طرح مذہب کی جہانگیری کے سامنے کوئی دم نہین مارتا اور

[1] صفحہ، (دیباچہ از مولف) کے حاشیہ پر دیکھو،

ہر کس و ناکس اس کے اوامر و نواہی کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتا ہے اسی طرح فلسفہ کی جہانگیری مسلّم ہو جائے اور جس طرح مذہبی لوگ خدا کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتے ہین اور لے دے کے صرف اسی ایک سے آس رکھتے ہین، اسی طرح لوگ "فوق البشر" کی خاطر سب کچھ نثار کر دین اور اسی کو اپنی تمام مساعی کا مرجع سمجھین،

نٹشے امن و امان کا دلدادہ تھا، وہ صرف پُر امن اور باضابطہ ارتقار کا قائل تھا، ایچ، جی، ولس نے ایک دلچسپ ناول "جدید میکاویلی" کے نام سے لکھا ہے، اس ناول کا ہیرو آئندہ آنیوالی نسلون کو بہتر اور خوشتر بنانا چاہتا ہے اور تمدنی ضروریات اور معاشری اصلاحات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے، لیکن وہ بدنظمی اور بے قاعدگی کی وجہ سے اپنے مقصد مین ناکام رہتا ہے، اسلئے نٹشے خوش نظمی اور امن پسندی پر بیحد زور دیتا ہے، اسکی تعلیم کا اصل الاصول جسکی جھلک اسکی تمام تصانیف مین موجود ہے یہ تھا، کہ "ایک مصلح کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ وہ قانون و ضابطہ کی پابندی کرے، ہر طرح کے آلام و مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور اسکی قوتِ ارادہ مین صبر و ضبط اور تحمل و برداشت کا عنصر شامل ہو کیونکہ جو شخص اپنے اوپر قابو نہین رکھ سکتا وہ ہر جگہ محکوم ہی ہو کر رہے گا"

تمدنیات | نٹشے پہلے تمدنیات کے لفظ سے بھی ناواقف تھا، لیکن بانیِ تمدنیات سر فرینس گیلٹن کا نام اس کے گوش گذار ہو چکا تھا، اس نے ۱۸۸۴ء مین سر موصوف کی کتاب "ساخت انسانی کی تحقیق" پڑھی، جسمین عوام و خواص کے دماغی فرق کی تشریح ان الفاظ مین کیگئی ہے "رہنمایانِ قوم کو چھوڑ کر جمہور کے دماغ مین عموماً جمود و انقباض پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ تن تنہا کوئی کام کرنا یا اسکی ذمہ داری لینا نہین چاہتے، جب تک یہ موروثی عیب جو اسلاف کی جاہلیت کا نتیجہ ہے دور نہ ہو جائے، ہم صحیح معنون مین روشنضمیر اور آزاد خیال نہین کہلا سکتے"، ممکن ہے

کہ نٹشے نے اس عبارت سے متاثر ہو کر افراد انسانی کی تقسیم اور عوام و خواص کے اخلاق کی تفریق کی ہو،

نٹشے نے تمدن پر بہت کچھ لکھا ہے، یہاں صرف چند فقرون پر اکتفا کیا جاتا ہے،

"مستقبل ہمارا ہے، ماضی ہمارا نہین ہے"

"ماضی کی اصلاح کرنا اور گئے گذرے واقعہ کو اپنی مرضی کے مطابق پھر جلوہ گر کر دینا حقیقی نجات ہے"

"خلائق کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جس پر اب تک لوگ آنکھ بند کر کے چلتے آئے ہین، عام راستہ چھوڑ کر بیمارون اور کمزورون کی طرح ادھر ادھر مارے پھرنا نہ چاہیئے"

"مجھے بتاؤ کہ دنیا مین کونسی چیز سب سے بری ہے؟ کیا پست ہمتی بدترین شئے نہین؟ ہمین ایک صنف سے دوسرے اعلیٰ صنف تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، صرف اپنی فکر کرنا اور دوسرون کی فکر نہ کرنا ایک بہت بڑا قومی حادثہ ہے"

"اگر میری ہدایات پر عمل کیا گیا تو "نفاق" اور "بدعقلی" کی حکمرانی جو اب تک ہو رہی ہے اسکا خاتمہ ہو جائے گا"

نٹشے اس امر پر زور دیتا ہے کہ مقننون کو انفرادی عافیت چھوڑ کر اجتماعی آسائش کا خیال کرنا چاہیئے، آئندہ نسل انسانی کی اصلاح کی خاطر موجودہ نسل انسانی کی زحمتون اور کلفتون کا مطلقاً خیال نہ کرنا چاہیئے، حکام کو اپنے اختیارات بڑے بڑے کامون مین صرف کرنے چاہئین اور رحم و مروت کے ذلیل کامون مین ان کو نہ پڑنا چاہیئے، آنے والی نسلون کی محبت و عزت کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اپنے ہمسایون تک کا خیال نہ کرین، انسان کی عام سطح سے سبقت کرنا لازمی امر ہے،

نٹشے نے کئی مقامات میں لکھا ہے کہ زبردست ہستیوں کا ظہور "ناموافق ماحول" پر مشروط ہے، یعنی زحمت کشی عظمت وجلال کا دیباچۂ زرین ہے، مصائب سے انسان کی منزلت دوبالا ہو جاتی ہے، وینس عرصہ دراز تک لڑبھڑ کر آخر ایک زبردست سلطنت بنگیا، پس نٹشے کی نصیحت تھی کہ "جفاکش بنو"

مجموعی حیثیت سے نٹشے لمارک کا ہمخیال تھا، چنانچہ اس کا دعویٰ تھا کہ اکتسابی اوصاف بھی نسلاً بعد نسل منتقل ہو سکتے ہین، اسی وجہ سے وہ دولت وامارت کے فوائد اور خوبیان بیان کرتے ہوئے اپنی ماقبل تحریر (یعنی مصیبت عظمت کا پیش خیمہ ہے) کی تردید کا مرتکب ہو جاتا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہو گا:-

"دولت کی وجہ سے قوم مین ریاست کی بنیاد پڑتی ہے، دولت ہی کی وجہ سے حسین عورتون کا انتخاب اور لائق اساتذہ کا تقرر ممکن ہے، دولت ہی کے ذریعہ سے انسان مین صفائی اور ستھرائی آتی ہے اور جسمانی ریاضت کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ دولت ہی کے ذریعہ سے انسان طرح طرح کی مصیبتون سے محفوظ رہتا ہے، پس دولت وامارت وہ تمام سامان فراہم کر دیتی ہے جس سے انسان چند نسلون کے بعد شریف اور لطیف زندگی گذار سکتا ہے۔"

عہد حاضر کے نقطۂ نظر سے متذکرۂ بالا دعاوی کو کون تسلیم کرے گا؟

نٹشے جبلّی خصائل کے منتقل ہونے پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر کامل صفت وراثۃً منتقل ہوتی ہے اور جو صفت منتقل نہ ہو وہ ناقص ہے اور اسے ابتدا سمجھنا چاہیئے۔ "جماعت یا قوم مشقت وزحمت کے بعد حسن وکمال اور دلآویزی حاصل کرتی ہے، کامیابی عموماً نسلون کی مسلسل اور پیہم کوششون کا نتیجہ ہوا کرتی ہے، اچھی چیزین عموماً قیمتی ہوتی ہین، وہ شخص حسین

صفات حمیدہ خود سے اُٹین اور شخص جو صفات حمیدہ کو حاصل کرے دونون برابر نہین ہو سکتے، اگر کوئی شخص اپنی آبائی شرافت و نجابت پر فخر کرتا ہے تو یہ فخر بجا ہے، اسلاف کی نجابت اخلاف کی شرافت پر دال ہے، اگر اسلاف مین ایک رکن بھی ناقص ہو تو پھر اخلاف کی شرافت مین بٹہ لگجاتا ہے،

اگرچہ نٹشے نے ڈارون پر کئی جگہ حملے کیے ہین تاہم وہ اس بات مین اس کا ہمخیال ہے کہ اشیا کی ظاہری حالت سے زیادہ انکی اندرونی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیئے، کیونکہ اعلیٰ تہذیب یا اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ سے انسان بے شبہہ اپنے خاندان کی پردہ پوشی کر سکتا ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ اسکی فطرت مین وہ خصائل و عادات نہ ہون جو اس کے آباؤ اجداد مین تھے اگرچہ اس کے ظاہری حالات سے کچھ اور ہی مترشح ہوتا ہو،

نٹشے نے ڈارون کے نظریہ "تنازع للبقا" کے مقابلہ مین اپنا جدید نظریہ "عزم للقوۃ" پیش کیا اس کا خیال تھا کہ نفس "بقا" کے لیے شاذونادر تنازع ہوتا ہے، کیونکہ ہر شخص کو قحط یا محتاجی سے واسطہ نہین پڑتا بلکہ اکثر لوگ دولت، عیش اور بے جا اسراف مین سرشار نظر آتے ہین،

نٹشے ایک جگہ لکھتا ہے کہ "وراثت" اور "ماحول" دونون الفاظ بے معنی ہین جنسے نفس مسئلہ پر روشنی نہین پڑتی، اصل سوال تو یہ ہے کہ ایک شے ابتدا مین ایک خاص مصرف مین کیون لائی گئی اور دوسرے مصرف مین کیون نہین لائی گئی، یہ عقدہ آج بھی اسی طرح لاینحل ہے جس طرح پہلے تھا،

مناکحت | تمدن پر نٹشے نے جو کچھ لکھا ہے، اس مین سب سے زیادہ کارآمد حصہ مناکحت سے متعلق ہے، نٹشے کو عموماً صنف نازک کا دشمن کہا جاتا ہے اور اس کے ثبوت مین زردشت کا یہ جملہ پیش کیا جاتا ہے "کیا تم عورت کے پاس جا رہے ہو؟ خیر اپنا چابک نہ بھولنا" لیکن

یہی نٹشے دوسری جگہ لکھتا ہے "عورتوں کے ساتھ مرد کبھی واجبی سلوک نہیں کر سکتے، کامل مرد سے بڑھکر کامل عورت نوعِ آدم کے لیے نمونۂ عمل بن سکتی ہے، مگر ایسی عورتیں کمیاب ہیں"

نٹشے لکھتا ہے کہ آجکل شادی کا دار مدار زیادہ تر اتفاق پر ہے، متمدن اور ترقی یافتہ لوگوں نے مناکحت کی بنیاد "اتفاق" پر قائم کر کے اپنی عقلیں کند کر دی ہیں، آجکل شادی کے معنی یہ ہیں کہ سوسائٹی کی طرف سے دو افراد انسانی کو عیش کرنے اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دے دیجائے، اور بس، اگرچہ اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ معاشری نظم و نسق مقصود ہے، آجکل کی شادی میں الفت و محبت کا نام بھی نہیں پایا جاتا، اگلے زمانہ کے شرفار کا نکاح سے یہ مقصود تھا کہ برسر اقتدار اشخاص کی جماعت نسلاً بعد نسلٍ باقی رہے۔ انسان کو اس وقت تک شادی نہیں کرنی چاہیئے جبتک اس کو یقین نہ ہو کہ میں تندرست ہوں، شریف النسب ہوں اور اولاد کا مستحق ہوں، نٹشے لکھتا ہے "تم شادی کر کے اپنے آپ سے ایک نئی ہستی کی بنیاد ڈالو گے، اس کام کے لیے اوّل اوّل تمھیں اپنے جسم اور روح کو درست کرنا چاہیئے کیونکہ تمھاری ذاتی خصوصیات متعدد نسلوں تک منتقل ہوتی رہیں گی، اگر تم نے ایسا کیا تو تمھاری شادی مسعود و محمود ہوگی، میرے نزدیک نکاح کے معنی یہ ہیں کہ زن و شو اپنے سے بہتر اور قوی تر اولاد پیدا کرنے کا عزم مصمم کریں"

نٹشے کا خیال ہے کہ نکاح کے وقت لوگوں کو اپنے گریبان میں منھ ڈالکر یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ہم میں رفاقت اور دوستی کا مادہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ شادی آخر کیا شے ہے؟ شادی نام ہے الفت و محبت کا، پس ہر امیدوارِ نکاح کو اپنے نفس سے یہ سوال کرنا چاہیئے کہ "کیا فلاں عورت کے ساتھ تم اپنا وقت مرتے دم تک خوشی سے گذار دو گے؟" اس کے علاوہ اور تمام شرائط و قیود ہیچ ہیں، نکاح کی بنا رفاقت پر قائم ہے،

وقتی نکاح | مریڈیتھ[1] (جو ایک سرگرم ماہرِ تمدنیات تھا اور جو مستقبل پر زبردست اعتماد رکھتا تھا) اور بعض امریکین مقننون کی طرح نٹشے کا بھی خیال تھا کہ شروع مین وقتی اور آزمائشی نکاح ہونا چاہیے اگر زن وشو کے اختلافِ مزاج کے باوجود ان کے تعلقات کو زبردستی باقی رکھا گیا تو پھر دونون کی مٹی پلید ہو جائے گی، اور دونون ایک دوسرے کو نفرت و انتقام کی نگاہ سے دیکھین گے، میان بیوی کے رشتہ کو بجبر باقی رکھنے سے کہین بہتر ہے کہ اسے توڑ دیا جائے. وقتی اور آزمائشی نکاح سے یہ فائدہ ہوگا کہ طرفین کو ایک دوسرے کے مزاج سے واقفیت ہو جائے گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا وہ مستقل نکاح کے مستحق ہین یا نہین، ہمین اپنی خواہشات نفسانی کو اپنے قابو مین رکھنا چاہیئے، تعیش پاک قلوب کے لیے غیر مضر بلکہ موجبِ لذت ہے، لیکن ناپاک قلوب کے لیے آگ ہے جو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے، نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے:-

"مستقبل مین شادی صرف روحانی رفاقت کی خاطر ہونی چاہیئے، جس کی غرض و غایت یہ ہو کہ ایک ایسی نسل کی بنیاد پڑے جو موجودہ نسل سے بہتر ہو، جو لوگ ہوس پرستی کو کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہین ان کو "داشتہ" پر اکتفا کرنا چاہیئے، اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کی جسمانی صحت کی بنا پر اپنے تئین اسکی خواہشون پر قربان کر دیا تو پھر شادی کا اصل مقصد فوت ہو گیا، ایسی صورت مین بیشبہہ انسانی آبادی مین اضافہ ہوگا مگر اتفاقیہ نسل کے سدھارنے اور سنوارنے کا خیال بھی ذہن مین نہ آئے گا"

نٹشے نکاح کے متعلق حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہے:-

---

[1] جارج Meredith. ایک مشہور شاعر اور ناول نگار تھا، ۱۸۲۸ء مین پیدا ہوا، قانون کی تعلیم حاصل کی، مگر طبیعت کا میلان شاعری کی طرف تھا، اس نے متعدد نظمین اور قصیدے لکھے، ۱۸۹۵ء مین اس نے ایک نظم "Amazing Marriage" کے عنوان سے شائع کی جو بہت مشہور ہوئی،

۱۔موروثی جائداد پر زیادہ محصول لگانا چاہیئے اور کنواروں کو عرصہ تک فوجی خدمت انجام دینا چاہیئے،

۲۔نکاح کے قبل مرد و عورت دونون کی صحت جسمانی کے متعلق ڈاکٹر کی سند ہونی چاہیئے اور اسکی تصدیق کلیساوالون سے بھی ہونی چاہیئے،

۳۔جن لوگون کی اولاد ذکور زیادہ ہون ان کو اورون کی بہ نسبت حقوق و اختیارات زیادہ ملنے چاہئین،

۴۔وقتی اور آزمائشی نکاح کا رواج دینا چاہیئے تاکہ زناکاری کا انسداد ہوسکے یا اسکی خرابیون کی اصلاح ہوسکے۔ ایسی حالت مین اولاد کے حقوق کا پہلے سے خیال کرلینا چاہیئے،

۵۔نکاح کے قبل برسراقتدار اشخاص اور پیشوایان دین کی منظوری لے لینی چاہیئے،

۶۔کمزورون اور اپاہجون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دینا چاہیئے،

آخری تجویز کو (جسکی طرف لوگون کی توجہ عہد حاضر مین بہت زیادہ مبذول ہورہی ہے اور جسکو امریکہ کی ریاستون مثلاً کالیفورنیا، کنکٹیکٹ، انڈنیا، یوا، نوادہ، نیوجرسی اور نیویارک مین قانون کی تحت مین لایا جاچکا ہے) نٹشے شرح و بسط کے ساتھ یون بیان کرتا ہے:۔

"بعض لوگ (مثلاً دائم المرض اور نحیف و زار لوگ) کے لیے بچہ کا ہونا جرم ہے۔ انسان کے ناکارہ ہونے کی ایک زبردست شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو مین نہین رکھتا اور معمولی سی خواہش پر اپنے تئین قربان کردیتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین پیشوایان دین اور ارباب حل و عقد کچھ نہین کرسکتے، یہ کام ڈاکٹرون کا ہے، ڈاکٹرون کے ذمہ متعدد فرائض ہین جنمین سب سے زیادہ اہم فرض یہی ہے، چونکہ جماعت افراد کی حیات کی ذمہ دار ہے، اسلیئے اس کا فرض ہے کہ وہ ناقص زندگی کا پہلے ہی سے خاتمہ کردے، ناقص زندگی کا خراب اثر جماعت

پر بھی پڑتا ہے،" اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی زندگی کو عالم وجود مین آنے سے باز رکھے،
غرض حسب و نسب کا خیال کئے بغیر کمزورون اور ناکارون کے توالد و تناسل کا سلسلہ بجبر و
اکراہ منقطع کر دینا چاہیئے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ "کسی کو قتل نہ کرنا
اس حکم سے کہین زیادہ ضروری یہ حکم تھا کہ "ناکارون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دینا،" دنیائے
انسانی مین تندرست و مریض دونون برابر نہین ہو سکتے، مریضون اور ناکارون کا خاتمہ جسطرح
ممکن ہو کر دینا چاہیئے، ورنہ آخر مین سب کو تباہ و برباد ہونا پڑے گا، مریضون کو تندرستون کے برابر
حقوق بخشنا اور کمزورون پر رحم کرنا اخلاق کے چہرہ کا ایک نہایت بدنما داغ ہے،

سحرہ یورپ | نکاح کے متعلق نٹشے کی بعض تجاویز قارئین کی نظر مین بہت بلند معلوم ہونگی لیکن
یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس نے یہ تجاویز تیس سال قبل پیش کی تھین جبکہ تمدنیات کا زور نہ تھا، اُسے
معلوم تھا کہ اس قسم کی اصلاحات کو نافذ کرانے مین ابھی عرصہ درکار ہے، اسلیے وہ ان اشیاء
پر اعتراض کرنے لگا جنکو وہ انسانی ترقی کے لیے سدِ راہ سمجھتا تھا،

یہ یقینی ہے کہ تمدنی اصلاحات اس وقت تک نافذ نہین ہو سکتین جبتک " وراثت" کی
اصل حقیقت ہم اچھی طرح نہ سمجھ لین، اغلب ہے کہ ان اصلاحات کا نفاذ اسی وقت ہوگا جبکہ
نیک اخلاق لوگون کی بجائے عقلاء کا دور دورہ ہوگا، جبکہ مرد و عورت دونون اقتصادی رو سے
آزاد و خود مختار ہونگے، جبکہ قومی تعصب اور تنگ نظری کا قلع قمع ہو جائے گا، اور جب کہ وہ رقم
جو آج فوجی ضروریات مین صرف کی جارہی ہے تعلیم (یعنی تمدنیاتی تعلیم) اور اجتماعی بہبودی
مین صرف کیجائے گی،

نٹشے نے ایک دو جگہ ضمناً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیائے خاکی کی حکومت
ایک وقت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہوگی کہ یہان کے عقلاء اجرام فلکی پر بھی حکمرانی کرین گے،

لیکن چونکہ یہ خیال ابھی پورا ہوتا نظر نہین آتا، اس لیے اس نے "متحدہ یورپ" کے قیام کی طرف توجہ مبذول کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"آجکل یورپ کی سلطنتین صرف ذاتی مفاد کے لیے سرگرم کار ہین، یہ خود غرضی بہت دنون تک نہین رہ سکتی، یورپ کی موجودہ حالت پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک روز انفرادی مفاد کی بجائے اجتماعی مفاد کا خیال کیا جائے گا اور یہ کہ موجودہ منافرت اور تنگ حالی آئندہ یگانگت اور خوشحالی کے لیے راستہ صاف کر رہی ہے، اقتصادی نقطۂ نظر سے دول یورپ ایک ہوکر رہین گے، چونکہ یورپ کے ممالک مین قومی تعصبات کی وجہ سے بے گانگی اور اجنبیت بہت زیادہ پائی جاتی ہے، اور چونکہ ارباب حل وعقد بھی عموماً تنگ خیال واقع ہین (اور بھی وجوہات ہین جنکا ذکر کرنا یہان موزون نہین ہے) اسلیے یورپ کے آئندہ اتحاد کی علامات پر کسی کی نظر نہین پڑتی اور اگر پڑتی بھی ہے تو وہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، بلند خیال اور روشنضمیر اشخاص کی روحانی اور پراسرار کوششین "متحدہ یورپ" کے قیام کے لیے سامان بہم پہنچا رہی ہین، مثلاً نیپولین، گیٹے، بتھوین، اسٹنڈھل، ہنبرک ہین، شوپنہار وغیرہ"

نٹشے صراحت کیساتھ یہ نہین بتاتا کہ آخر "متحدہ یورپ" کے قیام کی کیا صورت ہی، ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ روس کی زبردست اور تہدید آمیز قوت ایک روز یورپ کو مجبور کرے گی کہ وہ اپنے خانگی اور باہمی جھگڑون کو چھوڑ کر متحدہ طور پر اس نیم وحشی ملک کا مقابلہ کرے۔ نٹشے اپنے کو اور اپنے ہم خیالون کو فخریہ "یورپین" کہتا ہے کیونکہ "ہم اس معنی مین جرمن نہین ہین کہ طوائف الملوکی اور قومی منافرت کی تحریک ہو جو آج یورپ کے ممالک کو ایک دوسرے سے اجنبی اور بیزار بنائے ہوئے ہے، ہم یورپین ہین، اور اچھا یورپین ہونا اور یورپ کا دولتمند اور خوشحال وارث ہونا ہمارے لیے فخر کی بات ہے"

تعلیم | نٹشے نے تمدن و ترقی کے لیے دو شاہراہین بتائی ہین، ایک "متحدہ یورپ" کا قیام تاکہ "فوق البشر" کی تحریک سارے یورپ مین پھیل جائے اور سارے یورپ کا نظام عمل ایک ہوجائے، اور دوسری تعلیم و تربیت، جو درحقیقت تمام مصلحین کے لیے نہایت پرامن اور محفوظ شہراہ ہے تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے "نوجوانون کو تعلیم دو اور عوام کے خیالات درست کردو"

تعلیم پر نٹشے کا زور دینا قدرتی امر تھا، وہ پروفیسر تھا اور ۲۸ سال کی عمر مین ایک جدید اور بہتر طریقۂ تعلیم پیش کرنے کی غرض سے "ہماری درسگاہون کا مستقبل" کے موضوع پر پانچ خطبے دے چکا تھا، ان خطبون مین وہ ایک جگہ کہتا ہے "ہمارا مقصد عوام کی تعلیم نہین ہے بلکہ صرف چند منتخب اور چیدہ اشخاص کی تعلیم ہے جو بعد کو عظیم الشان خدمات انجام دے سکین" (یہ مقصد اس کے ریاست پسند مزاج کے شایانِ شان تھا)

نٹشے مدارس مین معلمینِ لسانیات کی کثرت پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ معلمین حقیقی اساتذہ کے مقابلہ مین وہی نسبت رکھتے ہین جو جنگلی ہندوستانی حکیم حاذق اور کامل اطبا کے مقابلہ مین رکھتے ہین، اس کا خیال ہے کہ زباندانی کی کتابون کے پڑھنے سے صرف حوصلے اور خیالات بلند ہوجاتے ہین اور لکھی ہوئی باتون کی وقعت بڑھ جاتی ہے اور بس، نوجوانون اور نونہالون کو مادی علوم اور کارآمد فنون کی تعلیم دینی چاہیئے،

سربرآوردہ اشخاص | اگرچہ "متحدہ یورپ" کا قیام اور اعلیٰ تعلیم کی ترویج نٹشے کے حصولِ مقصد کیلئے مفید ذرائع ہین تاہم یہ دونون بجائے خود "غرض" سے زیادہ وقیع نہین ہین، اصل "جوہر" خود انسان کی ذات ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نٹشے کو اس امر کا احساس تھا کہ "فوق البشر" کی تحریک اگرچہ دلکش اور دلآویز ہے تاہم اسکی تشریح کما حقہ نہین کیگئی ہے، اسلئے اس نے علمی پہلو اختیار کیا، اور نوعِ آدم کی عام سطح سے بالاتر ایک جماعت (سربرآوردہ اشخاص کی)

قائم کرنے کی کوشش کی، اسکا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ صرف چند نفوس مخصوصہ کا اقتدار ہونا چاہیئے اس ضمن مین وہ لکھتا ہے

"زبردست رہنماؤن اور ذی اختیار ہستیون کے ہاتھ مین بنی نوعِ آدم کے خیالات وحسیات کی باگ ہونی چاہیئے، اگرچہ وہ ہمیشہ باہمی اختلاط وارتباط کے ذریعہ سے ان شخصیتون سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتے رہینگے، یہ زبردست ہستیان ایک روز افراد انسانی کو 'نیک اخلاق' کے بدلے عقلمند بنائین گی اور 'فوق البشر' کی آمد کے لیے راستہ صاف کرینگی یہ درحقیقت 'فوق البشر' تک پہنچنے کے لیے زینہ ہین"

سربرآوردہ اشخاص مین حسب ذیل صفات ہونی چاہئین:-

۱- خاموش، سنجیدہ، مستقل مزاج اور صبر واستقلال کے ساتھ اپنے کامون مین مصروف رہنا چاہیئے

۲- اپنے خیالات وجذبات کو اپنے قابو مین رکھنا چاہیئے،

۳- خوش مزاج، سادہ لوح اور غرور وتکبر سے مبرّا ہونا چاہیئے،

۴- حکمرانی کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور بوقتِ ضرورت فرمانبرداری کے لیے بھی تیار رہونا چاہیئے کیونکہ حاکمی اور محکومی دونون مین ان کی اغراض پوری ہونگی،

۵- خطرہ مین پڑنے کے لیے ہر وقت مستعد اور ہمیشہ بے فکر رہنا چاہیئے،

نٹشے کہتا ہے کہ "اچھے یوروپینون" کی جماعت کو اپنے خصائل وعادات پر شرمندہ ہونے کی نوبت نہ آئے گی کیونکہ وہ اگرچہ لامذہب اور بداخلاق جماعت ہوگی تاہم وہ عوام کے مذہب واخلاق کی نگہداشت کرے گی، ہم "اچھے یوروپینون" کو عوام کے اخلاق کی غیر مشروط حفاظت کرنی چاہیئے، ہمین ایسے تمدن پر اعتماد نہین رکھنا چاہیے جو اخبار خوانی یا اخبار نویسی کو جائز قرار دے

سربرآوردہ اشخاص کو شریف النفس ہونا چاہیئے، ان مین ظاہرداری، تہذیب، خاموشی اور توقف پسندی ضرور ہوگی، وہ قطعاً غربت وافلاس اور تکلیف وآزار برداشت

کرنے کے لئے تیار رہین گے، ان کا اعتقاد ہوگا کہ مزدوری اگرچہ شرم وعار کی موجب نہین ہے
تاہم اس سے عزت مین فرق آجاتا ہے، وہ بہت زیادہ خلیق، ملنسار اور سلیم الطبع ہونگے،
لیکن ان تمام اوصاف سے بڑھکر ضروری چیز "خداداد قابلیت" ہے اور اس کے بعد اطاعت
وفرمانبرداری ہے، نٹشے کا خیال ہے کہ اگر کسی شے سے انسان کا اصلی جوہر ظاہر ہوسکتا ہے
تو وہ اپنے مسلک پر مستقل طریقہ سے اڑا رہنا ہے،

سربرآوردہ اشخاص کی مخالفت وہ لوگ ضرور کرین گے جو زبردست شخصیتون
کی راہ مین عموماً روڑے اٹکاتے رہتے ہین اور جو ان ہستیون کے لیے زنجیر پا ہوتے ہین،
جو حصولِ مقصد مین سرگرمِ کار ہوتی ہین، ایسے لوگ انسانی توقعات کے لیے سم قاتل ہین،
وہ لوگ جو ایسی برگزیدہ ہستیون کی آمد پر اعتقاد نہین رکھتے اور جو تمام افراد انسانی کو مساوی
قرار دیتے ہین درحقیقت گنوار اور رذیل ہین، سربرآوردہ اشخاص "فلسطنس[1]" کی تجاویز (جو معمولی
خصائل، ذلیل تدابیر، عامیانہ خیالات، سوقیانہ مباحث، قابلِ افسوس طرزِ معاشرت
اور عوام کی عافیت کا مجموعہ ہین) کا قلع قمع کر دینگے،

سربرآوردہ اشخاص کو باہمت ہونا چاہیئے اور اپنے وقت کے مخالفین سے برسرپیکار
رہنا چاہیئے، انھین اپنے آپ کو عالمگیر توقعات سے محصور کر دینا چاہیئے اور امید کے بھروسہ پر ہمیشہ آگے بڑھتے
رہنا چاہیئے، موجودہ حالت مین منطقی پیچ، التباس اور مغالطہ لازمۂ ترقی ہین، مغالطہ بسا اوقات
"حق" سے بڑھکر انسان کی حیات وبقا مین معاون ہوتا ہے، نٹشے لکھتا ہے کہ "مین تمھین محبت
اور امید کی قسم دیتا ہون اور کہتا ہون کہ اپنی روح کے ہیرو کو ضائع نہ کرو اور اپنی بلند توقعات کو قائم ودائم رکھو"

[1] PHILISTINES فلسطین کے جنوبی حصہ کے باشندون کو کہتے ہین، یہ لوگ اوائل زمانہ سے
یورپ کی نظر مین، "اشتراکی" معلوم ہوتے ہین، کیونکہ ان مین باہمی اخوت ومودت اور مساوات وبرابری کی تعلیم ہوتی تھی،

نٹشے کو سربرآوردہ اشخاص کے وجود کا پورا یقین تھا، وہ کہتا ہے کہ "مین اس بات کی علامات کا مشاہدہ کر رہا ہون کہ دلیری اور بہادری کا دور دورہ ہو گا اور اصلاحات کی پھر آؤ بھگت کیجائے گی، یہ دور دراصل ایک دوسرے دور کا پیش خیمہ ہو گا، موخرالذکر دور سچائی کو علم کا جزو اعظم قرار دے گا اور خیالات اور خیالات کے نتائج کے لیے جنگ کریگا۔"

جس فخر و ابتہاج کے ساتھ ایک مکتشف کسی جدید دریافت شدہ جزیرہ کا الحاق کرتا ہے اور وہان اپنے بادشاہ کا جھنڈا نصب کرتا ہے، اسی فخر و ابتہاج کے ساتھ تمدن کا علمبردار نٹشے بھی اپنے اکتشاف (سربرآوردہ اشخاص) کا تذکرہ یون کرتا ہے:۔

"بھائیو! مین ایک جدید جماعت انسانی (سربرآوردہ اشخاص کی جماعت) کی طرف تمھین متوجہ کرتا ہون، تم ہی مستقبل کیلئے تخم ریزی اور آبیاری کرو گے، یہ وہ جماعت نہین ہے جسے تم تاجرون کی طرح زر و مال سے خرید سکو، کیونکہ جس شئی کی قیمت ہو سکتی ہے وہ بے قیمت ہے، خواہ وہ کتنی ہی قیمتی ہو۔ تمھین اپنی ابتدا پر فخر نہین کرنا چاہیئے اور یہ نہین دیکھنا چاہیئے کہ کہان سے آئے ہو بلکہ اپنی انتہا پر فخر کرنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ کہان جا رہے ہو۔

بھائیو! تمھاری جماعت منہ نہ موڑے گی، پیچھے نہ دیکھے گی، بلکہ صرف آگے کی طرف نظر رکھیگی، تم اپنے آبائی گھوارہ کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے گھر سے محبت کرو گے، اور یہی محبت پیش خیمہ ہے سربرآوردہ اشخاص کے وجود کا، اس جماعت کا حال اب تک دور دراز سمندرون کے پار بھی نہین معلوم ہوا ہے، اسی لیے تمھین دائمی جستجو اور ابدی تلاش کا حکم دیتا ہون۔"

"تمت بالخیر"